امیر نایف بن عبد العزیز ایوارڈ کے بین الاقوامی مقابلہ میں اول انعام یافتہ کتاب

دعوتِ دین کا طریقۂ کار

عصرِ حاضر کے تناظر میں



مصنف:
فضیلۃ الشیخ عدنان عرعور حفظہ اللہ

مترجم:
ڈاکٹر عبد الرحمن یوسف مدنی
سابق پروفیسر اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور

مکتبہ ابن تیمیہ

هدية متواضعة للأخ الفاضل الكريم الشيخ

امیر نایف بن عبدالعزیز ایوارڈ کے بین الاقوامی مقابلہ میں اول انعام یافتہ کتاب

دعوتِ دین کا طریقہ کار

عصر حاضر کے تناظر میں



مصنف:
فضیلۃ الشیخ عدنان عرعور حفظہ اللہ

مترجم:
ڈاکٹر عبدالرحمن یوسف مدنی

مکتبہ ابن تیمیہ لاہور

نام کتاب

دعوتِ دین کا طریقہ کار

عصر حاضر کے تناظر میں

تالیف

فضیلۃ الشیخ عدنان عرعور حفظہ اللہ

ترجمہ

ڈاکٹر عبدالرحمن یوسف مدنی

اشاعت ________ فروری 2015ء

تعداد ________ 1000

ناشر ________ محمد رمضان محمدی
0321-4170317

ملنے کے پتے

- اسلامی اکادمی، اردو بازار لاہور
- مکتبہ ابن تیمیہ، لاہور
- مکتبہ قدوسیہ، اردو بازار لاہور
- نعمانی کتب خانہ، اردو بازار لاہور
- مکتبہ اسلامیہ، اردو بازار لاہور
- کتاب سرائے، اردو بازار لاہور
- جامعہ ستاریہ گلشن اقبال، کراچی
- فضلی سپر مارکیٹ، اردو بازار کراچی
- مکتبہ قرآن وسنت، کراچی

فون: 0304-5050710 , 0301-7985177

فہرست مضامین

باب دوم:

دعوتِ دین کے تین ارکان

باب سوم:

دعوتِ دین کے طریقے اور ذرائع

عرضِ مترجم

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى أَشْرَفِ الأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ ؛ امّا بعد!

اللہ ربّ العزت نے اصلاحِ انسانیت کے لئے دینِ اسلام کو کامل فرما کر اس دنیا کے خاتمے تک دائمی وابدی دستورِ حیات بنا کر بھیجا ہے۔ اسے اپنانے والوں اور اس کی ترویج کے لئے محنت کرنے والوں کو "بہترین امت" قرار دیا ہے۔ گویا اسلام سے بہتر کوئی مذہب نہیں اور مسلمانوں سے بہتر کوئی قوم نہیں۔ جب کہ امر واقعی یہ ہے کہ امت مسلمہ نہ صرف غیر مسلموں کے لئے تر نوالہ بنی ہوئی ہے بلکہ تنزل وانحطاط کا ذلت ورسوائی کی حد تک شکار ہے۔ اخلاقی اقدار کا فقدان، مذہبی افتراق وانتشار، معاشی انحطاط، سیاسی بے راہ روی اور معاشرتی اُصولوں سے انحراف جیسے امراض سے اس کا سارا تن داغ دار ہو چکا ہے اور وہ اغیار کے سامنے اسلام کو پیش آمدہ مسائل کے حل کے لئے قاصر باور کرا رہی ہے اور اس کی بدنامی کا باعث بنی ہوئی ہے۔ جبکہ دینِ اسلام کے کامل ہونے اور اللہ ربّ العزت کا واحد پسندیدہ دین ہونے میں ذرّہ برابر شک نہیں۔

اس پریشان کن صورتِ حال کے پیچھے یہ بنیادی عنصر کارفرما ہے کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ یا تو متروک ہو چکا ہے یا دعوتِ دین کو اس کے طے شدہ اُصول وضوابط کی روشنی میں پیش نہیں کیا جا رہا ہے جب کہ یہی کام وحدت امت، جہاد کی راہ ہموار کرنے اور اسلام کو غالب کرنے کا واحد ذریعہ ہے۔

اس کے فقدان کی کئی ایک وجوہات ہیں:

ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ اہل علم کے ساتھ ساتھ علم کے دعویدار اس میدان میں کافی تعداد میں آ گئے ہیں جبکہ بیشتر اہل علم بھی دعوتِ دین کو پیش کرنے کے اُصولوں سے ناواقف ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ بندہ ناچیز کو بھی زیرِ نظر کتاب کے مطالعہ کے دوران بہت سی ایسی باتیں،

معلوم ہوئیں جن میں سے کچھ تو معلوم ہی نہ تھی اور بیشتر وہ تھیں جنھیں معلوم ہونے کے باوجود ان سے عملی استفادے کا طریقہ معلوم نہیں تھا۔

زیرِ نظر کتاب دراصل ایک تحقیقی مقالہ ہے جسے "عصرِ حاضر کی روشنی میں منہجِ دعوت" کے موضوع پر نامور اسکالر فضیلۃ الشیخ عدنان عرعور حفظہ اللہ نے عالمی سطح پر منعقد ہونے والے ایک مقابلہ میں 2005ء میں پیش کیا۔ اور اسے سعودی عرب کی طرف سے "نایف بن عبدالعزیز عالمی ایوارڈ" کے نام سے پہلے انعام کے لئے منتخب کیا گیا۔ یہ مقابلہ ہر سال عالمی سطح پر عصرِ حاضر کے تقاضوں سے ہم آہنگ کسی اہم موضوع پر منعقد ہوتا ہے اور اس کے لئے دنیا بھر سے اہلِ علم کو شرکت کی دعوت دی جاتی ہے۔

اس مقالے کو مصنف نے تین ابواب میں تقسیم کیا ہے:

1. دعوتِ دین کی اہمیت اور موجودہ دعوتی صورتِ حال۔
2. دعوتِ دین کے تین بنیادی رکن، داعی کی شخصیت، مدعوین کے مختلف حالات اور دعوت کے بنیادی اُصول۔
3. دعوتِ دین کے مختلف ذرائع اور انہیں استعمال کرنے کی شرعی حیثیت اور طریقہ۔

- پہلے باب میں دعوتِ دین کی اہمیت کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کی موجودہ صورتِ حال کا جائزہ چودہ ذیلی عنوانات میں تفصیل کے ساتھ لیا گیا ہے۔
- دوسرے باب میں داعی کی شخصیت، اس کا مقام، اس کی خوبیاں، مدعوین کے مختلف حالات اور ان کا لحاظ رکھنے کے حوالے سے گفتگو کی گئی ہے۔ ایک داعی کو کس طرح مدعوین کے انفرادی حالات، اجتماعی ظروف، ان کی علمی سطح، ایمانی جذبہ، نفسیاتی کیفیت، اور ان کے معمولات کو مدِّ نظر رکھ کر دعوت پیش کرنی چاہیے۔ ان کے ساتھ ساتھ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ دعوت دیتے وقت کن اُصولوں کو اپنایا جانا ضروری ہے۔ کن مسائل کو مقدم رکھا جائے کن چیزوں کو ایک دوسرے موقع کے لئے مؤخر کیا جائے، اس میں اعتدال کی راہ کیسے اختیار کی جائے۔ کافر، نومسلم، بدعتی، بےعمل اور

باعمل مسلمانوں کو کیسے دعوت دی جائے۔ فرقہ بندی سے بچنے کے لئے کن اُصولوں کو سامنے رکھا جائے۔ فتویٰ لگانے کی بجائے دعوت دی جائے اور مختلف تقریبات اور مواقع کو منتخب کر کے انہیں دعوت کے لئے غنیمت سمجھا جائے، ان تمام امور کو سترہ ذیلی عنوانات میں تقسیم کر کے سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

- تیسرے باب میں دعوتِ دین کے لئے دستیاب ذرائع کو استعمال کرنے کی شرعی حیثیت، ان کے مثبت اثرات اور منفی پہلوؤں کو زیرِ بحث لایا گیا ہے۔ جن میں سولہ ذرائع: تقریر، تصنیف، پمفلٹ اور بروشر، ریڈیائی نشریات، ٹی۔ وی چینلز، رسائل و جرائد، درس اور لیکچر دینا، کانفرنس، سیمینار اور ورکشاپ کا انعقاد، آڈیو ویڈیو کیسٹس، چارٹ اور پینا فلیکس، بحث ومباحثہ اور مناظرہ، مباہلہ، انٹرنیٹ، ڈرامہ اسٹیج کرنا اور تصویر کے استعمال پر خامہ فرسائی کی گئی ہے۔

ایک قابلِ ملاحظہ بات یہ ہے کہ مقالہ نگار نے مقالے کے خاکے کو اس قدر طویل بنادیا تھا کہ اس میں اور فہرستِ مضامین میں کوئی فرق محسوس نہیں ہوتا تھا بلکہ یہ محض فہرست کے تکرار کی صورت اختیار کر گیا تھا اس لئے ترجمہ کے دوران اس میں سے ضروری مباحث کو لے لیا گیا ہے طویل وعریض ذیلی عنوانات کو چھوڑ دیا گیا ہے۔ ان تمام مضامین میں کتاب و سنت اور ائمہ کرام کی آراء کی روشنی میں ہر بات کو مدلّل اور باحوالہ پیش کیا گیا ہے، مقالہ کے اختتام پر تجاویز وآراء بھی پیش کی گئی ہیں اور آخر میں مراجع ومصادر کی فہرست دی گئی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ مقالہ نگار نے اُصولِ دعوت کو مجتہدانہ بصیرت کے ساتھ پیش کیا ہے اور اس میں راہِ اعتدال پر رہتے ہوئے منہجِ سلف کو ترجیح دی ہے۔ ممکن ہے کچھ اہلِ علم کو مقالہ نگار کی کسی رائے سے اختلاف بھی ہو تاہم یہ ایک انتہائی مفید کوشش ہے، اسی افادیت کے پیشِ نظر راقم نے اسے اردو قالب میں پیش کیا ہے۔ یہ ترجمہ نہیں بلکہ ترجمانی کے زیادہ قریب ہے، اس میں مجھے مقالہ نگار کے خیالات کو قارئین کے قریب لانے میں کس حد تک کامیابی ہوئی ہے اس کا فیصلہ وہ خود ہی کریں گے۔

تحدیثِ نعمت کے طور پر اس ترجمہ کی مختصر روئیداد بھی قارئین کے پیشِ خدمت ہے:
جامعہ ابوبکر اسلامیہ، کراچی کی سطح پر پاکستان میں واحد ایسی دینی درس گاہ ہے جس میں ثانوی سے گریجوایشن تک اسلامی یونیورسٹی مدینہ منورہ، سعودی عرب سے ہم آہنگ نصاب کی تعلیم عربی میڈیم میں کسی مذہبی تعصب کے بغیر دی جارہی ہے۔ راقم کو یہاں تدریس کے دوران یہ کتاب ایک نوجوان عالمِ دین جناب سرورالٰہی سلمۂ اللہ نے بطورِ تحفہ دی، اب یہ کتاب گریجوایشن کی سطح پر جامعہ میں داخلِ نصاب بھی ہے۔ مختلف مقامات سے مطالعہ کے بعد اسے اردو میں پیش کرنے کو جی چاہا، لیکن بیٹھ کر لکھنے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی، کچھ تو صحت کا عارضہ تھا اور زیادہ علمی کم مائیگی اور دیر کے بعد قلم کو ہاتھ میں لینے کا احساس دامن گیر تھا۔

مالکِ ارض وسماء کی توفیق تھی کہ میں نے اس کتاب کے طبع شدہ نسخے پر جہاں مضمون زیادہ پسند آیا اور عبارت آسان محسوس ہوئی کبھی بیٹھ کر اور کبھی لیٹ کر بین السطور کچی پنسل کے ساتھ ترجمہ لکھنا شروع کر دیا، کبھی پہلے باب سے ترجمہ ہو رہا ہے تو کبھی تیسرے سے، کبھی ایک پیرا لکھا ہے تو کبھی تین تین چار چار صفحے اللہ تعالیٰ کی توفیق سے لکھ لئے۔ کسی ترتیب و تنسیق کے بغیر کام جاری رہا، کرتے کرتے تقریباً پانچ سو صفحات پر مشتمل یہ کام مکمل ہو گیا۔ فَالْحَمْدُلِلّٰهِ الَّذِيْ بِنِعْمَتِهٖ تَتِمُّ الصَّالِحَاتُ.

قارئین سے التماس ہے کہ وہ ترجمانی کے اس کام میں جن غلطیوں سے آگاہ ہوں ان سے مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں ان کی اصلاح کی جا سکے۔ اس کی تکمیل پر مالک الملک کا شکر ادا کرتے ہوئے میں ان سب حضرات کے لئے دعا گو ہوں اور ان کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں جنہوں نے اس میں کسی بھی طرح میری مدد کی۔ جامعہ ابوبکر اسلامیہ (کراچی) ہی کے ایک نوجوان استاد جناب محمد طیب معاذ سلمۂ اللہ نے کچی پنسل سے لکھی ہوئی 'پورنے نما' کتابت کو اپنے قلم سے صاف صاف لکھنے کا کام بڑی محنت سے سرانجام دیا، جامعہ ہی کے طالب علم برخوردار حافظ محمد ساجد سلمۂ اللہ نے ابتدائی کمپوزنگ کو تقریباً ستر فیصد تک مکمل کیا، باقی ماندہ کمپوزنگ، تزئین و آرائش اور فائنل چیک میرے ہونہار بیٹے ابوطہ عمیر مدنی سلمۂ اللہ

نے سرانجام دیا، پروف ریڈنگ میں پیاری بیٹی سلمہا اللّٰہ نے ہاتھ بٹایا، کمپیوٹر پر تصحیح کا کام اور حوالہ جات کی تکمیل پیارے بیٹے حافظ سہیل عبدالرحمٰن سلمہٗ اللّٰہ نے کی۔ میری رفیقہ حیات اور میرے فرمانبردار بیٹے مجھے شب و روز آرام پہنچا کر اس کام کی تکمیل کے لئے میری حوصلہ افزائی کرتے رہے۔ محترم جناب وجاہت چوہدری کا بطور خاص شکرگزار ہوں کہ انہوں نے اس کی طباعت کی پیش کش کے ذریعے میرا حوصلہ بڑھایا۔

حقیقت تو یہ ہے کہ یہ معمولی سا کام میرے والدین کی دعاؤں کا مرہونِ منت ہے جن کی تعلیم و تربیت نے مجھے اس قابل بنایا اور جن کی دعاؤں نے میرے لئے توفیقِ الٰہی کا سامان فراہم کیا۔ اللہ تعالیٰ ان کا سایۂ شفقت تادیر صحت و سلامتی کے ساتھ قائم رکھے۔ "رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيْراً"

میں تمام حضرات کا شکرگزار ہوں اور دُعا گو ہوں کہ اللہ ربّ العزت اس معمولی کاوش کو قبول فرما کر اسے داعیانِ دین کے لئے میدانِ دعوت میں رہنمائی کا ذریعہ بنائے اور آخرت میں ہم سب کو اس کا صلہ، دوزخ سے نجات، جنت میں داخلے اور معلّم و مبلغ انسانیت خاتم النّبیین حضرت محمد ﷺ کی شفاعت و رفاقت کی صورت میں نصیب فرمائے۔ "إِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَقَدِيْرٌ وَبِالإجَابَةِ جَدِيْرٌ۔"

ويَرْحَمُ اللّٰهُ عَبْداً قَالَ آمِيْنَا

(ڈاکٹر) عبدالرحمٰن یوسف

سابق پروفیسر عربی زبان وادب اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور۔

جمادی اولیٰ 1432ھ/30 اپریل 2011ء

پیش لفظ

ہر قسم کی تعریف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے جس نے دعوتِ دین کو اپنے قُرب کا اہم ترین ذریعہ اور بہترین عمل قرار دیا، ارشادِ رب العزت ہے:

﴿وَ مَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَ عَمِلَ صَالِحًا وَّ قَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ﴾ (فصّلت:۳۳)

''اور اس سے بڑھ کر اچھی بات کس کی ہوگی جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک عمل کرے اور کہے کہ میں مسلمانوں میں سے ہوں۔''

درود وسلام ہو سالارِ قافلۂ دعوت اور معلّمِ انسانیت پر کہ جن کا ارشاد ہے:

((يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا أَنَا رَحْمَةٌ مُهْدَاةٌ))

آج امت مسلمہ اور ساری انسانیت کو سب سے زیادہ اصلاح اور امن وسلامتی کی ضرورت ہے۔ یہ دونوں چیزیں اُس دین کو مرجع بنائے بغیر حاصل نہیں ہوسکتیں جو دین فطرت بھی ہے اور دینِ حق بھی، جو دین واقعاتی بھی ہے اور دینِ عدل وسلامتی بھی، جو دنیا وآخرت دونوں لحاظ سے بہترین دین ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ؕ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ (الروم:۳۰)

''اس دین فطرت کی پیروی کرو جس کے مطابق اللہ نے لوگوں کو پیدا کیا۔ اللہ کی بنائی ہوئی فطرت کو تبدیل کرنا جائز نہیں ہے۔ یہی سیدھا راستہ ہے لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں۔''

لوگوں کے لیے اس دینِ فطرت کو اپنانے کا جو طریقہ اللہ ربّ العزت نے مقرر کر رکھا ہے وہ ہے شرائط وارکان پر مبنی دعوت وتبلیغ، اسی کی خاطر رسول بھیجے گئے، اسی کا اہلِ علم کو پابند کیا گیا ہے تاکہ حق کی حقانیت سامنے آئے اور عدل وانصاف اور انسانوں میں باہمی شفقت کا دور دورہ ہو، ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾ (الانبیاء : ۱۰۷)

''اور ہم نے آپ کو تو بس اہلِ عالم کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔''

آج ہمیں اوراقِ دعوت کی ترتیبِ نو، اس کی شرائط، اس کے اصول اور اُسلوب کے مطابق داعی حضرات کی تربیت کی اشد ضرورت ہے۔

زیرِ نظر مقالہ میں کافی حد تک اسی چیز کو بیان کیا گیا ہے تاکہ فرض بھی ادا ہو جائے اور داعی حضرات کے کام کی افادیت میں اضافہ اور ان کے طریقۂ کار کو بہتر بنانے کے لیے یاددہانی بھی ہو جائے۔

میں نے مقدور بھر کوشش کی ہے کہ یہ تحریر آسان اسلوب اور سلیس عبارت میں ہو۔ پیچیدہ جملوں، کثیر حوالہ جات، لغوی تعریفات اور علمی اصطلاحات سے مبرّا ہو۔

یہ کتاب نہ تو کوئی فقہی تحقیق ہے اور نہ ہی کوئی ترجیحی مطالعہ، اس لئے اس میں لمبے چوڑے دلائل اور مختلف آراء کا احاطہ نہیں کیا گیا اور نہ ہی علماء کے اجتہادات کو جمع کیا گیا ہے بالخصوص جب زیرِ بحث مسئلہ مشہور ہو تو اس انداز سے دانستہ طور پر گریز کیا گیا ہے۔

یہ کتاب اگرچہ دعوت کے موضوع پر تحقیقی مقالہ ہے تاہم میں نے اسے دعوت اور داعی حضرات کے لیے ایک عام کتاب کے طور پر لیا ہے، جس کا واحد مقصد یہ ہے کہ ان کے اسلوب میں ارتقاء پیدا ہو، تاکہ دعوت وتبلیغ اور ہدایت ورہنمائی عام ہو، دین کا ازسرِ نو بول بالا ہو اور مسلمانوں کی شان وشوکت میں اضافہ ہو۔ مقالے کے مضامین میں اشتراک اور باہمی ربط کی بنا پر کچھ عبارتیں اور ضروری قواعد میں تکرار آ گیا ہے جو کہ ایک ناگزیر امر تھا۔

میں اللہ تعالٰی سے دعا گو ہوں کہ وہ اپنی توفیقِ خاص سے کامیابی اور قبولیت سے نوازے، یقیناً وہ اس بات پر قادر ہے۔

اگر کوئی غلطی ہوئی ہے تو وہ میری طرف سے اور شیطان کی طرف سے ہے اور اگر کوئی اچھا کام ہوا ہے تو وہ رحمٰن کی توفیق کی بدولت ہے۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

مقالے کا خاکہ

مقالے کا خاکہ

اس مقالے کا خاکہ تمہید، تین ابواب اور خاتمے سے بنایا گیا ہے۔ تمہید میں زیرِ بحث موضوع کا نام، اس کی وجہِ انتخاب، اس پر خامہ فرسائی کا طریقہ اور اختیار کردہ اسلوب بیان کیا گیا ہے۔

بابِ اوّل:..... مسلمانوں کی موجودہ ضروریات اور ان کی دعوتی صورت حال

یہ باب اس مقالے کے بنیادی مقصد کی تمہید و تعارف پر مشتمل ہے۔

اس باب کی دو فصلیں ہیں:

فصل اوّل:..... مسلمانوں کی موجودہ صورت حال، ان کی ضروریات اور ان کے دعوتی احوال۔

اس فصل میں آٹھ مضامین ہیں:

۱: بنی نوع انسان کو دعوت کی ضرورت

۲: مثال بیان کرنے، جذبات کا اظہار کرنے اور گفتگو سے پہلے قاعدہ اور اُصول بیان کرنے کی اہمیت

۳: فہم و ادراک کی ضرورت و اہمیت

۴: تربیت کی اہمیت

۵: تقویٰ کی ضرورت و اہمیت

۶: واقعاتی صورت حال کو ملحوظ رکھنا

۷: لوگوں سے ان کی عقل و فہم اور ضرورت کے مطابق گفتگو کرنا

۸: تواضع وانکساری کی ضرورت واہمیت

فصل دوم:...... دعوتِ دین کی وضاحت

اس میں چھ مضامین ہیں:

ا: دعوتِ دین کی تعریف

۲: دعوتِ دین کی اہمیت اور اسلام میں اس کا مقام

۳: دعوتِ دین کی فضیلت

۴: دعوتِ دین کی شرعی حیثیت

۵: دعوتِ دین کے مقاصد

۶: دعوتِ دین کے اثرات

باب دوم:...... دعوتِ دین کے تین ارکان

اس باب میں تین فصلیں ہیں:

فصل اوّل:...... داعی کی شخصیت

اس میں دو مضمون ہیں:

ا: داعی کا مقام

۲: داعی کی خوبیاں

فصل دوم:...... مدعوین اور ان کے حالات

یہ فصل سات مضامین پر مشتمل ہے:

ا: مدعوین اور ان کے حالات کو مدِ نظر رکھنے کی اہمیت

۲: مدعوین کے شخصی حالات کی رعایت

۳: مدعوین کے علمی حالات کی رعایت

۴: مدعوین کی ایمانی حالت کی رعایت

۵: مدعوین کے نفسیاتی حالات اور ان کی مخصوص ضروریات کا لحاظ

۶: مدعوین کے حالات کا لحاظ

۷: لوگوں کے عمومی حالات ومعمولات کا لحاظ

فصل سوم:......دعوتِ دین ایک حقیقت پسندانہ عمل

اس میں آٹھ مضامین ہیں:

۱: مسائل واحکام سے پہلے ایمان کی دعوت

۲: تبلیغ وتعلیم نہ کہ محاکمہ ومحاسبہ

۳: فروعات وجزئیات سے پہلے عقائد واصول دعوت

۴: میدانِ دعوت میں ترغیب وتخویف میں اعتدال

۵: لوگوں سے بامقصد، ان کے حالات کی روشنی میں، ان کے لیے مفید اور ان کی استطاعت کے مطابق بات کی جائے۔

۶: دعوتِ دین میں رواداری جائز اور مداہنت ناجائز ہے

۷: اُصولِ تدریج اور اہم وراہم کو سمجھنا

۸: شخصیات اور جماعتوں کی بجائے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف دعوت دی جائے

۹: منہج واسلوب سے متعلق مختلف اصول

باب سوم:...... دعوتِ دین کا اُسلوب

اس میں تین فصلیں ہیں:

فصل اوّل:......دعوت کے مختلف اُسلوب

اس میں تیرہ مضامین ہیں:

۱: اُسلوب کی اہمیت اور دعوتِ دین میں اس کے اثرات

۲: دعوتی اُسلوب کے اُصول وضوابط

۳: اُسلوبِ قرآن کی جھلکیاں

۴: اُسلوبِ سنت کی جھلکیاں

۵: دعوتی اُسلوب میں کچھ داعی حضرات کی غلطیاں

۶: جذبات کو ابھارنا اور عقل وخرد کو حرکت میں لانا

۷: تذکیر بذریعہ تاریخِ اقوام اور دعوتی خطاب میں اس کے فوائد ونقصانات

۸: اسلوب وبیان کے مختلف طریقے

۹: تاریخی واقعات اور ضرب الامثال

۱۰: پُر مزاح اسلوب

۱۱: سامعین کی طرف رُخ کرنا، اعتدال کے ساتھ حرکت کرنا اور تقریر کے مطابق تاثر دینا

۱۲: مختلف اُسلوبِ تخاطب

۱۳: بات میں طوالت نہ ہونا، تکلف، تصنع، بسیار کلام نہ ہونا، مصنوعی تجع اور ذومعنی فقرے نہ ہونا بھی اچھے اسلوب میں شامل ہے

فصلِ دوم:......دعوتِ دین میں مختلف ذرائع ووسائل استعمال کرنے کی شرعی حیثیت

اس میں سات مضامین ہیں:

۱: مقاصد، اُسلوب اور وسائل وذرائع کا باہمی ربط

۲: دعوتی وسائل وذرائع کی تعریف اور اقسام

۳: اسلام اور ذرائع ووسائل کا استعمال

۴: انبیاء کرام علیہم السلام اور ذرائع ووسائل کا استعمال

۵: مسلمانوں میں ذرائع ووسائل کا نسل درنسل استعمال

۶: داعی اور مختلف ذرائع کا ارتقاء، ذرائع استعمال کرنے کے فنی اُصول

۷: ذرائع استعمال کرنے میں علمائے تربیت کا منہجِ نبوی کے ساتھ اتفاق

فصل سوم:......دعوتِ دین کے اہم ذرائع بالخصوص دورِ حاضر کے ذرائع

اس میں سولہ مضامین ہیں:

۱: تقریر

۲: قلم وقرطاس

۳: پمفلٹ اور بروشر

۴: نشریات

۵: ویڈیو چینلز

۶: رسائل وجرائد

۷: دروس اور لیکچرز، سیمینار

۸: کانفرنسیں

۹: ورکشاپ

۱۰: آڈیو، ویڈیو کیسٹیں

۱۱: چارٹ

۱۲: بحث ومباحثہ، مناظرہ اور مکالمہ

۱۳: مباہلہ

۱۴: انٹرنیٹ

۱۵: ڈرامہ اسٹیج کرنا (منظر پیش کرنا)

۱۶: دعوتِ دین اور تصویر

اختتامیہ:......تجاویز وآراء

ضروری ملاحظات:

اس مقالہ کی تیاری میں اختیار کردہ اُسلوب سے متعلق کچھ ضروری باتیں ملاحظہ ہوں:

(۱)...... علمی مواد بنیادی مصادر ومراجع سے لیا گیا ہے۔ ان مصادر کو مقالہ کے حاشیہ میں اور مراجع کی فہرست میں بیان کردیا گیا ہے۔

(۲)...... اس موضوع پر تحقیق کے دوران شرعی نصوص سے راہنمائی لی گئی ہے۔

(۳)...... بیان کردہ ہر اصول کے لیے عملی مثالیں ذکر کرنے پر زور دیا گیا ہے تاکہ مدّعا ومقصود بھی واضح ہوجائے اور اُصول وضوابط بھی مدلّل ہوجائیں۔

(۴)...... مقالے کو عام فہم اُسلوب اور پیچیدگی سے بالاتر رہ کر آسان زبان میں لکھا گیا ہے تاکہ مضمون کو سمجھنا، سمجھانا اور عملی طور پر اپنانا آسان ہو۔

(۵)...... آیات کی سورتوں سمیت نشان دہی کی گئی ہے۔

(۵)...... احادیث وآثار کی تخریج میں صحت واستناد کا لحاظ رکھا گیا ہے۔

(۷)...... مقالے کے مزاج کے پیش نظر شخصیات کے حالاتِ زندگی بیان نہیں کیے گئے۔

(۸)...... صرف دو فہرستوں پر اکتفا کیا گیا ہے۔

الف:...... عنوانات کی فہرست

ب:...... مراجع ومصادر کی فہرست

یہ مقالہ ''نایف بن عبدالعزیز بین الاقوامی ایوارڈ'' میں شرکت کے لیے تحریر کیا گیا ہے۔ مسابقہ ومقابلہ کے ذریعے مختلف اہلِ قلم کی شرکت اور نئی آراء کو موقع کی فراہمی، دینِ اسلام کی خدمت کے لیے جدوجہد کو پائیدار بنانے کی کوشش، ایسے کام ہیں جن کے کرنے والے لائقِ صد تشکّر وامتنان ہیں۔ ان میں سرفہرست امیر نایف بن عبدالعزیز، ڈائریکٹر جنرل امیر سعود بن نایف، سیکرٹری جنرل ڈاکٹر مساعد عرابی حارثی، مینیجنگ ڈائریکٹر ڈاکٹر مسفر بن عبد

اللہ البشر ﷾ اور دیگر کارکنان شامل ہیں۔

میں اللہ عز وجل سے دعا گو ہوں کہ وہ ہمیں صائب الرائے ہونے کی توفیق دے اور ان کی محنت کو قبول فرمائے۔ اس مقالہ کے ذریعے سے ہمیں دنیا و آخرت کی کامیابی سے نوازے، یقیناً وہ اس پر قادر اور با اختیار ہے۔ سب تعریفیں اللہ رب العالمین ہی کے لیے ہیں۔

بابِ اوّل

مسلمانوں کو دعوتِ دین کی ضرورت

اور

ان کی دعوتی صورتِ حال

باب اوّل

مسلمانوں کو دعوتِ دین کی ضرورت

اور

ان کی دعوتی صورتِ حال

اکثر مسلمان بالخصوص نوجوان نسل جس طرح فکری انحراف، منہجی انتشار، دعوتی عمل میں کوتاہی اور اصلاحی خلل میں مبتلا ہے وہ کسی بھی صاحبِ نظر مطالعہ سے مخفی نہیں۔ اس بات کے بہت سے منفی اثرات ہیں اور یہ بہت سے ایسے خطرناک واقعات کا سبب بنی ہے جس سے دعوت کے میدان میں پسپائی اور ناکامی ہوئی ہے یہی وجہ ہے کہ اہلِ اصلاح کو اس فکری انحراف کی وجوہات تلاش کرنے، اس دعوتی اضطراب کے اسباب معلوم کرنے اور اس خامی اور کوتاہی کے اثرات کا سنجیدہ اور عملی مطالعہ کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ تاکہ اس کا جائزہ لے کر اس کا حل پیش کیا جائے۔

ہم آئندہ دو فصلوں میں اسی کو زیرِ بحث لائیں گے۔

فصل 1

مسلمانوں کی موجودہ صورتِ حال

اس تحقیقی مطالعہ کے آغاز میں مناسب ہوگا کہ سرسری اشاروں اور مختصر ہدایات کے ذریعے اس میدان میں مسلمانوں میں پائی جانے والی کمی کی طرف توجہ دلائی جائے تاکہ انہیں سمجھ کر اور مدِنظر رکھ کر اس کا انسداد کیا جا سکے، چونکہ اصل مقصد تنبیہ وتذکیر ہے اس لئے تفصیل کے بغیر اور دلائل میں جائے بغیر یہ توجہ طلب پہلو ذکر کیے جائیں گے اگرچہ ہر ایک پہلو تفصیلی مقالے اور مستقل تصنیف کا متقاضی ہے۔ یہ توجہ طلب پہلو آٹھ عنوانات میں بیان ہوں گے۔

(۱) بنی نوعِ انسان کو دعوت کی ضرورت:

اللہ تعالیٰ کا یہ دستور رہا ہے کہ اس نے کفر اور اہلِ کفر کو بھی موجود رکھا ہے اور ایمان واہلِ ایمان کو بھی بقا بخشی ہے، اللہ ربّ العزت کا فرمان ہے:

﴿هُوَ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ ۚ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝﴾

[التغابن:۲]

''وہی ہے جس نے تمہیں پیدا کیا تو کوئی تم میں کافر ہے اور کوئی مومن۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو وہ اللہ کی نظر میں ہے۔''

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ بھی دستور ہے کہ کچھ اہلِ ایمان جس قدر سرچشمہ وحی سے دور ہوں گے اور ان کا دورِ رسالت سے زمانی فاصلہ جس قدر بڑھتا جائے گا وہ اسی قدر ناقص الایمان، سخت دل، دین سے ناواقف اور صراطِ مستقیم سے منحرف ہوتے جائیں گے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ ۙ وَ

لَا يَكُونُوا كَالَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِن قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْأَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوبُهُمْ ۖ وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ فَاسِقُونَ ﴾ [الحديد: ١٦]

"کیا ان لوگوں کے لئے جو ایمان لائے وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کی یاددہانی اور اس حق کے آگے جھک جائیں جو نازل ہو چکا ہے اور لوگوں کی طرح نہ بن کے رہ جائیں جنہیں اس سے پہلے کتاب دی گئی، پھر ان پر طویل مدت گزر گئی، بالآخر ان کے دل سخت ہو گئے اور ان میں بیش تر نافرمان ہیں۔"

اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ کفر کو مٹایا جائے، کافروں کو اصل فطرت اور ایمان کی طرف واپس لایا جائے اور ان کے سامنے دین کی شاہراہ کو کھول کر رکھ دیا جائے، اس کی حکمت کا یہ بھی تقاضا ہے کہ اہلِ ایمان کے ایمان کی تجدید ہو، ان کے قلوب واذہان کی صفائی ہو اور انہیں دوبارہ سے اللہ تعالیٰ سے جوڑا جائے تاکہ ان کا ایمان مضبوط ہو اور وہ راہِ ہدایت پر گامزن رہیں اور ان کے دل اللہ تعالیٰ سے جڑے رہیں۔ اللہ ربّ العزت کی رحمت کا یہ فیصلہ ہے کہ دعوتِ دین ہی کافروں کی ہدایت، مومنوں کے ایمان کی تجدید اور بگڑے ہوئے معاشرے کی اصلاح کا ذریعہ بنے گی بشرطیکہ اس کی شرائط کو پورا کیا جائے اور اس کے طے شدہ اُسلوب کو اپنایا جائے۔ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿ وَيَا قَوْمِ مَا لِي أَدْعُوكُمْ إِلَى النَّجَاةِ وَتَدْعُونَنِي إِلَى النَّارِ ﴾ [غافر: ٤١]

"اور اے میری قوم! کیا بات ہے؟ میں تمہیں نجات کی طرف بلا رہا ہوں اور تم مجھے دوزخ کی دعوت دے رہے ہو۔"

دعوت کا کام جس قدر شرائط کے مطابق اور طے شدہ اُسلوب کے ساتھ ہوگا لوگ اسی قدر اصلاح کے قریب اور بگاڑ سے دور ہوں گے۔

جس قدر عملِ دعوت کمزور اور اپنے منہج سے دور ہوگا اسی قدر لوگ برائی کے قریب اور خیر واستقامت سے دور ہوں گے۔ اس کی بڑی دلیل اقوام میں پایا جانے والا مذہبی تفاوت ہے کچھ قوموں کے اچھے عقیدے ہیں، وہ بہتر انداز سے بات کو تسلیم کرتی ہیں اور ان میں فساد

و بگاڑ بہت کم ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ صحیح اور مضبوط دعوت پر قائم ہیں جبکہ کچھ دیگر اقوام کے عقائد خراب ہیں، ان میں بدعات کی کثرت اور ان کے معاشرے میں فساد اور بگاڑ بہت زیادہ ہے، اس کی وجہ عملِ دعوت میں کوتاہی ہے۔

عقائد کی خرابی، منہج کا بگاڑ، اخلاقی انحطاط، فکری ناہمواری اور پھر عملی بے راہ روی جو مسلمانوں میں تیزی سے بڑھتی نظر آ رہی ہے یہ تمام تر دعوتِ دین میں کوتاہی کا نتیجہ ہے یا پھر کارِ دعوت میں اسلام کے پیش کردہ بلند مقاصد سے ہٹ جانے یا راہِ اعتدال کو کھو بیٹھنے کی بنا پر ہے۔

یہ بات ضروری ہوگئی ہے کہ گمراہوں کو راہِ راست پر لایا جائے، بگڑے ہوؤں کو سنوارا جائے، انحراف زدہ کو سیدھا کیا جائے اور کمزور ایمان والوں کا ایمان مضبوط کیا جائے، دعوت کے کام کو صحیح اور حقیقت پسندانہ اعتدال کی بنیادوں پر اٹھایا جائے۔ نئے اور صحیح اُسلوبوں پر استوار کیا جائے، تاکہ زیادہ سے زیادہ اِصلاح ہو اور بگاڑ کم ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ کا اپنی مخلوق کے ساتھ یہی دستور رہا ہے۔ جب لوگوں میں بگاڑ پیدا ہوا اور شر و فساد عام ہوا تو اللہ تعالیٰ نے ان میں رسول بھیجے اور انبیاء مبعوث فرمائے۔

فرمانِ الٰہی ہے:

﴿ كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِيِّينَ مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ وَأَنزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ ۚ وَمَا اخْتَلَفَ فِيهِ إِلَّا الَّذِينَ أُوتُوهُ مِن بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنَاتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ۖ فَهَدَى اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا لِمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِهِ ۗ وَاللَّهُ يَهْدِي مَن يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴾ [البقرۃ: ۲۱۳]

''لوگ ایک ہی امت تھے (انہوں نے اختلاف پیدا کیا) تو اللہ نے اپنے انبیاء بھیجے جو خوشخبری سناتے اور خبردار کرتے ہوئے آئے۔ اور ان کے ساتھ کتاب بھیجی قولِ فیصل کے ساتھ تاکہ جن باتوں میں لوگ اختلاف کر رہے ہیں ان میں

فیصلہ کردے۔ اور اس میں ان ہی لوگوں نے اختلاف کیا جن کو یہ دی گئی تھی، وہ بھی ان کے پاس کھلی کھلی ہدایات آ جانے کے بعد، محض باہمی ضد بازی کی بنا پر۔ پھر اللہ نے اپنی توفیق سے، اہلِ ایمان کی اس حق کے معاملے میں راہنمائی فرمائی جس میں لوگوں نے اختلاف کیا۔ اللہ جس کو چاہتا ہے صراطِ مستقیم کی ہدایت دیتا ہے۔''

امام ابن کثیر رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: سب انسانوں کا ایک ہی مذہب تھا اور وہ تھا اسلام۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے بقول اس کے بعد لوگوں میں اختلاف پیدا ہوگیا۔ بتوں، دیوتاؤں اور اللہ تعالیٰ کے شرکاء کی عبادت ہونے لگی، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کو معجزات، مؤثر دلائل اور براہین دے کر بھیجا۔

ارشادِ ربانی ہے:

﴿ لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَيَحْيَىٰ مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ ﴾ [الأنفال:٤٢]

''تا کہ جسے ہلاک ہونا ہے حجت دیکھ کر ہلاک ہو اور جسے زندگی حاصل کرنی ہے وہ حجت دیکھ کر زندگی حاصل کرے۔''

انبیاءِ کرام علیہم السلام کی دعوت کا یہی طریقِ کار رہا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿ إِنْ أُرِيدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ۚ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ ۚ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ ﴾ [هود: ٨٨]

''میں تو صرف اصلاح چاہتا ہوں جس حد تک کرسکوں اور مجھے توفیق تو اللہ ہی کی مدد سے حاصل ہوگی۔ اسی پر میں نے بھروسا کیا اور اسی کی طرف میں رجوع کرتا ہوں۔''

حضرت محمد ﷺ کے بعد چونکہ کوئی نبی نہیں ہے۔ اس لئے کارِ دعوت کو آپ ﷺ کی امت کے علماء اور مبلغین کے ذمے لگا دیا گیا۔ وہ لوگوں کو نامعلوم احکام ومسائل معلوم کرواتے ہیں، بھولا ہوا سبق یاد دلاتے ہیں اور انہیں اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے صراطِ مستقیم کی طرف

راہنمائی کرتے ہیں۔ اسی سے کارِ دعوت کی اہمیت، اس کی کلیدی حیثیت، مبلّغین کے مشن کی اہمیت اور انہیں تیار کرنے کی ضرورت واضح ہوتی ہے۔

(۲) مثال بیان کرنے، جذبات کا اظہار کرنے اور گفتگو سے پہلے اصول و قواعد بیان کرنے کی اہمیت:

اس کی وضاحت کچھ اس طرح ہے کہ ہمیں اساسیاتِ دین کو معلوم کرنے، مختلف علوم کے اُصول جاننے، احکام و مسائل کے ضابطے سیکھنے مثلاً توحید کے ارکان، فقہی قواعد، عدل وقضا کے قوانین، دعوت وتبلیغ کے بنیادی اُصول معلوم کرنے نیز ان اُصولوں کو سمجھنے، ان کے تقاضوں پر عمل پیرا ہونے، نسلِ نو کی ان بنیادوں پر تربیت کرنے اور اُصول سازی کی اس سے کہیں زیادہ ضرورت ہے جتنی ہمیں جزوی مسائل سے آگاہی، جذبات بیدار کرنے اور موقف اپنانے میں پختگی کی ضرورت ہے۔ جب اُصول سازی پر کام صحیح ہوگا تو اربابِ دعوت مشکلات کے دوران ثابت قدم اور فتنوں سے محفوظ رہیں گے۔ ان کا کام بار آور اور لوگوں کے لئے مفید ثابت ہوگا۔

ارشادِ ربانی ہے:

﴿ أَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ ۝ تُؤْتِي أُكُلَهَا كُلَّ حِينٍ بِإِذْنِ رَبِّهَا ﴾

[ابراھیم: ۲۴۔۲۵]

”کیا تم نے غور نہیں کیا، کس طرح مثال بیان فرمائی ہے اللہ نے کلمۂ طیبہ کی؟ وہ ایک شجرۂ طیبہ کے مانند ہے جس کی جڑ (زمین میں) اتری ہوئی ہے اور جس کی شاخیں فضا میں (پھیلی ہوئی ہیں)۔ وہ اپنا پھل ہر فصل میں اپنے ربّ کے حکم سے دیتا رہتا ہے۔“

اگر دعوتِ دین کے مواقع پر فی البدیہت، عجلت بازی اور جذبات غالب آجائیں تو دعوت کا کام دگرگوں ہوجاتا ہے اور اسے کرنے والے فتنوں کی دلدل میں جا دھنستے ہیں اور مشکلات میں

ثابت قدم نہیں رہتے۔ اس طرح نہ وہ فائدہ پہنچاتے ہیں اور نہ فائدہ اٹھاتے ہیں۔
کاش کوئی نصیحت حاصل کرے!

﴿فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَآءً ۚ وَ اَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ ؕ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ ؕ﴾ [الرعد: ۱۷]

"تو جھاگ تو بے مصرف ہو کر اڑ جاتا ہے لیکن جو چیز لوگوں کو نفع پہنچانے والی ہوتی ہے وہ زمین میں ٹک جاتی ہے۔ اسی طرح اللہ مثالیں بیان کرتا ہے۔"

اُصول پسندی سے یہ بھی مراد ہے کہ داعی مسائل کے قواعد جانتا ہو، کلیات سے آگاہ ہو، دلیل کے اُصول وضوابط، اتباع وعمل کی اَساس سے شناسا ہو، بدعت کا مفہوم، اختلافات کی مختلف اقسام اور ان سے نبرد آزمائی کے طریق کار جانتا ہو۔ اسے معلوم ہو کہ کب اتفاقِ رائے ضروری ہوتا ہے اور کب اختلافِ رائے جائز ہوتا ہے۔ کب اجتہاد میں غلطی لگ جاتی ہے اور کب رائے وہی میں انحراف اور گمراہی در آتی ہے۔ یہ طرزِ دعوت کی اُصول پسندی ہے کہ وہ حق کو معلوم کرنے کے قواعد کا علم رکھتا ہو۔ دلیل اور حُسنِ ادائیگی میں فرق جانتا ہو، اسے نصوص کے باہمی تعارض اور مصالح ومفاسد کے ساتھ تعارض کے قواعد پر کامل دسترس ہو۔

میدانِ دعوت میں اُصول پسندی سے مراد یہ ہے کہ دعوت کے قواعد وضوابط، اس کے آداب وتقاضے، مختلف معاشروں اور افراد کے لحاظ سے اس کے مختلف مواقع کی پہچان ضروری ہے۔ دعوت کے مختلف وسائل وذرائع اور ان کے انداز واُسلوب کا علم ہونا ضروری ہے۔ ایک داعی کے لیے دعوت وتبلیغ میں آنے سے پہلے ان تمام چیزوں کو سیکھنا، ان کی تربیت لینا ضروری ہے۔ یہ نہیں ہے کہ وہ اُصولوں سے ناواقف ہو، اس کا اپنا طرزِ عمل بہتر نہ ہو اور وہ حکمت ودانائی کا ادراک نہ رکھتا ہو ورنہ وہ اصلاح کی نسبت خرابی کا زیادہ باعث ہوگا اور لوگ اس کی طرف متوجہ ہونے کی بجائے اس سے دور ہوں گے۔

دعوتی منہج کے باب میں اس سے متعلق تفصیلی گفتگو ہوگی۔ اُصول پسندی کے اس اہم شِعار کے فقدان ہی کا نتیجہ ہے کہ کچھ مسلمانوں میں فکری انتشار، منہج سے انحراف اور دعوتی کام

میں خلل واقع ہوا ہے اور وہ دلیل کی بجائے جذبات اور حُسنِ ادائیگی کے ہی ہو کر رہ گئے ہیں۔ وہ عقیدے کی بجائے عام مسائل کو مرکز و محور بنا چکے ہیں، انہوں نے اُصولی باتوں کی بجائے جذبات کو نقطۂ آغاز بنا لیا ہے۔ حق اور دینِ اسلام کی بجائے افراد اور فرقہ بندی کو مطمعِ نظر قرار دے دیا ہے۔ ان بنیادی چیزوں اور اُصولی باتوں سے عوام کی محرومی نے انہیں یہاں تک پہنچا دیا ہے کہ وہ اپنے آپ کو معمولی قیمت پر بیچ اور خرید رہے ہیں اور ہر اٹھنے والی آواز کے پیچھے چل نکلتے ہیں۔ اس نکتہ سے ناآشنائی مشکل مقامات میں داعی کو پیچیدگی میں ڈال دیتی ہے اور اسے پریشان کر دیتی ہے۔ وہ معاملے کو صحیح طور سے نبھانے سے قاصر رہتا ہے اور عمدہ انداز میں اظہارِ رائے نہیں کر پاتا۔ یہی چیز اسے امتحان و آزمائش میں ڈگمگاتی ہے وہ تیز ہوا میں پَر کی طرح یا پھر آندھی کے موقع پر بے بنیاد مکان کی مانند ہو کر رہ گیا ہے۔

نسلِ نو کو عقائد اور اُصول و ضوابط کی ازسرِنو تربیت دینا، بالخصوص دعوت و تبلیغ کے میدان میں یہی چیز انہیں بہت سی بے قاعدگیوں اور منفی اثرات سے محفوظ کرے گی اور کافی حد تک ان کی راست بازی اور کامیابی کی ضامن ہو گی۔

عقائد اور اُصول و ضوابط کی تعلیم سے داعی کو میدانِ دعوت میں کامیابی ہوتی ہے۔ وہ کٹھن مواقع میں معاملات کو بطورِ احسن نبھانے اور فتنوں کے سامنے ثابت قدم رہنے کے قابل بن جاتا ہے۔

(۳) فہم و ادراک کی ضرورت و اہمیت:

اس کے پانچ ذیلی عنوانات ہیں:

الف: فہم و ادراک کا مطلب:

میدانِ دعوت میں فہم و ادراک سے مراد یہ ہے کہ شریعتِ اسلامی کے بہت سے ایسے حقائق کو سمجھنا جو بیشتر داعی حضرات کے ذہنوں سے غائب ہو چکے ہیں بلکہ کچھ داعی تو یہ سمجھتے ہیں کہ محض یاد کر لینا، قوتِ بیان اور الفاظ کی فصاحت و بلاغت ہی منصبِ دعوت پر فائز ہونے اور دعوت کے اسٹیج پر کھڑا ہونے کے لئے کافی عناصر ہیں۔ لہٰذا وہ منہج کو اپنانے اور فہم

وفراست کے بغیر مسائل کو بیان کرتے ہیں اور سوچ و بچار اور احتیاط کے بغیر لوگوں پر فتویٰ بازی کرتے ہیں۔ جب تک احکام ومسائل یاد کرنے، ان کی وسیع معلومات رکھنے کے ساتھ ساتھ گہری سوچ اور مضبوط اُصول پسندی موجود نہ ہو تب تک ان کے اثراتِ دعوت، مدعوین اور معاشرے پر منفی صورت میں سامنے آئیں گے۔ اگر وہ عملِ دعوت کو روکیں گے نہیں تو کم از کم اسے نقصان ضرور پہنچائیں اور پھر مدعوین کو نقصان پہنچائیں گے۔

لہٰذا ضروری ہے کہ مسلمان عوام بالعموم اور داعی حضرات بالخصوص دینِ حنیف کی گہری فہم وفراست رکھتے ہوں، اس کے اہداف، اُصول وضوابط اور اس کی دعوت کے منہج، اسلوب اور طریقوں سے آگاہ ہوں۔ داعی حضرات کو حالات وواقعات کا گہرا ادراک ہونا چاہیے۔ وہ پیش آمدہ صورتِ حال، لوگوں کے مزاج، ان کے عادات واطوار، ان کی سمجھ بوجھ کے معیار سے بخوبی آگاہ ہوں، پیش آمدہ صورتِ حال سے نبرد آزما ہونے کے لیے گہری بصیرت کے مالک ہوں۔ شریعت کے دائرے میں رہتے ہوئے ان حالات سے وابستگی رکھتے ہوں تاکہ وہ اس ادراک وبصیرت کے ذریعے پیش آمدہ صورتِ حال پر منطبق کر سکیں۔ شریعت کے توقیفی اُصولوں اور جدید عصری مسائل میں فرق وامتیاز کر کے انہیں خدمتِ دین کے لئے حکمت ودانش کے ساتھ استعمال کریں۔ تاکہ ان کی دعوت بارآور ہو اور حالات وواقعات سے متصادم ہو کر ناکامی پر منتج نہ ہو۔

ب: ترجیحات کی پہچان:

دینِ اسلام میں یہ بات طے شدہ ہے کہ کچھ کام ترجیحی حیثیت رکھتے ہیں، ان میں سے کچھ کا تعلق عقائد کے ساتھ ہے کچھ کا اعمال کے ساتھ، اسی طرح امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی کچھ ترجیحات ہیں اور کچھ تعلیم وتعلم اور دعوت وتبلیغ سے متعلق ہیں۔

ترجیحات کے تعین کا مقصد یہ ہے کہ عالمِ دین اور مبلغ اپنی ذاتی ذمہ داری کو اہمیت وضرورت اور لوگوں کے لئے مفید تر ہونے کے لحاظ سے ترتیب دے۔ جیسے کوئی ڈاکٹر کثیر الامراض آدمی کا علاج کرتے ہوئے پہلے زیادہ خطرناک مرض کا علاج کرتا ہے اس کے بعد کم خطرے

والے مرض کو دیکھتا ہے۔ کیا یہ عقل مندی ہوگی کہ جسم میں موجود پسینے کا حل تو تلاش کیا جائے لیکن اس میں لگی ہوئی میل کچیل کی طرف توجہ نہ دی جائے۔

اگر کوئی شخص تارک صلاۃ بھی ہے اور سگریٹ نوشی بھی کرتا ہے تو پہلے اسے نماز پڑھنے کو کہا جائے۔ اگر کوئی شخص نشہ آور چیزوں کے استعمال کا عادی ہے تو پہلے اسے نشہ آور چیزوں سے بچنے کی تلقین کی جائے۔ اسی سے متعلق یہ بات ہے کہ عبادات سے پہلے توحید کی دعوت دی جائے۔ مسائل واحکام سے پہلے ایمان کی دعوت دی جائے۔ ناجائز کاموں سے روکنے سے پہلے خدا خوفی کی طرف بلایا جائے۔ مسنون عمل کی دعوت سے پہلے شیرازہ بندی کی کوشش کی جائے۔ دیگر امور کی تفصیل بھی اپنے اپنے مقام پر آ رہی ہے۔

اگر داعی مناسب سمجھے تو وہ ایک سے زیادہ مسائل بھی پیش کرسکتا ہے۔ بعض حالات میں کسی مصلحت کے پیش نظر کم اہم کو زیادہ اہم سے پہلے پیش کردے کیونکہ کچھ شرائط کے ساتھ مفضول فاضل سے راجح ہوسکتا ہے۔ مثلاً کچھ لوگوں میں بے پردگی عام ہو اور داعی کے پاس بتدریج اس مرحلے پر پہنچنے کی فرصت نہ ہو تو وہ انہیں پردے کی اہمیت پر براہ راست دعوت دے۔

یہ فہم وادراک نبی کریم ﷺ کی طرف سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کی گئی نصیحتوں میں نمایاں نظر آتا ہے۔ ان میں سرِ فہرست سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف بھیجتے ہوئے کی گئی نصیحت ہے۔ جس کی تفصیل آئندہ بیان ہوگی۔ قابلِ ترجیح امور کو نہ سمجھنا عملِ دعوت میں انتہائی خلل پیدا کرتا ہے اور اکثر داعیوں کو منہجِ دعوت کے معاملہ میں پریشانی میں ڈال دیتا ہے۔ اس طرح وقت بھی ضائع ہوتا ہے اور طاقت بھی رائیگاں جاتی ہے، پھر ان کے منفی اثرات بھی ہوتے ہیں۔ اس سے محروم شخص کی دعوت پر اس کے غلط اثرات ہوتے ہیں۔

قابلِ ترجیح مسائل کی سوجھ بوجھ سے محروم داعی توحید سے پہلے مسائل اور فرائض سے پہلے مسنون کاموں کی دعوت دینے لگ جاتا ہے۔ حرام کاموں سے آگاہ کرنے سے پہلے مکروہ کی نشاندہی کرنے اور بنیادی امور سے پہلے سطحی مسائل، ملی وحدت اور قومی شیرازہ

بندی جیسے بنیادی کاموں سے پہلے فروعی مسائل بیان کرتا ہے پھر نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دعوت کے منفی اثرات سامنے آتے ہیں۔ ترجیحی مسائل سے آگاہی کے ذریعے داعی کو دعوت کے طریق کار میں بصیرت حاصل ہوتی ہے اور مختلف حالات و مواقع سے نبٹنے کی توفیق ملتی ہے۔ اس کے ذریعے اس کا وقت اور اس کی طاقت ضائع ہونے سے محفوظ ہوتی ہے۔ اسے منہج شریعت کے لیے بالعموم اور میدانِ دعوت کے لئے بالخصوص واضح فکر ملتی ہے۔ اس وقت اس کی اہمیت وافادیت سے آگاہ کرنا مقصود ہے۔ اس کی تفصیلات اسی کتاب میں مستقل باب میں بیان ہوں گی۔

ج: مقاصد کا فہم و اِدراک:

شریعت اسلامیہ کے سامنے عظیم مقاصد اور گراں قدر مفادات ہیں۔ کچھ مقاصد عام ہیں اور کچھ ایک ایک مسئلہ کے ساتھ خاص ہیں۔ کچھ مختلف شعبوں کے ساتھ خاص ہیں۔ شعبہ قضاء، شعبہ احتساب، شعبہ تجارت وغیرہ ان میں سے ایک اہم ترین مطلوب دعوتِ دین کے مقاصد ہیں۔ امام شاطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”صاحب شریعت کے مطلوبہ مقصد سے ہم آہنگی کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ کیونکہ مصلحتیں بھی اس لئے مصلحتیں قرار پائی ہیں کہ انہیں صاحب شریعت نے مصلحت قرار دیا ہے۔“ ❶

جو شخص مقاصدِ شریعت سے آگاہ نہیں ہوگا وہ منہج میں غلطی کرے گا اور عملِ دعوت کو بگاڑ دے گا۔ دعوت الی اللہ سے شریعت کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں کی راہنمائی کی جائے، ان سے شفقت کی جائے نہ یہ کہ ان کا احتساب ہو اور ان کی خامیوں سے پردہ اٹھایا جائے۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے شریعت کا مقصد یہ ہے کہ عملی طور پر اچھے کام کیے جائیں اور برے کاموں سے رکا جائے۔ محض نیکی کرنے کو کہنا اور برائی سے روکنا مطلوب نہیں ہے اصل مقصد جیسے بھی پورا ہو جائے وہی شریعت کا منشا و مطلوب ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اسلام نے دعوتِ دین اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے لیے کوئی طریقہ مقرر نہیں کیا، کوئی ایک ذریعہ مخصوص نہیں کیا، کسی شخص کے لئے کسی ایک انداز کو ضروری

❶ الموافقات: ج۱، ص۱٤۱.

قرار نہیں دیا۔ اس دروازے کو اسلامی دائرے کے اندر رہتے ہوئے مقاصد کے حصول کی حدود میں کھلا چھوڑ دیا ہے۔ یہ چیز نبی کریم ﷺ کی ہدایات اور طریق کار میں نمایاں نظر آتی ہے۔ مثلاً جہاد کو لے لیں جہاد کا مقصد انسانوں کو راہ راست پر لانا اور اللہ کی راہ میں رکاوٹ بننے سے روکنا ہے۔ اس کا مقصد انسانوں کو قتل کرنا، ان کی بے حرمتی اور پُر امن لوگوں میں خوف وہراس پیدا کرنا نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے دعوت دینے سے پہلے قتال سے منع فرمایا ہے۔ بوڑھوں، عورتوں، بچوں اور بزرگوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے۔ ❶

جو لوگ قتل کریں اللہ کی راہ سے روکیں اور زیادتی کریں انہیں قتل کرنے کو کہا ہے، کسی بھی فرد پر ظلم وزیادتی کرنے سے خواہ وہ حیوان ہی ہو منع فرمایا ہے۔ باری تعالیٰ کے اس فرمان کی یہ عملی تفسیر ہے۔

﴿وَ قَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَكُمْ وَ لَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ۝﴾ [البقرۃ:۱۹۰]

"اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں ان لوگوں سے جنگ کرو جو تم سے جنگ کریں اور حد سے بڑھنے والے نہ ہو۔ بے شک اللہ تعالیٰ حد سے بڑھنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔"

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور ان کے کچھ اہل علم رفقاء کے طریق کار سے بھی یہ چیز عیاں ہے۔ کچھ لوگوں نے تاتاریوں کو دمشق سے باہر شراب پیتے دیکھا تو کچھ اہل علم نے انہیں منع کیا، جبکہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ان علماء کو انہیں منع کرنے سے روکا اور فرمایا: "شراب تو اس لئے حرام ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے ذکر اور نماز سے روکتی ہے۔ جب کہ ان لوگوں کو شراب قتل وغارت، بچوں کو قیدی بنانے اور مال ودولت کی لوٹ کھسوٹ سے روکے گی۔ لہٰذا انہیں اسی حالت میں چھوڑ دو۔" ❷

غور کیجئے! امام موصوف نے شراب کی حرمت پر گہری نظر ڈالی اور پھر اس سے حاصل شدہ فہم کے ذریعے اس کے کئی فوائد کے حصول اور کئی نقصانات کے ازالے تک جا پہنچے۔ ہم

❶ بخاری: ۱۵۲۰۔ مسلم: ۴۴۱۷۔ ❷ اعلام الموقعین: ج ۳: ص ۱۶۔

دیکھتے ہیں کہ بہت سے داعی حضرات اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا کام کرنے والے نہ تو پوری طرح احکامِ شریعت سے آگاہ ہوتے ہیں اور نہ ہی ان کے عظیم مقاصد کا خیال کرتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نصیحت فضیحت بن جاتی ہے اور پردہ پوشی اشتہار بازی کا روپ اختیار کرلیتی ہے، غمگساری دل کی بھڑاس نکالنے اور انتقام لینے کی صورت اختیار کرلیتی ہے۔ ایسے داعی کا بڑا مقصد یہ ہوتا ہے کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا کام محض پیشے کی حیثیت سے ہو۔ اس کے مقاصد ونتائج مدِ نظر نہیں ہوتے اور نہ ہی یہ ملحوظ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ یہ دونوں کام نرمی کے ساتھ اور اچھے انداز میں ہوں تاکہ مطلوبہ مقاصد اور نتائج حاصل ہوسکیں۔

ایک داعی ومبلغ کے لئے مقاصدِ شریعت سے آگاہی کا اہم ترین پہلو یہ بھی ہے کہ وہ اس بات پر غور کرے کہ اسے نیکی کا حکم دینے، برائی سے روکنے یا دعوت دینے کے بعد کیا کیا نتائج حاصل ہوں گے۔

د: فوائد ونقصانات کو سمجھنا:

اسلام کے ہر حکم میں یا تو مصالح کو حاصل کرنا مطلوب ہوتا ہے یا خرابیوں کا ازالہ یا پھر دونوں بیک وقت پیشِ نظر ہوتے ہیں۔ یہ چیز ہمارے زیرِ بحث موضوع ''دعوت وتبلیغ'' میں بطورِ خاص مطلوب ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''تقویٰ کا کمال یہ ہے کہ انسان کو دو اچھے کاموں میں سے زیادہ اچھا اور دو برائیوں میں سے بڑی برائی کا علم ہو۔ یہ بات اس کے علم میں ہو کہ شریعتِ اسلامیہ کا بنیادی مقصد اچھائیوں کا حصول، ان کی تکمیل اور برائیوں کا خاتمہ اور انہیں کم کرنا ہے۔ جو شخص کسی کام کو کرنے اور چھوڑنے کے شرعی فائدے اور نقصان کا موازنہ نہیں کرے گا وہ بسا اوقات فرائض کو چھوڑے گا، ناجائز کا مرتکب ہوگا اور یہ بھی سمجھے گا کہ یہ چیز تقویٰ وللّٰہیت ہے۔ ایسے ہی جیسے کچھ لوگ ظالم حکمرانوں سے جہاد نہ کرنے کو تقویٰ وپرہیزگاری سمجھتے ہیں اور بدعت وفسق وفجور کے مرتکب ائمہ کے پیچھے جمعہ وجماعت ادا نہیں کرتے اس کو تقویٰ سمجھتے ہیں.....''[1]

[1] مجموع الفتاویٰ، ج۱۰، ص۵۱۲؛ ج۳۰، ص:۱۹۳.

امام محترم کا بیان کردہ اصول اور ان کی ذکر کردہ مثال ہر صاحب عقل وفہم کو کئی لیکچرز سنا دینے اور کئی جلدیں تصنیف کرنے سے بے نیاز کر دیتی ہے۔

مصالح ومفاسد کا یہ نکتہ نہ سمجھنے کی بنا پر کچھ داعی حضرات اور نوجوان ایسے ایسے کام سرانجام دیتے ہیں۔ جن سے خرابیاں در آتی ہیں اور وہ کئی فوائد سے محروم ہو جاتے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ وہ اچھا کام کر رہے ہیں۔

امر بالمعروف ونہی عن المنکر اور انکارِ بدعت کے نام پر کتنی اچھائیاں چھن گئیں اور کتنی خرابیاں پیدا ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی حفاظت فرمائے۔ ذرا غور تو کریں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر یا جہاد کے نام سے جو لوگ مسلمانوں اور ذمیوں کو اذیت پہنچاتے رہے ہیں اور سیاحوں کو قتل کرتے رہے ہیں وہ کتنی خرابیوں کا سبب بنے اور کتنے فوائد سے محروم ہوتے۔ اسلام اور مسلمانوں کی بدنامی ہی کوئی کم خرابی نہیں۔ اس سے بڑا نقصان یہ ہوا کہ دعوت الی اللہ کا ارتقاء ختم ہو گیا۔

غور کیجئے! رسول اللہ ﷺ نے رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی کے قتل سے گریز کر کے دعوتِ دین کے کام کو کتنی اچھی شہرت دلا دی۔ جبکہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اسے قتل کرنے کی اجازت مانگی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس موقع پر فرمایا:

"دَعْهُ ، لَا يَتَحَدَّثُ النَّاسُ أَنَّ مُحَمَّدًا يَقْتُلُ أَصْحَابَهُ"

"اُسے چھوڑ دو کہیں لوگ یہ نہ کہیں کہ محمد ﷺ تو اپنے ہی ساتھیوں کو قتل کر رہا ہے۔" [1]

آنحضرت ﷺ نے لوگوں میں فتنہ برپا ہونے سے بچنے کے لئے کعبہ کو ابراہیمی بنیادوں پر تعمیر کرنے سے گریز کیا تھا۔ [2]

جب ایک داعی اس خوبی سے متصف ہوگا تو بہت سے فوائد حاصل کرے گا اور بہت سے نقصانات سے بچ جائے گا۔ اس مسئلے کے ضمن میں کچھ فقہی قواعد کو سمجھنا چاہیے۔

---

1. بخاری ۱۸۳۵، ۵۰۴۹، ۷۰۴۹۔ مسلم: ۸۴۲۵۔
2. بخاری: ۱۲۶، ۸۶۱۵۔ مسلم: ۳۳۱۳۔

❀ نقصانات سے بچنا مفادات کے حصول سے مقدم ہے۔ ❶

❀ جب دو مفادات متصادم ہوں تو اعلیٰ کو ترجیح دی جائے گی، ادنیٰ رہتا ہے تو رہ جائے۔ ❷

❀ جب دو نقصان ہو رہے ہوں، تو ادنیٰ کو برداشت کر کے بڑے نقصان سے بچا جائے۔ ❸

کچھ فقہاء اس کے لیے یہ الفاظ استعمال کرتے ہیں آدمی کو کم مضر اور ہلکے شر کو اپنانا ہوگا۔ ❹

اہلِ علم نے اس مسئلہ میں بہت عمدہ تقسیم اور مفید مطلب تفصیلات ذکر کی ہیں۔ ہمارا مضمون ان کا متحمل نہیں ہے تاہم ان میں سے کچھ اختصار کے ساتھ پیشِ خدمت ہیں:

امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: برائی کو روکنے کے چار درجات ہیں:

۱: برائی ختم ہو جائے اور اس کی جگہ اچھائی آ جائے

۲: برائی مکمل طور پر تو ختم نہ ہو لیکن کم ہو جائے

۳: اس کی جگہ اس جیسی دوسری برائی آ جائے

۴: اس کی جگہ اس سے بڑی برائی آ جائے

ان مسائل کا علم بہت سی برائیوں سے بچاتا ہے۔ ❺

ھ: مختلف اقوام و ملل اور ان کے حالات سے آگاہی:

اسلام کے مختلف شعبے ہیں۔ ہر شعبے کا اپنا تخصص ہے۔ حکمرانی کا اپنا تخصص ہے، عدلیہ کا اپنا، جہاد کا اپنا اور دعوت و تبلیغ کا اپنا۔ ان شعبوں کے تخصص کو سمجھنے سے ان سے متعلق مسائل کا ادراک ہوتا ہے اور اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ مسلمان کو کس میدان میں کیا انداز اپنانا چاہیے۔ مثلاً مسائل کو نپٹانے میں انتظامیہ کا الگ کردار ہے اور جج کا الگ، جج کے سامنے تو

❶ الأشباه والنظائر للسيوطي: ص۸۷۔ الأشباه ابن السبكي ج۱:ص۱۰۵۔ ايضاح المسالك القاعدة: ٣٤۔

❷ ارشاد الفحول للشوكاني: ج۱ :ص۳۷۱۔

❸ الأشباه والنظائر للسيوطي: ص۸۷۔

❹ المجلة العدلية مادة: ۲۹۔

❺ اعلام الموقعين: ج۳:ص۱٦ .

مجرم دست بستہ ہوتا ہے جبکہ داعی اور مبلّغ کا کام مجرم کو نصیحت کرنا ہے۔ اسی طرح ایک ذمی کے ساتھ مسلمان کا رویہ الگ ہوتا ہے جبکہ حملہ آور دشمن کے ساتھ الگ۔ میدانِ جہاد میں کافروں کے بارہ میں الگ رائے اور دعوت وتبلیغ کے میدان میں الگ رائے۔ اگر کوئی دشمن مسلمانوں پر اپنی طاقت کے بل بوتے پر ظلم کرتا ہے تو ایک مسلمان کا اس کے ساتھ دعوت کے موقع پر پہنچنے والی تکلیف سے بالکل مختلف ردّ عمل ہوگا۔ دعوت کے میدان میں مسلمان کو صبر و استقامت، احتساب اور دست کشی سے کام لینا ہوگا۔ وہ حکمت ونرمی کے علاوہ کوئی تردیدی طریقہ اختیار نہیں کرے گا۔ جیسے موقع ومحل مختلف ہوگا ایسے ہی اس میں کلام کی نوعیت بھی مختلف ہوجائے گی۔

ایک مشہور مقولہ ہے "ہر بات کا ایک موقع ومحل ہوتا ہے" یہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ "ہر موقع ومحل کی ایک الگ حیثیت اور اس سے نبٹنے کا ایک طریق کار ہوتا ہے۔"

موقع ومحل کی شناسائی حاصل کرنے سے ایسے شخص کو بہت سی آیات کی فہم ودرایت حاصل ہوجاتی ہے جنہیں عدم فقاہت کی بنا پر متعارض یا منسوخ سمجھا جاتا ہے۔ کچھ آیات صبر اور عفوودرگزر کا درس دیتی ہیں جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

- ﴿قُلْ يَاأَيُّهَا الْكَافِرُونَ ۝ لَا أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ ۝ وَلَا أَنْتُمْ عَابِدُونَ مَا أَعْبُدُ ۝ وَلَا أَنَا عَابِدٌ مَا عَبَدْتُمْ ۝ وَلَا أَنْتُمْ عَابِدُونَ مَا أَعْبُدُ ۝ لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ ۝﴾ [الکافرون]

  "کہہ دو: اے کافرو! میں ان کی عبادت نہیں کروں گا جن کی تم عبادت کرتے ہو اور نہ تم اس کی عبادت کرو گے جس کی میں عبادت کرتا ہوں اور نہ میں ان کی عبادت کرنے والا ہوں جن کی تم نے عبادت کی ہے، اور نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہوئے جس کی میں عبادت کرتا آرہا ہوں، تمہیں تمہارا دین کافی ہے اور مجھے میرا دین۔"

- ﴿وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ إِنَّ ذَٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ ۝﴾ (الشوریٰ:٤٣)

''اور جس نے صبر کیا اور معاف کیا تو بے شک یہ عزیمت کے اوصاف میں سے ہے۔''

✿ ﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ ﴾ (النساء : ۷۷)

''تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا: جنہیں کہا جاتا تھا کہ اپنے ہاتھ روکے رکھو۔''

کچھ آیات قتال اور اُدلے کا بدلہ لینے کا سبق دیتی ہیں۔

✿ ﴿ وَ قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ ﴾ (البقرة: ۱۹۰)

''اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے جنگ کرو جو تم سے جنگ کریں۔''

✿ ﴿ اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَ الْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ؕ فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ ۪ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ۝ ﴾ (البقرة : ۱۹٤)

''ماہِ حرام ماہِ حرام کا بدلہ ہے اور اسی طرح دوسری محترم چیزوں کا بھی قصاص ہے۔ تو جو تم پر زیادتی کریں تم بھی ان کی زیادتی کے جواب میں اسی کے برابر ان کو جواب دو۔''

اگر ان آیات کو اپنے اپنے مقام کی روشنی میں نہ سمجھا جائے تو کم علم اور کم فہم آدمی سمجھے گا کہ یہ آپس میں متضاد ہیں۔ اگر مقامات کے لحاظ سے ان کی مختلف اقسام نہ بنائی جائیں تو مسلمانوں میں سخت اختلاف ہوگا اور وہ بہت سی مصلحتوں سے محروم ہو جائیں گے اور بہت سی خرابیوں کا شکار ہو جائیں گے۔

موقع محل کی بھرپور شناسائی سے معلوم ہوگا کہ پہلی تین آیات جن میں عفو و درگزر کرنے کو کہا گیا ہے۔ ان کا تعلق دعوت و تبلیغ کے مقام اور ایسے حالات سے ہے جب مسلمان کافروں میں رہتے ہوئے امن و سلامتی سے زندگی گزار رہے ہوں۔ جب کہ آخری دو آیات کا تعلق جہادی طاقت حاصل کر لینے کے بعد کے ساتھ ہے۔

کچھ داعی حضرات اور نسل نو کے افراد موقع محل سے آشنا نہ ہونے کی بنا پر تضاد کی

دلدل میں جا گرتے ہیں، دعوت کو بے محل پیش کرتے ہیں اور لوگوں کو دین سے متنفر کرتے ہیں۔ اگر میدانِ دعوت میں سختی برتی جائے اور داعی خود کو ایک مشفق مبلّغ کی بجائے ایک جج کی حیثیت سے پیش کرے اور لوگوں کے بارہ میں فیصلے سنانے لگ جائے، انہیں گمراہی اور ہدایت میں تقسیم کر دے تو بسا اوقات وہ مقدس خون کو بہانے اور معصومیت کو چاک کرنے کا باعث بن جاتا ہے اور مسلمانوں کو بے پناہ مصائب و مشکلات میں پھنسا دیتا ہے۔ وہ قرآن وسنت کی عبارتوں کو دلیل بنا کر بے موقع استعمال کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ وہ حسنِ فقاہت سے بہرہ ور ہے، عملِ دعوت بہتر طور سے انجام دے رہا ہے، جہاد کا اِحیاء اور ایک سلطنت قائم کر رہا ہے اور............ اور............۔

(۴) تربیت کی اہمیت:

تربیت کرنا دین کا کوئی ثانوی کام نہیں ہے، نہ ہی یہ کوئی فقہی مسئلہ، اضافی علم یا ذیلی قضیہ ہے۔ ایک عام مسلمان کی تعمیرِ سیرت کے لئے بالعموم اور داعی کے لئے بالخصوص تربیت ایک انتہائی اہم فریضہ ہے۔

تربیت کی تعریف:

تربیت کی عام تعریف یہ ہے کہ لوگوں کو دینی مسائل پر عمل پیرا ہونے کی عادت ڈالنا خواہ وہ عمر میں چھوٹے ہوں یا بڑے، انہیں پیش آمدہ صورتِ حال کو صحیح انداز میں اپنانے کو کہنا تاکہ وہ بعد میں صحیح موقف اختیار کر سکیں۔ تربیتی عمل وعظ کرنے، خطبہ جمعہ دینے، کسی کتاب کو تصنیف کرنے، تحقیقی مقالہ پڑھنے، درس دے دینے یا محض لیکچر دینے سے پورا نہیں ہو جاتا۔ اس کا مفہوم ان تمام چیزوں سے کہیں گہرا ہے اور اس کا میدان بہت زیادہ وسیع ہے۔

ہمارا یہ سمجھ لینا واضح غلطی ہوگی کہ علم حاصل کرنا تربیت کے لئے کافی ہے۔ طلبہ کے ذہنوں کو معلومات سے بھر دینے اور انہیں بہت سی چیزیں حفظ کروا دینے سے تربیت کی ضرورت نہیں رہتی۔ یہ تو مسلسل جدوجہد، مستقل عملی مشق، زیرِ تربیت افراد کی مسلسل پیروی کا نام ہے۔ یہ کام عملی مشق اور براہِ راست نگرانی کے بغیر پورا نہیں ہوتا۔

یہی وجہ ہے کہ اللہ ربّ العزت نے فرشتوں میں سے رسول نہیں بھیجے۔ کیونکہ انسانوں کی سی زندگی ان کی فطرت میں نہیں ہے۔ باری تعالیٰ نے انبیاء ورسل انسانوں کی نوع میں سے بھیجے ہیں تاکہ وہ لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہیں۔ اپنے مخاطب لوگوں کو سمجھا سکیں اور ان کا تزکیہ کر سکیں اور سارا تربیتی عمل ان میں رہتے ہوئے ہو۔ ارشادِ ربّ العزت ہے:

﴿ وَمَآ اَرۡسَلۡنَا قَبۡلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوۡحِیۡۤ اِلَیۡهِمۡ ﴾ (الانبیاء: ۷)

''اور تم سے پہلے جسے بھی ہم نے رسول بنا کر بھیجا مردوں ہی میں سے بھیجا۔ ہم ان کی طرف وحی کرتے تھے۔''

﴿ وَلَوۡ جَعَلۡنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلۡنٰهُ رَجُلًا ﴾ (الأنعام: ۹)

''اور اگر ہم اسے کوئی فرشتہ بناتے جب بھی آدمی ہی کی شکل میں بناتے۔''

﴿ وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوۡمِهٖ لِیُبَیِّنَ لَهُمۡ ﴾ (ابراهيم: ٤)

''اور ہم نے جو رسول بھی بھیجا اس کی قوم کی زبان میں بھیجا تاکہ وہ ان پر اچھی طرح واضح کر دے۔''

تاکہ وہ ان میں گھل مل کر رہیں، ان کے معاملات کی پیروی کریں جو معاملہ غلط ہو اسے درست کریں اور جو صحیح ہو اس کی توثیق کریں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا بھی اس کی واضح دلیل ہے:

﴿ رَبَّنَا وَابۡعَثۡ فِیۡهِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ یَتۡلُوۡا عَلَیۡهِمۡ اٰیٰتِكَ وَیُعَلِّمُهُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ وَیُزَكِّیۡهِمۡ ﴾ (البقرة: ۱۲۹)

''اور اے ہمارے ربّ تو ان میں انہیں میں سے ایک رسول مبعوث فرما۔ جو انہیں تیری آیتیں سنائے اور انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور ان کا تزکیہ کرے بے شک تو ہی غالب اور حکمت والا ہے۔''

تزکیہ جسے ہم عرف میں تربیت کہتے ہیں۔ اس سے مراد دلوں کی تطہیر، اقوال کی سچائی، افعال کی اصلاح اور لوگوں کی عملی مشق ہے۔

اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی رہنمائی کے لئے قرآنِ مجید کو صرف نازل کرنے پر اکتفا نہیں کیا۔ جبکہ وہ ہر گھر میں پڑھا جانے والا صحیفہ یا کتاب نازل کرسکتا تھا۔ اگر وہ چاہتا تو انبیاء ﷩ کو مشقت اور رسولوں کو امتحان سے بچالیتا لیکن ایسا کرنے سے عملی تربیت کبھی نہ ہو پاتی کیونکہ تربیت اس طرح ہوتی ہے کہ کوئی تربیت کرنے والا لوگوں کے حالات پر نظر رکھے، مشق کرنے والا انہیں مشق کرائے، ہدایات دینے والا ان کی تصحیح کرے، باپ اولاد پر شفقت کرے، کوئی بزرگ ان سے نرم رویّہ برتے۔ یہ سب ایسے تجربات سے ہوتی ہے جو صحیح اور غلط کو الگ الگ کریں۔ انبیاء کرام ﷩ بالخصوص ہمارے پیارے پیغمبر حضرت محمد ﷺ اپنی قوموں میں ایسی ہی زندگی بسر کرتے تھے۔

لفظ تربیت کا اطلاق جس بات پر بھی ہوسکتا ہے آنحضرت ﷺ صحابہ کرام ﷡ کی ہر پہلو سے ان کی تربیت کرتے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ ربّ العزت نے آپ کے ذریعے ایک ایسی جماعت تیار کی جو پوری انسانیت کے لئے نمونہ اور معیارِ ہدایت بن کر سامنے آئی۔ ارشاد ربّ العزت ہے:

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّاۗءُ عَلَي الْكُفَّارِ رُحَمَاۗءُ بَيْنَهُمْ﴾

(الفتح:۲۹)

”محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور جو ان کے ساتھ ہیں وہ کفار پر سخت ہیں آپس میں رحم دل ہیں۔“

آج کچھ لوگوں کی مثال ایسے ہے جیسے کوئی شخص تیراکی سیکھنا چاہے اور اس مقصد کے لئے بہت سی کتابیں پڑھے، انہیں حفظ کرے، انہیں خوب سمجھ لے اور کہے کہ اتنا کچھ پڑھنے اور سمجھنے کے بعد میرے لئے تیراکی ایک معمولی کام ہے۔ جب وہ سمندر میں کودے تو بڑا پُراعتماد ہو، تیراکی کا طریقہ اس کے ذہن میں نقش اور قواعد اسے یاد ہوں۔ اگر مشق کروانے والے کو ساتھ نہ لے تو وہ پانی میں جانے کے بعد دوبارہ واپس نہیں آئے گا۔ یا اس کی مثال ایسے ہے جیسے کوئی شخص ڈرائیونگ سیکھنا چاہے تو اس کے قواعد و ضوابط کا مطالعہ کرکے انہیں

اچھی طرح حفظ کر لے اور پریکٹس سے بے نیاز ہو کر بڑے اعتماد کے ساتھ اسٹیرنگ پر بیٹھ جائے وہ اپنی اور لوگوں کی تباہی کے علاوہ کیا کرے گا؟

کچھ علاقوں میں تحریکِ دعوت کے نوجوانوں کی یہی صورتِ حال ہے۔ کچھ دروس میں بیٹھ گئے یا کچھ کیسٹیں سن لیں یا کچھ کتابیں پڑھ لیں اور سیدھے میدان میں اتر آئے۔ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرنے لگ گئے، پھر جہادی لیڈر بن گئے، پھر کیا تھا یہی جو ہم نے اوپر بیان کیا ہے۔ کچھ نوجوانوں کے طریق کار خصوصاً میدانِ دعوت میں پائی جانے والی خامیوں کی بڑی وجہ تربیت کا فقدان ہے۔ اہلِ علم اور داعی حضرات کو چاہیے کہ وہ اس پہلو کا بھی حق ادا کریں تاکہ ہم نسلِ نو کو انحراف اور شہروں اور ان کے باسیوں کو بگاڑ کے شر سے بچا سکیں۔

(۵) تقویٰ کی ضرورت واہمیت:

یہ موضوع دیگر موضوعات سے کم اہم نہیں ہے۔ اس سے دلوں کی اصلاح، طور اطوار میں شائستگی اور زبان پر کنٹرول ہوتا ہے۔ اس کے ذریعے انسان گہری سوچ کا حامل اور بردبار بنتا ہے۔ نوجوانوں کی تربیت میں اس کوتاہی کی وجہ سے انہوں نے بیت اللہ شریف میں اور احترام والے مہینے میں بھی قتل وغارت کی اور وہ اسے اچھا کام سمجھتے رہے۔ تقویٰ سے محروم کچھ افراد ایسے بھی دکھائی دینے لگے جو اپنے والدین سے قطعِ تعلق ہو گئے۔ انہوں نے اپنے علماء کو اذیت دی، اپنے دوستوں کی عزت کو اچھالا، یہاں تک کہ انہیں قتل بھی کیا، مساجد کی بے حرمتی کی اور یہ سب کچھ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا رنگ دے کر یا انہیں بدعتی اور منہج کے مخالف قرار دے کر یا کوئی ایسا بہانہ بنا کر کیا گیا جو باعثِ فتنہ وفساد ہو۔

اسی نکتے کے فقدان کا نتیجہ ہے کہ لوگ بپھرے ہوئے وحشیوں کی صورت اختیار کر چکے ہیں۔ ایک دوسرے کی عزتوں کو تار تار کرتے ہیں، مال ودولت کی لوٹ کھسوٹ جاری ہے اور قتل وغارت گری ہو رہی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہمیں لوگوں کو دعوتِ دین دینے کو کہا ہے جب کہ کچھ داعی حضرات ان کا احتساب کرنے لگ جاتے ہیں۔ انہیں فیصلہ سنا کر ان پر نافذ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کچھ

نے تو اپنے آپ کو اللہ کے مقام پر لا کھڑا کیا ہے کہ جسے چاہے جنت میں داخل کرے اور جسے چاہے دوزخ میں ڈال دے۔

باری تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ لوگوں کی خیر خواہی کی جائے، ان کی پردہ پوشی کی جائے جبکہ یہ حضرات پردہ دری اور رسوا کرنے کی طرف چل پڑے ہیں۔ لوگوں کی خامیاں سرِ عام پھیلائی جا رہی ہیں۔

یہ بات بھی دیکھنے میں آئی ہے کہ کچھ نوجوان اور دیگر افراد ایسے ایسے فتوے دینے کی جرأت کرتے ہیں کہ اگر یہ مسائل بڑے بڑے اماموں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے پیش کئے جاتے تو وہ بھی ان کا جواب دینے میں پس وپیش کرتے۔ انہوں نے ایسے ایسے سوالات کے جوابات دے ڈالے جن سے علماء نے گریز کیا اور جن کے بارہ میں عقل حیران ہوتی ہے۔ یہی مسائل ان کے ہاں سرسری اور بدیہی شمار ہوتے ہیں۔ جو شخص ان سوالوں کا جواب نہ دے وہ اسے اور اس کے علم کو حقیر سمجھتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر تعجب خیز خوارج کی صورتِ حال ہے۔ انہوں نے زمین پر گری ہوئی کھجور کھانے سے تو پوری طرح پرہیز کیا لیکن مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن خباب رضی اللہ عنہ اور ان کی حاملہ بیوی کو قتل کر دیا۔ ❶ بلکہ حد یہ ہے کہ انہوں نے اپنے دور کے افضل ترین انسان امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شہید کر کے بزعم خویش اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کیا۔ اسی طرح جب حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ نے ایک خارجی کو نیزہ مارتے ہوئے کہا: اے اللہ کے دشمن تمہیں جہنم مبارک ہو تو وہ خارجی کہنے لگا: ابھی پتہ چل جائے گا کہ ہم میں سے اس میں جانے کا زیادہ حق دار کون ہے؟ ❷

شریعت کو ٹھکرانے اور ایک صحابیٔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں اس دیدہ دلیری کو دیکھیں!

یہ سب خشیتِ الٰہی کے فقدان کا نتیجہ ہے۔ اس مقام پر یہ قاعدہ کیا خوب چسپاں ہوتا ہے۔ ''اگر تم حاکم بنو گے تو تمہیں محکوم بننا ہوگا اور اگر بچ کر رہو گے تو عافیت ملے گی۔''

---

❶ الاصابۃ: ج٤: ص٦٤.

❷ تاریخ طبری: ج٣ ص١٢٢ ، تاریخ ابن کثیر: ج٧: ص٢٨٩۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم لوگوں کے بارہ میں فیصلہ سناؤ گے تو تم اس کے ذمہ دار ہوگے۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے تمہارا محاکمہ ہوگا۔ اگر لوگوں کے بارے میں فیصلہ سنانے میں احتیاط کرو گے، ان کی عزتوں سے گریز کرو گے تو اللہ تعالیٰ تم پر ان کے حساب و کتاب کی مسؤولیت کا بوجھ نہیں ڈالے گا۔

محاکمہ میں اور معافی میں کتنا بڑا فرق ہے۔

(٦) واقعاتی صورت حال کو ملحوظ رکھنا:

دعوتِ دین کی عظیم اور حسین و جمیل خوبی یہ ہے کہ اس میں نظریاتی اور عملی صورتِ حال میں یکسانیت ہے، پیش کش کے طریق کار، مختلف امور کو نبٹانے کے انداز اور اپنانے کے اُسلوب میں ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔ ایسے ہونا بھی چاہیے کہ اسے اس ہستی نے نازل کیا ہے جس نے مخلوق کو پیدا کیا ہے۔ جو ان کے احوال وظروف سے واقف اور ان کی ضروریات سے آگاہ ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ أَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ ۝ ﴾ [الملك: ١٤]

”کیا وہ نہ جانے گا جس نے پیدا کیا؟ اور وہ تو بڑا ہی باریک بین اور خبر رکھنے والا ہے۔“

وہ مخلوق کو وہی کام کرنے کو کہتا ہے جو ان کی ضرورت کے مطابق، ان کے احوال سے ہم آہنگ ہو۔ کیونکہ وہ ان کے مزاج سے آگاہ ہے۔

ارشادِ ربّ العزت ہے:

﴿ لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا ﴾ [البقرة: ٢٨٦]

”اللہ کسی پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔“

یہاں ہم آہنگ ہونے سے مراد یہ ہے کہ پیش آمدہ صورت حال کی تہہ تک جانا، اسے ہر پہلو سے شریعت کے مطابق نبٹانا، رونما ہونے والے ہر حادثہ کو اس دور اور واقعاتی دنیا کے مطابق حل کرنا۔

ہم آہنگی سے یہ بھی مراد ہے کہ ہم صرف خیالی دنیا میں نہ رہیں کہ جب عملی میدان میں اتریں تو تصادم کا شکار ہو کر ناکام ہو جائیں۔

کچھ داعی حضرات چاہتے ہیں کہ ایمان اوجِ کمال تک پایا جائے، کوئی شخص گناہ نہ کرے، عبادت گزاری میں کمال حاصل ہو، کسی میں کوئی کمی اور کوتاہی نہ ہو۔ فہم و ادراک میں کمال حاصل ہو، اجتہاد کرنے میں اختلاف نہ ہو۔ اخلاق میں کمال حاصل ہو کسی شخص سے کوئی غلطی نہ ہو۔

جو لوگ واقعاتی دنیا سے الگ ہو کر مثالی ہونے کے متلاشی ہیں ان کی مثال ایسے ہے جیسے کوئی شخص ایسی عورت کی تلاش میں ہو جو اپنے حُسن و جمال میں مثالی ہو، اخلاق و عادات میں مثالی ہو، معاملات میں مثالی ہو، تہذیب و ثقافت میں مثالی ہو۔ ایسا شخص زندگی بھر غیر شادی شدہ ہی رہے گا۔ اگر اس کی شادی ہو بھی جائے تو اسے مختلف حالات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ایسے میں وہ صبر سے کام لے گا یا طلاق دے دے گا۔ بالکل اسی طرح ہمارے کچھ داعی حضرات حالات و واقعات سے عدمِ مطابقت کی بنا پر خود اپنے لئے اور دیگر مسلمانوں کے لئے بہت سی مشکلات اور پریشانیوں کا سبب بن گئے ہیں۔ وہ فرض کی ادائیگی میں کوتاہی کرتے ہیں اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انھیں میدانِ دعوت میں ناکامی اور پسپائی ہوتی ہے۔ جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ وہ سیدنا ابوبکر اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہما کی طرح معاشرے کو استحکام دے اسے انتظار کرنا چاہیے ہم بھی اس کے ساتھ منتظر ہیں۔ جو شخص لوگوں کو یہ سمجھ کر دعوت دیتا ہے کہ وہ ایمان و عمل میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرح ہو جائیں اسے ناکامی اور خسارے کے علاوہ کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ جو لوگ دعوت میں کمال کے متلاشی ہیں ان کی مثال بے منزل مسافر کی طرح ہے جو سواری کو بھی تباہ کر دیتا ہے اور فاصلہ بھی طے نہیں کرتا۔

داعیانِ حق اور طلبہ کو یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ لوگ کبھی فرشتے نہیں بن سکتے جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ لوگ ایک دو دفعہ نصیحت کرنے یا ایک دو دفعہ خوف دلانے سے راہِ راست پر آ جائیں گے وہ دور کی کوڑی لاتا ہے اور ناممکن کی تلاش میں ہے۔ یہ تو دین

اسلام کی بدیہی بات ہے کہ اللہ نے لوگوں پر کمال کو پہنچنا فرض نہیں کیا نہ ایمان میں، نہ عمل میں اور نہ کسی اور چیز میں۔

حدیث مبارکہ ہے:

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: "وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوْ لَمْ تُذْنِبُوا لَذَهَبَ اللّٰهُ بِكُمْ، وَلَجَاءَ بِقَوْمٍ يُذْنِبُوْنَ فَيَسْتَغْفِرُوْنَ فَيَغْفِرُ لَهُمْ.)) ❶

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "میں اس ذات کی قسم اٹھا کر کہتا ہوں جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اگر تم گناہ نہیں کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں لے جائے گا اور ایسے لوگ لے آئے گا جو گناہ کریں گے، پھر معافی مانگیں گے اور وہ انہیں معاف کر دے گا۔"

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں بھی ایسے افراد تھے جو گناہ کے مرتکب ہوئے حالانکہ قرآن انہیں تمام امتوں میں سے بہترین امت کہتا ہے۔ ویسے بھی دیکھا جائے کہ اگر کچھ انبیاء علیہم السلام سے لغزش ہوئی، مثلاً آدم علیہ السلام کو لے لیجیے تو کیا اولادِ آدم سے معصوم رہنے کو کہا جا سکتا ہے؟ بلکہ ان سے تو کئی لغزشیں اور غلطیاں ہوں گی۔

کمال تک نہ پہنچ سکنے پر لوگوں کا احتساب کرنے کی وجہ سے تاریخِ اسلام میں کتنی بڑی بڑی پریشانیاں اور تباہیاں نتج ہوئیں، بیعتیں توڑی گئیں، علماء پر الزام لگائے گئے، عوام الناس کو کافر کہا گیا بلکہ انہیں قتل کیا گیا۔ آج کی صورتِ حال بھی مخفی نہیں ہے۔ لوگوں کے حالات و ظروف کا صحیح تصور رکھنے اور اللہ تعالیٰ نے جو کچھ ان سے چاہا ہے، اسے معلوم کرنے سے عوام الناس بالعموم اور علماء بالخصوص اپنی تقریروں میں موثر اور اپنی دعوت میں بار آور ثابت ہو سکتے ہیں۔

جہاں تک عقل اور شریعت اجازت دیتی ہے اس حد تک کمال کی تلاش میں تو کوئی چیز مانع نہیں ہے البتہ انہیں کمال میں احتساب کرنے سے چشم پوشی کرنا ہوگی۔

❶ مسلم: ۲۷٤۹۔

(۷) لوگوں سے ان کی عقل و فہم اور ضرورت کے مطابق گفتگو کرنا:

اس عنوان کی وضاحت کے لیے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ذکر کرنا ہی کافی ہوگا۔

﴿لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا ۚ﴾ (البقرة : ٢٨٦)

''اللہ تعالیٰ کسی پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔''

مفسرین کرام نے کہا ہے کہ: وسعت سے مراد طاقت اور استطاعت ہے۔ ❶

میرے خیال میں وسعت سے مراد عقلی، جسمانی اور علمی استطاعت ہے اور کسی انسان کو اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ استطاعت سے بڑھ کر پابند نہیں کیا گیا۔ اس کی تاکید دو ایسے نامور اماموں کی نصیحت سے بھی ہوتی ہے جن کی سیرت سے راہنمائی لی جاتی ہے اور جن کے فرمودات مشعلِ راہ سمجھے جاتے ہیں۔

❀...... حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''لوگوں کو ایسی باتیں بتاؤ جنہیں وہ جانتے ہوں۔ کیا تم پسند کرو گے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو جھٹلایا جائے۔'' ❷

❀...... حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''جب تم لوگوں کو ان کی عقلی رسائی سے بڑھ کر بات بتاؤ گے تو یہ کچھ لوگوں کے لئے امتحان بن جائے گی۔'' ❸

اس تنبیہ کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کو وہی باتیں بتائیں جو وہ سمجھ لیں، جن کی انہیں ضرورت ہو، جو ان کے لیے مفید ہوں، جن کے وہ شریعت کی رُو سے پابند ہوں، جن کا ان سے حساب ہوگا اور جسے وہ کرنے کی طاقت رکھتے ہوں۔

لوگوں کی دین سے ناواقفیت اور صراطِ مستقیم سے ہٹنے کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ انہیں غیر ضروری اور ناقابلِ فہم باتیں بتائی جائیں۔

---

❶ زاد المسير : ج١ : ص٣٤٦؛ تفسير ابن كثير : ج١ : ص ٣٥٠، فتح القدير، شوكاني ج١: ص ٤٥٩۔

❷ بخاری : ١٢٧۔

❸ مقدمه صحيح مسلم: ج١ : ص ١٩١۔

دوسرے لفظوں میں یوں کہہ لیں کہ ان سے ان کے ایمانی اور علمی معیار سے بالاتر ہو کر اور غیر ضروری گفتگو کی جاتی ہے نتیجہ یہ ہے وہ علمی مجالس میں جیسے خالی ہاتھ آتے ہیں ویسے ہی خالی ہاتھ واپس چلے جاتے ہیں۔

توحید کے موضوع پر اہلِ علم کی بیشتر تقریریں فلسفہ اور علمِ کلام پر مشتمل ہوتی ہیں۔ اس میں عرض وجوہر، عدم ومعدوم اور اسم و مُسمّٰی جیسی بحثیں ہوتی ہیں جن سے عوام الناس کو کچھ سمجھ نہیں آتا، یہ سب کچھ توحید کے دو بنیادی مصدر کتاب وسنت کو چھوڑ کر انہیں بتایا جاتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ عوام الناس اہلِ علم کی تقاریر سے رخ ہٹا کر عام مبلغین کے وعظ وارشاد اور واعظانہ حکایات کی طرف توجہ کر لیتے ہیں۔ ان سے ان کا علمی معیار کمزور ہو گیا ہے۔ جاہل کی تو بات ہی کیا کرنی ہے؟

داعی کو چاہیے کہ وہ لوگوں کو ان کی مفید طلب اور ضرورت کی باتیں بتائے۔ انہیں عقیدے کے پیچیدہ مسائل نہ بتائے۔ جنہیں سیکھنا شریعت نے فرض نہیں کیا، فقہی تفصیلات اور اہلِ علم کے اختلافات نہ بتائے۔ کیونکہ انہیں شاذ ونادر ہی ان کی ضرورت پیش آتی ہے، نہ ہی اللہ تعالیٰ کے دشمنوں اور ان کی حیلہ سازیوں کا زیادہ تذکرہ کرے۔ اس میں انہیں خوف زدہ کرنے اور تعلیم وتربیت جیسے ضروری امور سے ہٹانے کا پہلو بھی ہے مبادا وہ انہیں مفید چیز سے ہٹا کر غیر مفید چیز میں لگا دے اس کے لئے دعوت وتبلیغ کے علاوہ مواقع ہیں۔

لوگوں کو غیر متعلقہ چیزیں بتانا بھی دعوت کے اُصولوں کے منافی ہے مثلاً اہلِ مشرق کو اہلِ مغرب کی مشکلات بتانا یا دور دراز کی حکومتوں پر تبصرے کرنا جن کا مخاطب کے ساتھ دور یا نزدیک سے کوئی تعلق نہ ہو۔

مدعوین کو ان کی مقامی زبان واُسلوب میں مخاطب ہوں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب بات کرتے تو کوئی ان کے الفاظ گننا چاہے تو گن سکتا تھا۔ ❶

---

❶ بخاری: ٦٧٣٥، مسلم: ٦٧٣٥۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب کوئی بات کرتے تو اسے تین دفعہ دہراتے تاکہ اچھی طرح سمجھ آ جائے۔ ❶

کچھ اہلِ علم اور داعیانِ دین انتہائی مشکل انداز میں اور اعلیٰ درجے کی گفتگو کرتے ہیں۔ ان کے پیشِ نظر تحریر برائے تحریر اور تقریر برائے تقریر ہوتی ہے۔ قارئین اور سامعین کے سمجھنے یا نہ سمجھنے سے انہیں کوئی سروکار نہیں ہوتا حتیٰ کہ بہت سی دینی تعلیمات معمہ بن کر رہ گئی ہیں۔ جنہیں اہلِ تخصص کے علاوہ کوئی دوسرا شخص حل نہیں کر سکتا اور اہلِ علم کے علاوہ انہیں کوئی جانتا نہیں۔ یہ کوئی دانائی ہے؟ یہ تو بہت سے لوگوں کو دعوتِ دین سے ہٹانے اور دور کرنے کا سبب ہے۔

(۸) تواضع اور انکساری:

اہلِ علم اور داعیانِ حق کو دیگر لوگوں کی نسبت تواضع کی زیادہ ضرورت ہے۔ اس کا سامعین کے دلوں پر بڑا مثبت اثر ہوتا ہے۔ تواضع سے مراد ہے نرم روی اختیار کرنا اور حق بات قبول کرنا، خواہ اسے کہنے والا چھوٹا ہو یا بڑا، غریب ہو یا امیر، دوست ہو یا دشمن۔ سب لوگوں کا احترام کرنا، رنگ و نسل اور پیشے کی بنا پر انہیں حقیر نہ سمجھنا، مسلمانوں کے سامنے عاجزی کا اظہار کرنا، غریبوں اور مسکینوں سے مل جل کر رہنا، دوسروں کو ہر لحاظ سے برتر سمجھنا اور ہر چیز میں خود کو کم تر خیال کرنا، یہ تو ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے۔ عالم اور داعی کے لیے بطورِ خاص ضروری ہے بلکہ عالم اور مبلّغ کو اپنے بہت سے حقوق سے دستبردار ہو جانا چاہیے۔ اسے سامعین کی طرف سے پیش آمدہ بہت سی کوتاہیوں سے درگزر کرنا ہوگا اور عملی طور پر تواضع کے تمام شرعی معنوں پر مشتمل لباس پہننا چاہیے، وہ گفتگو کرنے میں بھی ان کے نزدیک ہو، ہدایات دینے میں بھی اور اپنی ذات کے لحاظ سے بھی قریب تر ہو۔

بہت سے اہلِ علم اور داعیانِ اسلام کو بلند و بالا برجوں سے اتر کر عوام الناس کے ساتھ بیٹھ جانا چاہیے۔ ان کے دروازے سیکھنے والوں کے لیے کھلے اور مدعوین کے دلوں کی تہوں

❶ بخاری: ۹۵۔

میں آنے والے خیالات کو معلوم کرنے کے لیے ان کے سینے فراخ ہونے چاہئیں۔ ایک عالمِ دین اگر گوشہ نشین ہو جائے، اپنا دروازۂ علم بند کر لے اور نا قابلِ فہم زبان اور الفاظ استعمال کرنے لگے تو لوگوں پر اس کے خطرناک اثرات ہوں گے بلکہ یہ ان کی تباہی کا سبب بن جائے گا۔ اگر نوجوانوں کے ذہنی شکوک وشبہات کا ازالہ کر کے ان کے دلوں کو صاف نہ کیا جائے اور انہیں روکنے والا کوئی نہ ہو تو یہ چیز پہلے ان کے ذہنوں میں منعکس ہوگی پھر ان کے عملوں پر مرتب ہوگی۔

شاید نوجوانوں کے فساد اور بگاڑ اور دین سے دوری کا سبب یہی خلیج ہے جو علماء اور نوجوانوں کے درمیان بطورِ خاص اور عوام الناس کے درمیان بالعموم پیدا ہو چکی ہے، لہٰذا یہ ضروری ہے کہ اسے فوراً بند کیا جائے اور اس کے اثرات کو ختم کیا جائے، کچھ داعی یہ سمجھتے ہیں کہ ان کا مقام و مرتبہ انہیں غریبوں کے پاس جانے اور کمزوروں کے ساتھ بیٹھنے کی اجازت نہیں دیتا، جب کہ اسی کا نام تکبر ہے اور یہ ان کے لاشعور میں موجود ہے۔ ہم سب جانتے ہیں کہ حسب ونسب اور مقام و مرتبہ میں سب انسانوں کے سردار حضرت محمد ﷺ عاجزی وانکساری کے پیکر تھے وہ ایسے لوگوں کے ساتھ بھی گھل مل کر رہتے تھے جن کے ساتھ مل جل کر رہنے کی توقع نہیں کی جاتی، فتح مکہ کے بعد بھی آنحضرت ﷺ کے دسترخوان پر وہی سادہ روٹی اور سرکہ ہے۔"❶

ایک یہودی عورت کے کھانے کی دعوت پر جا رہے ہیں۔"❷

ایک یہودی لڑکے کی عیادت کر رہے ہیں، کھجور کے پتوں کی چارپائی پر بیٹھنے سے جسم پر نشان پڑ جاتے ہیں، اصحابِ صُفّہ کی مجلس میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ یہ ساری چیزیں ہم سب مسلمان جانتے ہیں انہیں دہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔

حضراتِ علماء! ہم جس قدر بھی صاحبِ علم ہوں، جس مقام پر بھی پہنچ جائیں کیا ہم

❶ معجم اوسط طبرانی: ٦٩٣٤، مستدرك حاكم، ج ٤: ص ٥٤.

❷ بخاری: ٦٨٧٥، مسلم: ٢١٩٠۔

آنحضرت ﷺ کے علم اور مقام تک پہنچ سکتے ہیں جب کہ آپ ﷺ تو یہ سب اپنی فطرت کی بنا پر، باری تعالیٰ کی اطاعت کے لئے اور دوستوں سے محبت کی خاطر کیا کرتے تھے۔ جب تک دُعا کرنے والا، ہدایت کی راہ پانے والا اور تواضع کا اظہار کرنے والا باقی ہے میرے ربّ کا درود وسلام اس ہستی پر ہوتا رہے۔

اس نکتے کے اختتام میں ہم سب کو آپ ﷺ کی یہ نصیحت یاد کرنی چاہیے۔

((وَمَا تَوَاضَعَ أَحَدٌ لِلّٰهِ إِلاَّ رَفَعَهُ اللّٰهُ .))❶

''جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے عاجزی اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے بلندی سے ہمکنار کرتا ہے۔''

ان اختیارات کے اختتام پر مکرر عرض ہے کہ انہیں صرف مقالے کی تمہید کے طور پر ذکر کیا گیا ہے اس لئے دلائل کے ذریعے اسے وسعت نہیں دی گئی ویسے تو یہ ایک مستقل تصنیف کا تقاضا کرتے ہیں۔

---

❶ مسلم: ۲۵۸۸، ترمذی ۲۰۲۹۔

فصل 2

دعوتِ دین کی وضاحت

اس میں چھ مضامین ہیں:

(۱) دعوتِ دین کی تعریف:

لغت اور عرف کے لحاظ سے لفظ دعوت کے کئی معانی ہیں یہاں ان کی تفصیل مطلوب نہیں ہے تاہم دعوت إلی اللہ کا لفظ دو باتوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

❁:..... اس کا اطلاق پورے دینِ اسلام پر ہوتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿لَهُ دَعْوَةُ الْحَقِّ﴾ [الرعد:١٤]

''حقیقی دعوت تو صرف اسی کی ہے۔'' ❶

اس کے لئے ایمان کی دعوت، اسلام کی دعوت، انبیاء کی دعوت جیسے الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔ اذان کی دُعا [اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ......] میں استعمال ہونے والے لفظ ''دعوت'' سے دعوتِ توحید اور ایمان ہی کی دعوت مقصود ہے۔

❁:..... اس کا دوسرا اِطلاق ہر اس کام پر ہوتا ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی جائے مثلاً: تعلیم دینا، خطاب کرنا، وعظ و نصیحت کرنا، لیکچر دینا، کانفرنس کا اہتمام کرنا، مناظرہ کرنا، اسلام کا دفاع کرنا، دشمنانِ اسلام کی تردید کرنا، جہاد کرنا اور ہر وہ کام جس سے اسلام کی سربلندی مقصود ہو۔

(۲) دعوتِ دین کی اہمیت اور اسلام میں اس کا مقام:

اسلام میں دعوت و تبلیغ کو عظیم مقام حاصل ہے یہی اس کے پھلنے پھولنے کا ذریعہ اور اس کی بقا کا وسیلہ ہے:

❶ فتح الباری: ج۲ :ص ۹۵۔

﴿ قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣ عَلٰي بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ۭ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴾ [یوسف: ۱۰۸]

''کہہ دو: یہ میری راہ ہے میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں پوری بصیرت کے ساتھ۔ میں بھی اور وہ لوگ بھی جنہوں نے میری پیروی کی ہے اور اللہ پاک ہے اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔''

اگر دعوت نہ ہوتو نہ دین قائم رہ سکے، نہ اسلام پھیل سکے، نہ کوئی شخص راہِ راست اختیار کر سکے، نہ کوئی اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے اور نہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ سے دُعا کرے۔

﴿ يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۭ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ۭ ﴾ (المائدة: ٦٧)

''اے رسول ﷺ! تمہاری طرف جو چیز تمہارے رب کی جانب سے اتاری گئی ہے اس کو اچھی طرح پہنچا دو اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو تم نے اس کے پیغام کو نہیں پہنچایا۔''

دعوت الی اللہ ہی کا نتیجہ ہے کہ اکیلے اللہ تعالیٰ کی عبادت ہوتی ہے، لوگ ہدایت حاصل کرتے ہیں اور تمام تر دینی مسائل سیکھتے ہیں جن میں توحید باری تعالیٰ، عبادتِ الٰہی، حلال وحرام کے مسائل اور اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ حدود شامل ہیں بلکہ اسی دعوت کے ذریعے لوگوں کے تجارتی ومعاشی معاملات صحیح سمت پر جاری وساری ہیں، اس کے ذریعے ان کے معاشرتی اور خاندانی حالات سنورتے ہیں، اسی کے ذریعے لوگوں کے اخلاق بہتر اور اختلافات کم ہوتے ہیں، ان کی باہمی عداوت اور کینہ پروری کم ہوتی ہے اور ایک دوسرے کو اذیت رسانی میں کمی آتی ہے۔ جب دعوت کا کام صحیح سمت پر قائم ہو اور لوگ اسے قبول کر لیں تو داعی اور عوام الناس سب کو دنیا وآخرت کی سعادت مندی حاصل ہو جاتی ہے۔

ارشادِ ربّ العزت ہے:

﴿ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ۭ ﴾ (یونس: ٢٥)

''اور اللہ امن وسلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے۔''

نیز فرمایا:

﴿وَ يٰقَوْمِ مَا لِيْۤ اَدْعُوْكُمْ اِلَى النَّجٰوةِ وَ تَدْعُوْنَنِيْۤ اِلَى النَّارِ﴾ [غافر: ٤١]

''اور اے میری قوم! کیا بات ہے میں تمہیں نجات کی طرف بلا رہا ہوں اور تم مجھے دوزخ کی دعوت دے رہے ہو۔''

دعوت إلی اللہ کے ذریعے لوگوں میں باہمی شفقت کا جذبہ بڑھتا ہے۔ باری تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَ مَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾ [الأنبياء: ١٠٧]

''اور ہم نے آپ کو تو بس اہلِ عالم کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔''

اسی سے امن وآشتی پیدا ہوتی ہے اور لوگوں میں عدل وانصاف کا دور دورہ ہوتا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ لَمْ يَلْبِسُوْۤا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓىِٕكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَ هُمْ مُّهْتَدُوْنَ﴾ [الأنعام: ٨٢]

'' جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کو شرک سے آلودہ نہیں کیا یہی لوگ ہیں جن کیلئے امن وچین ہے اور یہی ہدایت پانے والے ہیں۔''

نیز فرمایا:

﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۪ وَ لَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَ لَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا﴾ [النور: ٥٥]

''تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے عملِ صالح کئے ان سے اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ انہیں ملک میں اقتدار بخشے گا جیسے اس نے ان لوگوں کو اقتدار بخشا جو ان سے پہلے گزرے اور ان کے لئے ان کے اس دین کو متمکن کرے گا، جسے

ان کے لئے پسندیدہ قرار دیا ان کی حالت خوف کے بعد امن میں بدل دے گا۔"

جب لوگ دعوتِ دین قبول کرلیں گے اور شریعت پر عمل کرنے لگیں گے تو مال و دولت کو تحفظ مل جائے گا، جانیں اور عزتیں محفوظ ہو جائیں گی، لوگ جانی خطرے سے بے خوف اور مال و دولت اور عزت کے بارہ میں مطمئن ہوں گے، اچھائی عام ہوگی اور برائی کی جڑ کٹ جائے گی۔

رب العالمین نے فرمایا:

﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۝﴾ [النحل: ۹۷]

"جو کوئی نیک عمل کرے گا خواہ مرد ہو یا عورت اور وہ ایمان پر ہے تو ہم اسے ایک پاکیزہ زندگی بسر کرائیں گے اور ہم انہیں جو کچھ وہ کرتے رہے اس کا بہتر صلہ دیں گے۔"

یہ سب دعوت الی اللہ ہی کے ذریعے ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام میں دعوتِ دین کو بہت بڑا مقام اور برتری حاصل ہے۔ یہ انبیاء کرام علیہم السلام کا مشن رہا ہے۔

رب العزت نے فرمایا:

﴿يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا۝ وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا۝﴾ [الأحزاب: ٤٥۔ ٤٦]

"اے نبی ﷺ! ہم نے آپ کو گواہی دینے والا اور خوش خبری پہنچانے والا اور آگاہ کرنے والا بنا کر بھیجا ہے اور اللہ کی طرف (اس کے اذن سے) دعوت دینے والا اور ایک روشن چراغ بنا کر۔"

دعوتِ دین کا کام ایک بہت بڑا اعزاز، ایک بلند مرتبہ ہے، لوگوں کی قیادت اور انسانیت کی راہنمائی ہے۔ آخرت میں داعی حضرات کے لئے تیار کردہ اجرِ عظیم اور باعزت مقام اس کے علاوہ ہے۔

(۳) دعوتِ دین کی فضیلت:

چونکہ دعوت و اصلاح کی دینِ اسلام میں بہت زیادہ اہمیت ہے اور اصلاحِ انسانیت کے سلسلہ میں اس کا مؤثر کردار ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اہلِ دعوت کو عظیم مقام، بلند مرتبے اور دنیا میں لوگوں کی قیادت جیسے منصب سے نوازا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ جَعَلْنَا مِنْهُمْ اَىِٕمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا١ؕ وَ كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ۝﴾ [السجدة: ٢٤]

"اور ہم نے ان میں پیشوا بنائے۔ جو ہمارے حکم سے لوگوں کی راہنمائی کرتے تھے جبکہ انہوں نے ثابت قدمی دکھائی اور وہ ہماری آیات پر یقین رکھتے تھے۔"

ان تمام باتوں سے قطعِ نظر اللہ تعالیٰ نے آخرت میں بھی دعوتِ دین کا کام کرنے والوں کے لئے اجرِ عظیم، بلند مقام اور باعزت ٹھکانہ تیار کر رکھا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ مَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَاۤ اِلَى اللّٰهِ وَ عَمِلَ صَالِحًا وَّ قَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ۝﴾ (فصلت: ٣٣)

"اور اس سے بڑھ کر اچھی بات کس کی ہوگی؟ جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک عمل کرے اور کہے کہ میں مسلمانوں میں سے ہوں۔"

اس فرمان سے یہ بات عیاں ہے کہ ایسی دعوتِ دین جو عملِ صالح سے بھی مزین ہو، سب کاموں سے بڑا کام اور سب عبادتوں سے بڑی عبادت ہے اور یہ داعی کے لئے اس بات کی سند ہے کہ وہ دینی لحاظ سے سب انسانوں سے بڑھ کر اور طرزِ زندگی میں سب سے زیادہ پائیدار راستے پر گامزن ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ایسے شخص کو فلاح پانے والوں میں سے شمار کیا ہے۔ ارشادِ ربّ العزت ہے:

﴿وَ لْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ

الْمُنْكَرِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ ﴾ [آل عمران:١٠٤]

''اور تم میں ایک گروہ ایسا ہونا چاہیے جو نیکی کی دعوت دے، معروف کا حکم کرے اور منکر سے روکے اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔''

رسول اللہ ﷺ نے بھی داعی کے ثواب کا تذکرہ کرتے ہوئے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا ''اللہ کی قسم ہے تیرے ذریعے ایک آدمی کو ہدایت مل جانا تمہارے لئے سرخ اونٹوں سے بھی بہتر ہے۔'' ❶

سرخ اونٹوں سے مراد انتہائی قیمتی اونٹ ہیں۔ ❷

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کی تشریح اس طرح کی ہے۔'' اس سے مراد یہ ہے کہ تمہارے پاس یہ قیمتی اونٹ ہوں اور تم انہیں صدقے میں دے دو اس سے بھی یہ کام بہتر ہے۔ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ ایسے اونٹ حاصل کرنے اور ان کا مالک بن جانے سے بہتر ہے۔'' ❸

رسول اللہ ﷺ نے ایک داعی کو ملنے والے اجر وثواب، اس ثواب کے اضافے اور اس کی عظمت بیان کرتے ہوئے بتایا کہ جب تک اس دعوت کا اثر اور اس کا فائدہ باقی رہے گا داعی کو اس کا ثواب ملے گا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص کسی نیکی کی دعوت دیتا ہے اسے تمام عمل کرنے والوں کے برابر ثواب ملتا ہے۔ اس سے ان کے ثواب میں کمی واقع نہیں ہوتی.....'' ❹

دعوتِ دین دینے والے کو ہر دعوت دینے پر ثواب ملتا ہے خواہ مدعوین بات نہ بھی تسلیم کریں۔ اگر وہ بات مان لیں تو اسے ہر عمل کرنے والے کے برابر ثواب ہوتا ہے، چاہے ان

---

❶ بخاری: ٢٩٤٢، مسلم: ٢٤٠٦۔

❷ شرح مسلم النووی ج١٥: ص ١٨٩۔

❸ فتح الباری: ج٧: ص ٤٧٨۔

❹ مسلم: ٢٦٧٤۔

کی تعداد ہزاروں تک کیوں نہ پہنچ جائے۔ اگر اس کے اثرات صدیوں تک باقی رہیں تب بھی اسے ثواب ملتا ہے اور ان لوگوں کے ثواب میں بھی کوئی کمی نہیں ہوتی۔ اس سے بڑا مرتبہ، اس سے زیادہ ثواب، اور اس سے اچھا عمل کیا ہوگا؟ دعوتِ دین جیسا دینِ اسلام میں شاید ہی کوئی عظیم الشان عمل ہو۔

(۴) دعوتِ دین کی شرعی حیثیت:

قرآن وسنت کی رو سے ہر مسلمان مرد اور عورت پر حسبِ استطاعت دین کی دعوت و تبلیغ فرض ہے۔ استطاعت سے مراد علمی، مالی، جسمانی، حکمتِ عملی اور احسن انداز میں دعوت دینے کی طاقت ہے۔

باری تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ يَاأَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ ﴾ [المائدة: ٦٧]

"اے رسول ﷺ! آپ کی طرف جو چیز آپ کے رب کی جانب سے اتاری گئی ہے اسے اچھی طرح پہنچا دو۔"

اور اسی طرح ارشادِ ربّ العزت ہے:

﴿ اُدْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ ﴾ [النحل: ١٢٥]

"اپنے ربّ کے راستے کی طرف دعوت دو۔"

رسولِ رحمت ﷺ کا فرمان ہے:

"بَلِّغُوا عَنِّي وَلَوْ آيَةً"

"میری ایک بات بھی معلوم ہو تو اسے آگے پہنچاؤ۔" ❶

بَلِّغْ + اُدْعُ + بَلِّغُوا : یہ تین الفاظ امرِ صریح اور مطلق ہیں جب کہ امر وجوب کے لئے اور مطلق جمع کے لیے ہوتا ہے لہٰذا مسلمان مرد ہو یا عورت اس کی وسعت کے مطابق ہر ایک پر دعوت دینا فرض ہے۔

---

❶ بخاری: ٣٤٦١۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''دعوت الی اللہ کا کام رسول اللہ ﷺ کے ہر پیروکار اور امتی پر فرض ہے۔ اللہ تعالیٰ کے رسول کی طرح پوری امت دعوت کا کام کرے گی۔'' ❶

شہر کی سطح پر، قصبوں میں، دیہاتوں میں، حکومتی محکموں میں، کمپنیوں اور سوسائٹیوں میں غرضیکہ لوگوں کے ہر طبقے میں سے ایک گروہ پر دعوت اور بھی پختہ ہو جاتی ہے۔

مسلمانوں کے کسی بھی اجتماعی موقع پر دعوتِ دین کا کام کرنے والا ایک گروہ ضرور موجود رہنا چاہیے۔ باری تعالیٰ کے اس فرمان کا یہی مطلب ہے:

﴿وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنفِرُوا كَافَّةً ۚ فَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ ۝﴾

[التوبة : ١٢٢]

''اور یہ تو نہ تھا کہ سب ہی مسلمان اٹھتے، ایسا کیوں نہ ہوا کہ ان کے ہر گروہ میں سے کچھ لوگ نکلتے، تاکہ دین میں بصیرت حاصل کرتے اور اپنی قوم کے لوگوں کو بھی آگاہ کرتے جب وہ ان کی طرف لوٹتے کہ وہ بھی احتیاط کرنے والے بنتے۔''

دعوت و تبلیغ کا فریضہ سرانجام دینا فرضِ کفایہ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝﴾ [آل عمران: ١٠٤]

''اور تم میں ایک گروہ ایسا ہونا چاہیے، جو نیکی کی دعوت دے، معروف کا حکم کرے اور منکر سے روکے اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔''

تاہم جب کوئی دوسرا شخص دعوت کا کام کرنے کی استطاعت نہ رکھتا ہو یا کوئی بھی اسے سرانجام نہ دے رہا ہو تو یہ فرضِ عین ہوگا۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''دعوتِ دین ہر مسلمان پر فرض ہے تاہم یہ فرضِ کفایہ

---

❶ مجموعہ فتاویٰ ابن تیمیة: ج۱۵: ص۱٦٥۔

ہے اگر کوئی دوسرا اسے انجام نہ دے تو جو شخص یہ کام کر سکتا ہے اس پر فرضِ عین ہے۔'' ❶

دعوتِ دین کی ایک ہی صورت نہیں بلکہ اس کی کئی صورتیں اور کئی طریقے ہیں جس شخص کو ایک آیت معلوم ہو اور وہ اسے آگے پہنچا دے اس نے بھی دعوتِ دین میں حصہ لیا اور جسے ایک حدیث یاد ہو وہ اسے لوگوں تک پہنچائے تو اس نے بھی دعوت کا کام کیا۔ اگر کوئی شخص دین سے غافل لوگوں کو دیکھ کر انہیں نصیحت کرے، تو اس نے بھی دعوت کا کام کیا، جس نے اپنے اہل وعیال کی تربیت راہِ راست کے مطابق کی اس نے بھی اللہ کا پیغام پہنچا دیا، جس نے لوگوں کی کسی طرح خیر خواہی کی انہیں تعلیم دی، انہیں نیکی کرنے کو کہا، انہیں برائی سے منع کیا اس نے دین کی دعوت دے دی۔

جس قدر کسی شخص کے پاس علم زیادہ ہوگا اور لوگوں میں اس کا مقام ومرتبہ بھی زیادہ ہوگا اس قدر اس کی مسؤولیت بڑھ جائے گی۔

جس قدر علم بڑھے گا، دعوتِ دین اور مسؤلیت بڑھے گی اسی قدر ثواب میں اضافہ ہوگا، مقام بلند ہوگا اور درجات حاصل ہوں گے۔

(۵) دعوتِ دین کے مقاصد:

دعوت الی اللہ کے بڑے بلند وبالا اہداف اور گراں قدر مقاصد ہیں۔ کچھ اہم مقاصد یہاں بیان کیے جا رہے ہیں۔

✿ بندوں کو ان کے خالق کی پہچان کرانا اور ان کے باہمی حقوق سے آشنا کرنا:

انسان فطرتی طور پر دوسرں کا محتاج ہے اسے یہ محتاجی سب سے بڑھ کر اپنے خالق کی طرف ہے جب اس کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ختم ہو جائے اور وہ اپنے خالق اور اس کے حقوق سے ناواقف ہو جائے وہ ضائع ہو جاتا ہے اور اس کا دل خالی ہو جاتا ہے اور اس میں بے چینی آ جاتی ہے۔ ہر انسان اس معاشرے کا ممبر ہے جب یہ صورتِ حال عام ہو جاتی ہے تو پوری انسانیت کو دھچکا لگتا ہے، لوگ ایک دوسرے کو کھانے لگ جاتے ہیں اور قومیں ایک دوسرے کو

❶ مجموعہ فتاویٰ ابن تیمیۃ: ج ۱۵: ص ۱٦٦۔

ظلم کی چکی میں پیس دیتی ہیں۔ بے قاعدگی کی یہ کیفیت انہیں زندہ رکھتی ہے نہ ہی ختم کرتی ہے۔ امن وسلامتی اور اطمینان اور خوشگوار زندگی ختم ہو جاتی ہے۔

حق تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَ مَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّ نَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى﴾ [طه: ١٢٤]

"اور جو میرے ذکر سے اعراض کرے گا اس کے لئے تنگ زندگی ہوگی اور قیامت کے دن ہم اس کو اندھا اٹھائیں گے۔"

اس کے برعکس اگر بندہ اپنے خالق کو پہچان لے، اس کا مقصد معلوم کرے اور اس کے مطابق عمل کرنے لگ جائے تو دل کو اطمینان اور نفس کو قرار مل جاتا ہے اور ساتھ ہی افراد کے تصرفات کی سمت بھی درست ہو جاتی ہے، چونکہ انسان معاشرے کا حصہ ہے لہٰذا جب یہ صورت حال بکثرت ہو جائے تو پوری انسانیت کو قرار اور مخلوق کو اطمینان ہو جاتا ہے۔ لوگ ظلم وزیادتی کی بجائے نیکی اور تقویٰ کے لئے ایک دوسرے کا تعاون کرتے ہیں نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہر طرف امن وسلامتی نظر آتی ہے اور لوگوں کی زندگی فرحت وانبساط سے گزرتی ہے۔

﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَ لَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ [النحل: ٩٧]

"جو کوئی نیک عمل کرے گا خواہ مرد ہو یا عورت اور وہ ایمان پر ہے تو ہم اسے ایک پاکیزہ زندگی بسر کرائیں گے اور ہم ان کو جو کچھ وہ کرتے رہے اس کا بہتر صلہ دیں گے۔"

دنیا کی اس خوشگوار زندگی کے علاوہ آخرت میں عمدہ اور سعادت سے بھرپور زندگی اس کے علاوہ ہے۔ دنیا وآخرت کے لحاظ سے دعوت إلی اللہ کا یہ پہلا اور بلند ترین ہدف ہے۔ اس دعوت کا مقصد ملکوں کی تباہی، انسانوں کی قتل وغارت اور تشدد ہرگز نہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق سے صرف یہ چاہتا ہے کہ وہ اسے پہچانیں، اس کے حقوق پہچانیں اور اس کے بندے

بن کر رہیں، انہیں یہ معلوم ہو کہ اگر وہ ایسے کریں گے تو انہیں کیا ملے گا۔

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ۝ مَا أُرِيدُ مِنْهُمْ مِنْ رِزْقٍ وَمَا أُرِيدُ أَنْ يُطْعِمُونِ ۝﴾ [الذاریات: ٥٦-٥٧]

"اور میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری بندگی کریں نہ میں ان سے یہ چاہتا ہوں کہ وہ رزق کا سامان مہیا کریں اور نہ یہ چاہتا ہوں کہ وہ مجھے کھلائیں۔"

خالق کو پہچاننے سے مراد صرف اس کے موجود ہونے پر ایمان نہیں بلکہ اس کی ذات کی معرفت، اس کے حقوق کا علم، اس نے کتابوں میں اور رسولوں کے ذریعے جو کچھ کرنے کو کہا ہے اور جس سے باز رہنے کو کہا ہے اس کی پابندی کی جائے، اس بات پر کامل یقین رکھا جائے کہ ہر چھوٹے بڑے قول وفعل کا حساب ہوگا۔ فرمان برداروں کو عزت اور جنت کی صورت میں اور نافرمانوں کو رسوائی اور آگ کی شکل میں پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ اگر آدمی زبانی کلامی یہ کہے "میرا یہ ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ موجود ہے" لیکن رسولوں کی اتباع نہ کرے، یوم حساب کے لیے تیار نہ ہو، جنت میں جانے کے وسائل وذرائع اختیار نہ کرے، اور دوزخ کے مستوجب کاموں اور طریقوں سے گریز نہ کرے تو ایسے ایمان کا کوئی فائدہ نہیں یہ تو ایک ناقابل قبول دعویٰ ہے۔ باری تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي نَزَّلَ عَلَىٰ رَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي أَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ۚ وَمَنْ يَكْفُرْ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا ۝﴾ [النساء: ١٣٦]

"اے ایمان والو! ایمان لاؤ اللہ پر اس کے رسول پر اور اس کتاب پر جو اس نے اپنے رسول پر اتاری اور اس کتاب پر جو اس نے پہلے اتاری اور جو اللہ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں اور روزِ آخرت کا انکار کرے وہ بہت دور کی گمراہی میں جا پڑا۔"

نیز ارشادِ ربانی ہے:

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ وَ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّفَرِّقُوْا بَیْنَ اللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ وَ یَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّ نَكْفُرُ بِبَعْضٍ١ۙ وَّ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَّخِذُوْا بَیْنَ ذٰلِكَ سَبِیْلًاۙ۝ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا١ۚ وَ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابًا مُّهِیْنًا۝﴾

[النساء:۱۵۰۔۱۵۱]

''جولوگ اللہ اور اس کے رسولوں کا انکار کر رہے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان تفریق کریں اور کہتے ہیں کہ ہم بعض پر ایمان لاتے ہیں اور بعض کا انکار کرتے ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ اس کے درمیان کوئی راہ نکالیں، یہی لوگ درحقیقت پکے کافر ہیں اور ہم نے ان کافروں کے لیے رسوا کن عذاب تیار کر رکھا ہے۔''

✿ نیکی اور اصلاح کی اشاعت، شر اور برائی کا خاتمہ:

''نیکی اور اصلاح'' یہ دونوں لفظ جس جس بات اور کام کے لئے بولے جاسکتے ہیں اسلام ان سب پر مشتمل ہے اور ان سب کی دعوت دیتا ہے۔

''شر اور فساد'' کے الفاظ جس کسی بات یا کام کے لئے ہو سکتے ہیں اسلام ہر اس کام سے روکتا اور منع کرتا ہے۔

ارشاد رب العالمین ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ وَ اِیْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰى﴾ [النحل:۹۰]

''بیشک اللہ حکم دیتا ہے عدل کا، احسان کا اور رشتہ داروں کو دیتے رہنے کا۔''

رب العالمین نے رحمۃ للعالمین کے اوصاف کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ یَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ یُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَ یُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓىِٕثَ وَ یَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَ الْاَغْلٰلَ الَّتِیْ كَانَتْ عَلَیْهِمْ١ؕ﴾

[الأعراف:۱۵۷]

"وہ ان کو نیکی کا حکم دیتا ہے، برائی سے روکتا ہے اور ان کے لئے پاکیزہ چیزیں جائز ٹھہراتا ہے اور خبیث چیزیں حرام کرتا ہے اور ان پر سے وہ بوجھ اور پابندیاں اتارتا ہے جو ان پر اب تک رہی ہیں۔"

اسلام نے جو کام کرنے کو کہا ہے کوئی شخص اسے کتنا برا کیوں نہ سمجھتا رہے وہ بہت بڑی خیر و برکت سے لبریز ہوتا ہے۔ اسلام نے جس کام سے بھی منع کیا ہے کوئی شخص اس میں خیر کا گمان کیوں نہ کرتا رہے اس میں کوئی نہ کوئی بڑی خرابی ہوتی ہے۔

فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْئًا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۗ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴾ [البقرة: ٢١٦]

"ممکن ہے کہ تم ایک شے کو ناگوار خیال کرو حالانکہ وہ تمہارے لئے بہتر ہو۔ اور ممکن ہے کہ تم ایک شے کو پسندیدہ سمجھو اور وہ تمہارے لئے بری ہو۔ اللہ جانتا ہے، تم نہیں جانتے۔"

✿ اقوام کا تعارف اور ان کا باہمی اتحاد، ان میں امن و آشتی کی فضا ہموار کرنا:

اسلام کا عظیم ترین مقصد اور اعلیٰ ترین ہدف یہ ہے کہ روئے زمین پر پھیلی مختلف اقوام آپس میں متعارف ہوں اور ایک دوسرے کے نزدیک آ جائیں۔ تمام لوگ ایک ایک خالق کی وحدانیت کے جھنڈے تلے آ جائیں۔

﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ۚ ﴾ [الحجرات: ١٣]

ایک رب، ایک دین، ایک قبلہ اور سب رسولوں پر ایمان لاکر جب اقوام عالم باہمی تعارف کے بعد ایک دوسرے کے قریب ہو جائیں، متحد ہو کر باہمی مفاہمت کر لیں، خشیتِ الٰہی برتری کا معیار قرار پائے تو سب لوگ مومن بندے، ایک دوسرے سے محبت کرنے والے اور بھائی بھائی بن جائیں گے ان کی باہمی عداوت ختم ہو جائے گی ان کی حرب وضرب اور بغض و

عناد کی آگ بجھ جائے گی اور وہ امن و سلامتی جیسی نعمت سے محظوظ ہو کر زندگی بسر کریں گے۔

(۶) دعوتِ دین کے اثرات:

ملک و قوم پر دعوت الی اللہ کے بے بہا اثرات و فوائد ہوتے ہیں اگر حاصل ہو جائیں تو یہ اثرات ہی اہداف ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان میں کافی حد تک مطابقت پائی جاتی ہے اور یہ ایک دوسرے کا حصہ اور باہم مربوط ہیں۔ ان میں سے کچھ ایک دوسرے کا سبب اور بہت سے نتائج میں باہم مشترک ہیں۔

انہیں بالا اختصار چھ نکات میں بیان کیا جاسکتا ہے۔

۱. حق کا غلبہ، باطل کی شکست
۲. عدل وانصاف کا بول بالا اور ظلم واستبداد کا خاتمہ
۳. اصلاح کا عام ہونا فساد و بگاڑ کا خاتمہ اور اللہ تعالیٰ کے انتقام سے بچاؤ
۴. نیکیوں کی کثرت، برکتوں کا نزول
۵. اخوت وسلامتی کا چرچا اور لوگوں میں امن کا قیام
۶. دونوں جہاں میں بندوں کی سعادت

اس داخلی باب میں ہم اختصار و طوالت کے درمیان رہتے ہوئے انہی فوائد کا جائزہ لیں گے۔

(۱) حق کا غلبہ..... باطل کی شکست:

اسلام کی بنیاد، اس کا جوہر اور اس کا مدعا و مقصود یہ ہے کہ حق کو حق ثابت کیا جائے وہ جیسے بھی ہو اور جس کے پاس بھی ہو۔ اسی طرح باطل کو نیست و نابود کیا جائے وہ جہاں اور جس کے پاس بھی ہو اس میں جذباتی پہلوؤں، ذاتی مصلحتوں اور خونی رشتہ داریوں کو ملحوظ نہ رکھا جائے خواہ وہ کتنی ہی قریبی کیوں نہ ہوں۔ حق کی تائید اور باطل کی مخالفت دعوت الی اللہ کی بنیاد اور اس کا بنیادی مقصد ہے۔ باری تعالیٰ نے اہلِ جنت کے جنت میں داخل ہونے کے بعد ان کا تبصرہ نقل کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ﴾ [الاعراف: ۴۳]

"ہمارے رب کے رسول بالکل سچی بات لے کر آئے۔"

دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿ وَقُلِ الْحَقُّ مِن رَّبِّكُمْ ۖ فَمَن شَاءَ فَلْيُؤْمِن وَمَن شَاءَ فَلْيَكْفُرْ ﴾

[الكهف: ٢٩]

"اور کہہ دو: یہ حق ہے تمہارے رب کی جانب سے تو جس کا جی چاہے ایمان لائے اور جس کا جی چاہے کفر کرے۔"

دعوت دین میں حق کسی ایک شکل وصورت میں محدود نہیں ہے اور نہ ہی اسے کسی مخصوص طبقے کے لئے پیش کیا جاتا ہے اور نہ وہ کسی ایک موڑ کی طرف چلتا ہے بلکہ یہ زندگی کی تمام تر صورتوں پر حاوی ہے تمام تر احوال وظروف میں، ہر قسم کے طبقہ کے لئے ہے اور زندگی کی تمام مشکلات کے حل کے لئے رواں دواں ہے۔ کسی بھی شخص کو حق بات کہنے یا اسے قبول کرنے سے مستثنیٰ نہیں کیا جا سکتا۔ یہ عقیدے کے تمام پہلوؤں پر مشتمل ہے اور اس میں ہر قسم کی عبادت داخل ہے۔ یہ تمام قسم کے قول وفعل، ہر قسم کے لین دین اور رسم ورواج کے تمام تر میدانوں پر حاوی ہے۔

باری تعالیٰ کا یہ فرمان:

﴿ لَهُ دَعْوَةُ الْحَقِّ ۖ ﴾ [الرعد: ١٤]

"حقیقی پکارنا تو صرف اس کو پکارنا ہے۔"

زندگی کے تمام شعبوں کے لئے ہے۔ اللہ رب العزت نے تمام تر انسانوں کو مخاطب ہو کر فرمایا:

﴿ قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمُ الْحَقُّ مِن رَّبِّكُمْ ۖ فَمَنِ اهْتَدَىٰ فَإِنَّمَا يَهْتَدِي لِنَفْسِهِ ۖ ﴾ [يونس: ١٠٨]

"کہہ دو: اے لوگو! تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس حق آ گیا ہے، تو جو ہدایت قبول کرے گا وہ اپنے ہی لیے کرے گا۔"

رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ہر موقع پر بلاخوف تردید حق بات کہنے کی نصیحت فرمائی ہے۔ آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے: ''جب تمہیں حق معلوم ہو جائے یا تم اسے دیکھ لو یا سن لو تو لوگوں کا خوف تمہیں اسے بیان کرنے سے مانع نہیں ہونا چاہیے۔'' ❶

لوگوں کے درمیان فیصلہ کرتے وقت سچی بات کہنے کی تو قرآن و سنت نے بڑی سختی سے تاکید کی ہے۔

﴿وَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَ مُهَیْمِنًا عَلَیْهِ فَاحْكُمْ بَیْنَهُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ﴾ [المائدة: ٤٨]

''اور ہم نے تمہاری طرف حق کے ساتھ کتاب اتاری ہے پہلے سے موجود کتاب کی تصدیق کرنے والی اور اس کے لئے کسوٹی بنا کر۔ لہٰذا ان کے درمیان اس کے مطابق فیصلہ کرو جو اللہ نے اتارا ہے۔''

جب حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے مخزوم قبیلے کی چوری کرنے والی عورت کی سفارش کرنا چاہی تو رسول اللہ ﷺ سخت غصے ہوئے اور فرمانے لگے ''کیا تم اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ سزا کے بارے میں سفارش کرتے ہو۔'' پھر فرمایا: تم سے پہلے لوگ اس وجہ سے تباہ و برباد ہوئے تھے کہ جب ان میں کوئی سردار چوری کرتا تو وہ اسے چھوڑ دیتے اور جب کوئی کمزور چوری کرتا تو اسے سزا دیتے۔ اللہ کی قسم! اگر محمد کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔'' ❷

حق کی حمایت اور باطل کی سرکوبی میں ملک و ملت دونوں کے لیے بیش بہا مفادات ہیں۔ اسی بنا پر وہ قومیں رنگ و نسل کے اختلاف کے باوجود باطل کو چھوڑ کر اسلام کی طرف کشاں کشاں چلی آئیں حالانکہ باطل ان کے عقائد اور عبادات میں رچ بس چکا تھا اور ان

---

❶ احمد: ج ۳: ص ٤٦، ٨٤، ابن ماجه: ٤٠٠٧؛ ترمذی: ٢١٩١؛ السلسلة الصحيحة: ١٦٨.

❷ بخاری: ٣٤٧٥۔ مسلم: ١٦٨٨۔

کے اخلاق واطوار نے بادشاہوں کو پسِ پشت ڈال دیا جو صدیوں سے ان پر حکومت کر رہے تھے۔ انہوں نے مذہب کو خراب کرنے والے کاہنوں اور دجل وفریب کرنے والے صوفیوں کو خیرباد کہہ دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ شرک کی مختلف صورتوں مثلاً غیر اللہ کی عبادت کرنے، غیر اللہ سے سوال کرنے، مجوسیوں کی ریاضتوں جیسے گھٹیا اسلوبِ عبادت مثلاً کئی کئی دن تک دھوپ میں کھڑے رہنا، شادی نہ کرنا، کھانا پینا ترک کر دینا، ایسی غلط عبادتیں جنہیں دعوتِ حق نے باطل قرار دیا ہے انہیں ختم کر کے رکھ دیا۔ ناپسندیدہ عادات واطوار جنہیں نہ شریعت برقرار رکھتی ہے اور نہ عقل تسلیم کرتی ہے مثلاً: طلاق ناجائز ہونا، خاوند کے وفات پا جانے پر اس کی بیوی کو اس کے ساتھ زندہ جلا دینا، نیل میں ہر سال ایک دوشیزہ کو دریا برد کرنا، جانی پہچانی رسم ہے۔ ❶

اس جیسے تمام طور طریقے جنہیں اسلام نے ناپسند کیا ہے اور ان کی جگہ واضح حق اور صراطِ مستقیم عطا کیا ہے سب ملیا میٹ ہو گئے۔

﴿بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ ۚ وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُونَ ۝﴾ [الأنبياء: ١٨]

”بلکہ ہم حق کو باطل پر دے ماریں گے تو وہ اس کا بھیجا نکال دے گا تو دیکھو گے کہ وہ نابود ہو کر رہے گا اور تمہارے لئے اس چیز کے باعث جو تم بیان کرتے ہو بڑی خرابی ہے۔“

(۳) عدل وانصاف کا بول بالا اور ظلم واستبداد کا خاتمہ:

ظلم کی دو قسمیں ہیں: ایک ہے آدمی کا اپنے اوپر ظلم، دوسرا غیروں پر ظلم۔

انسان کا اپنے اوپر ظلم یہ ہے کہ وہ اپنے خالق کا انکار کرے اور اپنے مالک کے علاوہ دوسروں کی عبادت کرے، یہ عقیدہ رکھے کہ اللہ تعالیٰ کی اولاد اور بیوی ہے اور اللہ تعالیٰ کی ایسی صفات بیان کرے جو اس کی شان کے منافی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی حکم عدولی اور اس کی نافرمانی کرے اور بھی ظلم کے بہت سے طریقے ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

❶ كتاب العظمة، أبو شيخ: ج٤: ص١٤٢٥۔ معجم البلدان، ياقوت حموي: ج٥: ص٣٣٥۔

﴿ وَإِذْ قَالَ لُقْمَٰنُ لِٱبْنِهِۦ وَهُوَ يَعِظُهُۥ يَٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِٱللَّهِ ۖ إِنَّ ٱلشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ ﴾ [لقمان : ١٣]

''اور (یاد کرو) جبکہ لقمان نے اپنے بیٹے سے اس کو نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ اے میرے بیٹے اللہ کا شریک نہ ٹھہراؤ بے شک شرک ایک بہت بڑا ظلم ہے۔''

نیز ارشاد فرمایا:

﴿ وَٱلْكَٰفِرُونَ هُمُ ٱلظَّٰلِمُونَ ﴾ [البقرة: ٢٥٤]

''اور جو لوگ انکار کرنے والے ہیں اپنے اوپر اصل ظلم ڈھانے والے وہی ہیں۔''

دعوت دین کا عظیم ترین فائدہ یہی ہوتا ہے کہ یہ بدترین ظلم ختم ہو جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات، اس کی ربوبیت، اس کی الوہیت اور اس کی صفات میں حدود سے تجاوز کی شکل میں موجود ہوتا ہے۔ لوگ اپنے رب کے حقوق میں عدل پسند اور خوش دل ہو جاتے ہیں۔

ظلم کی دوسری قسم یہ ہے کہ انسان دوسروں پر ظلم کرے۔ ظلم کی اس قسم کے اور بھی بہت سے لاتعداد طریقے ہیں۔ ان میں قتل و غارت، خون ریزی، عصمت دری، مال و دولت چھیننا، حقوق کی عدم ادائیگی، بدامنی پیدا کرنا، خوف و ہراس طاری کرنا، کھیتی کو اجاڑنا اور تباہی نسل جیسے جرائم شامل ہیں۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے قانون نے تو کسی انسان سے مسواک جیسی معمولی چیز ناحق لینے والے کو بھی عذاب الیم کا مستوجب قرار دیا ہے۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا: جو شخص قسم اٹھا کر کسی مسلمان بھائی کا حق چھینتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے دوزخ کو واجب اور جنت کو حرام کر دیتا ہے، ایک صحابی نے پوچھا: یارسول اللہ ﷺ! خواہ وہ معمولی سی چیز ہو؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''خواہ وہ پیلو کے درخت کی ٹہنی ہی کیوں نہ ہو۔'' ❶

ظلم و ستم کے حرام ہونے سے متعلق بہت سے واضح فرامین اور قطعی احکام موجود ہیں۔

ارشاد رب العزت ہے:

---

❶ بخاری: ٦٦٥٩، ٧٤٤٥۔ مسلم: ١٣٧

﴿ وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا ۝﴾ [طه : ١١١]

''اور جو کسی ظلم کا مرتکب ہوا وہ نامراد ہوا۔''

نیز ارشاد ربانی ہے:

﴿ وَمَنْ يَظْلِمْ مِنْكُمْ نُذِقْهُ عَذَابًا كَبِيرًا ۝﴾ [الفرقان : ١٩]

''اور جو بھی تم میں سے ظلم (شرک) کا مرتکب ہوگا ہم اس کو ایک بڑا عذاب چکھائیں گے۔''

ان آیات کا اختتام ظالموں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہونے کے ساتھ کیا گیا ہے۔

ارشاد رب العالمین ہے:

﴿ أَلَا لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الظَّالِمِينَ ۝﴾ [هود : ١٨]

''آگاہ رہو کہ اللہ کی لعنت ہے ان ظالموں پر۔''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اَلظُّلْمُ ظُلُمَاتٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ'' ❶

''ظلم قیامت کے دن تاریکیاں بن جائے گا۔''

ایک حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''يَا عِبَادِي، إِنِّي حَرَّمْتُ الظُّلْمَ عَلَى نَفْسِي، وَجَعَلْتُهُ بَيْنَكُمْ مُحَرَّمًا، فَلَا تَظَالَمُوا......'' ❷

''اے میرے بندو! میں نے ظلم کو اپنے لئے بھی حرام کیا ہے تمہارے باہمی ظلم کو بھی حرام قرار دیا ہے تم ایک دوسرے پر ظلم نہ کرنا۔''

ظلم ختم ہوجائے تو اس کی جگہ عدل وانصاف لے لیتا ہے یہی دعوت الی اللہ کا اعلیٰ ترین اور عظیم مقصد ہے۔ کیونکہ ظلم ہی ملکوں کے فساد و بگاڑ اور لوگوں کی ہلاکت وتباہی، انسانی

---

❶ بخاری: ٢٤٤٧۔ مسلم ٢٥٧٩۔

❷ مسلم: ٢٥٧٧۔

جانوں پر جبر واستبداد اور بدامنی کا باعث ہے۔ ظلم اپنی حد سے گزر کر مظلوم کی روح تک جا پہنچتا ہے اور اسے بربادیوں کا ذائقہ چکھاتا ہے اور اس کی جگر کشی کرتا ہے۔ اس کے ذریعے مظلوموں میں انتقام کا جذبہ جنم لیتا ہے اور طبیعتوں میں ذاتی تسکین کا داعیہ زور پکڑتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جب تک مظلوم اپنا حق نہیں لے لیتا اسے قرار اور چین نہیں آتا جب تک وہ ہتک عزت کا مداوا نہ کرے اور انتقام نہ لے لے اسے سکون نہیں ہوتا۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ لوگوں میں بدامنی پیدا ہو جاتی ہے اور معاشرہ عدم توازن کا شکار ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نہ صرف عدل وانصاف کا حکم دیا ہے بلکہ احسان کرنے کو کہا ہے جو کہ عدل وانصاف سے بلند تر مرتبہ اور مقام ہے۔ عدل کا معنی ہے کسی کو اس کا حق دینا جب کہ احسان سے مراد یہ ہے کہ کسی پر مہربانی کرتے ہوئے اس کے حق سے اضافی چیز دینا۔

رب العالمین کا فرمان ہے:

﴿ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ ﴾ [النحل: ۹۰]

”بے شک اللہ حکم دیتا ہے عدل کا، احسان کا۔“

دیکھیے: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے خالہ زاد مسطح سے نیکی کیا کرتے تھے۔ جب اس نے ان کی بیٹی ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا پر الزام تراشی کی اشاعت میں حصہ لیا تو انہوں نے ان کا نان ونفقہ بند کر دیا لیکن اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی اطاعت کرتے ہوئے انہوں نے ترسیل رسد کا سلسلہ دوبارہ شروع کر دیا۔ ❶

﴿ وَلَا يَأْتَلِ أُولُو الْفَضْلِ مِنكُمْ وَالسَّعَةِ أَن يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ ﴾

[النور: ۲۲]

”تم میں سے جو بزرگی اور کشادگی والے ہیں انہیں اپنے قرابت داروں کو راہ اللہ دینے سے قسم نہ کھانی چاہیے۔“

اللہ تعالیٰ نے سب لوگوں کو ان کے حسب ونسب اور رنگ کے امتیاز کے بغیر انصاف

---

❶ بخاری: ۲٦٦۱۔ مسلم: ۲۷۷۰۔

کرنے کا حکم دیا ہے اور اپنے نبی ﷺ کو حکم دیا ہے کہ وہ یہ اعلان کریں۔

﴿ وَأُمِرْتُ لِأَعْدِلَ بَيْنَكُمُ ﴾ [الشوریٰ: ۱۵]

"مجھے تو تمہارے ساتھ انصاف کرنے کا حکم ہے۔"

اللہ ربّ العزت نے حکم دیا ہے کہ رشتہ داری اور مالداری جیسی کسی چیز کو خاطر میں لائے بغیر عدل وانصاف اور سچ کہنے کا رویہ اپنایا جائے۔

باری تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰ أَنفُسِكُمْ ﴾

[النساء: ۱۳۵]

"اے ایمان والو! حق پر جمے رہو اللہ کے لئے اس کی شہادت دیتے ہوئے اگرچہ یہ شہادت خود تمہاری ذات، تمہارے والدین، تمہارے قرابت داروں کے خلاف ہی پڑے۔"

بلکہ اللہ ربّ العزت کا یہ بھی حکم ہے کہ عدل وانصاف ہی کیا جائے خواہ یہ دشمن کے مفاد میں ہی کیوں نہ ہو۔

﴿ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا ﴾ [المائدۃ: ۸]

"اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر نہ ابھارے کہ تم عدل نہ کرو۔"

اس سے بڑھ کر یہ کہ اللہ تعالیٰ نے عدل وانصاف کو تقویٰ میں سے شمار کیا ہے، خواہ یہ کسی رشتہ دار کے حق میں ہو یا دشمن کے حق میں۔ جیسا کہ ربّ العالمین کا فرمان ہے:

﴿ اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ ﴾ [المائدۃ: ۸]

"عدل کرو یہی تقویٰ سے قریب تر ہے۔"

اس سے بڑا دین کیا ہوگا؟ اور اس سے بہترین نصیحت کیا ہوگی؟ کہ دشمن کے ساتھ عدل وانصاف کو بھی ایک ایسی نیکی قرار دے دیا جائے جو اللہ ربّ العزت کے قرب کا باعث ہو۔ معاشرے میں عدل وانصاف کے رائج ہونے سے جو اطمینانِ قلب، راحتِ نفس اور

احساسِ برتری حاصل ہوتا ہے وہ بھی محتاجِ بیان نہیں ہے۔ علاوہ ازیں اس سے باہمی الفت اور فراخ دلی پیدا ہوتی ہے۔ عدل وانصاف معاشرے کے باہمی رابطے کا مضبوط ترین ذریعہ ہے یہی عوام الناس کے آپس میں اور حکمرانوں کے ساتھ تعلق کی سب سے مضبوط کڑی ہے۔ جب اسلامی فتوحات کا سلسلہ شروع ہوا تو مختلف اقوام اسلام کے عدل وانصاف کو دیکھ کر ہی اس کی طرف کشاں کشاں چلی آئیں اور اس میں جوق در جوق داخل ہوئیں۔ یہ سب صحیح عقیدے پر یقین رکھنے اور اسلام کے عدل وانصاف کو پسند کرنے ہی کا نتیجہ تھا۔ وہ تو ظلم سے جان چھڑانا چاہتے تھے، قبل از اسلام حکمرانوں کے ظلم وستم کے واقعات بھی مشہور ہیں اس کے ساتھ مسلم حکمرانوں اور منصبِ قضاء پر فائز ججوں کے غیر مسلموں کے ساتھ عدل وانصاف کے واقعات تو کہیں زیادہ مشہور اور لاتعداد ہیں۔

بہت سے اہلِ علم نے انہیں مختلف مقامات پر ذکر بھی کیا ہے۔ یہاں ان کی تفصیل اور واقعات ذکر کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔ ❶

(۳) اِصلاح کا عام ہونا اور فساد و بگاڑ کا خاتمہ، اور اللہ تعالیٰ کے انتقام سے بچاؤ۔

یہ بات شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ دعوتِ دین کا ایک بہت بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس سے لوگوں میں اِصلاح عام ہوتی ہے اور ان کی سرزمین پر فساد وبگاڑ کا قلع قمع ہوتا ہے۔ اسلام نے اصلاح کو خود اپنانے اور معاشرے میں عام کرنے کا پورے معاشرے کو حکم دیا ہے اسی طرح خود بگڑنے اور بگاڑ پیدا کرنے سے تمام افراد کو منع کیا ہے۔

ارشادِ ربانی ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلرُّسُلُ كُلُوا۟ مِنَ ٱلطَّيِّبَٰتِ وَٱعْمَلُوا۟ صَٰلِحًا ۖ إِنِّى بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ﴾

[المؤمنون: ۵۱]

"اے رسولو! پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو جو کچھ تم کرو گے میں اس سے

❶ حلية الأولياء، أبو نعيم: ج٤: ص١٤٠ ـ تاريخ دمشق، ابن عساكر: ج٤٢ ص: ٤٨٧.
اخبار القضاة لمحمد بن خلف ج٢: ص ١٩٤، ١٩٥.

اچھی طرح واقف ہوں۔"

دوسری جگہ فرمایا:

﴿وَلَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا ۭ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ﴾ [الأعراف: ٥٦]

"اور ملک میں اس کی اصلاح کے بعد فساد نہ برپا کرو اور اسے خوف و امید دونوں حالتوں میں پکارو۔ بیشک اللہ کی رحمت نیکو کاروں سے قریب ہے۔"

نیز فرمایا:

﴿وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِی الْاَرْضِ ۭ﴾ [القصص: ٧٧]

"اور زمین میں فساد کے طالب نہ بنو۔"

اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کی عظمت بیان کی ہے جو دعوتِ دین کے ساتھ ساتھ عملِ صالح کو بھی اپناتے ہیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ﴾ [فصلت: ٣٣]

"اور اس سے بڑھ کر اچھی بات کس کی ہوگی؟ جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک عمل کرے اور کہے کہ میں مسلمانوں میں سے ہوں۔"

اصلاحِ انسانیت کے صلہ میں اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کے لئے اجرِ عظیم مقرر کر رکھا ہے۔ قبائل، حسب و نسب اور رنگ کا اس میں کوئی عمل دخل نہیں۔

ارشادِ ربّ العالمین ہے:

﴿لَا خَیْرَ فِیْ كَثِیْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍۭ بَیْنَ النَّاسِ ۭ﴾ [النساء: ١١٤]

"ان کی سرگوشیوں کا زیادہ حصہ ایسا ہے جس میں کوئی خیر نہیں (خیر والی سرگوشی)

تو صرف اس کی ہے جو صدقہ کی صلاح دے یا کسی نیکی کی راہ سمجھائے یا باہمی صلح کی دعوت دے۔"

اللہ تعالیٰ نے تو صلاح و تقویٰ اختیار کرنے والوں کو دنیا میں زمین کا وارث قرار دیا ہے۔

﴿وَ لَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ۝﴾ [الأنبياء:١٠٥]

"اور ہم نے زبور میں موعظت کے بعد لکھ دیا ہے کہ زمین کے وارث میرے نیک بندے ہی ہوں گے۔"

جب کہ آخرت میں جنت کا وارث قرار دیا ہے۔

﴿وَ قَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَ اَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَآءُ ۚ فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ۝﴾ [الزمر: ٧٤]

"اور وہ کہیں گے: اس اللہ کا شکر ہے جس نے ہم سے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا اور ہمیں ارضِ جنت کا وارث بنایا، ہم جنت میں جہاں چاہیں براجمان ہوں تو کیا ہی خوب صلہ ہے نیک عمل کرنے والوں کا۔"

ارشاد رب العالمین ہے:

﴿وَ اَدْخَلْنٰهُمْ فِيْ رَحْمَتِنَا ؕ اِنَّهُمْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ۝﴾ [الأنبياء:٨٦]

"اور ہم نے انہیں اپنی رحمت میں داخل کیا، بے شک وہ نیک لوگوں میں سے تھے۔"

ارشاد ربانی ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ۝ۙ﴾ [التوبة: ١٢٠]

"اللہ خوب کاروں کے اجر کو ضائع نہیں کرے گا۔"

اللہ تعالیٰ نے فساد اور اہلِ فساد کو ناپسند کیا ہے۔ ارشادِ رب العالمین ہے:

﴿وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ۝﴾ [البقرة: ٢٠٥]

"اور اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا۔"

نیز فرمایا:

﴿ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ﴾ [المائدة : ٦٤]

”اور اللہ فساد برپا کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔“

فساد اور بگاڑ کو ختم کرنے اور اصلاح کرنے ہی کی خاطر اسلام نے زمین پر فساد برپا کرنے والوں کی سزا بہت سخت رکھی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ يَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَ اَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ؕ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴾

[المائدة : ٣٣]

”ان لوگوں کی سزا جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے بغاوت کرتے ہیں اور ملک میں فساد برپا کرنے میں سرگرم ہیں، بس یہ ہے کہ عبرت ناک طور پر قتل کیے جائیں یا سولی پر لٹکائے جائیں یا ان کے ہاتھ اور پاؤں بے ترتیب کاٹ دیئے جائیں یا ملک سے باہر نکال دیئے جائیں۔ یہ ان کے لیے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں بھی ان کے لیے ایک عذابِ عظیم ہے۔“

زمین میں فساد برپا کرنے سے ظلم و بربریت جنم لیتی ہے، ڈاکہ زنی عام ہوتی ہے، لوگوں کے حقوق پامال ہوتے ہیں، لاقانونیت کا راج ہوتا ہے، امن و سلامتی ختم ہو جاتی ہے، معیشت بدحال ہو جاتی ہے، نسلِ انسان اور زراعت تباہ و برباد ہو جاتی ہے، لوگ بے قرار ہو جاتے ہیں انہی خرابیوں کے باعث اہلِ فساد کی یہ سنگین سزا رکھی ہے۔

دعوتِ دین کو ترک کرنا پوری روئے زمین پر فساد برپا ہونے کا باعث اور مختلف طریقوں سے اللہ تعالیٰ کے انتقام کا باعث بنتا ہے۔ کبھی ظالم حکمرانوں کے تسلط کی صورت میں اور کبھی وبا پھیلنے کے ذریعے اور کبھی خیر و برکت کی کمی کی شکل میں اور کبھی مہنگائی، معیشت کی تنگی اور مشکلات کے در آنے کی صورت میں۔

ارشاد احکم الحاکمین ہے:

﴿وَ مَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِیْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِیْشَةً ضَنْكًا وَّ نَحْشُرُهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اَعْمٰى﴾ [طٰهٰ: ۱۲۴]

"اور جو میرے ذکر سے اعراض کرے گا اس کے لئے تنگ زندگی ہوگی اور قیامت کے دن ہم اس کو اندھا اٹھائیں گے۔"

نیز فرمایا:

﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِی الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَیْدِی النَّاسِ لِیُذِیْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِیْ عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ﴾ [الروم: ۴۱]

"خشکی اور تری ہر جگہ لوگوں کے اعمال کے نتیجے میں فساد چھا گیا ہے تاکہ اللہ ان کی بعض کرتوتوں کا مزا چکھائے تاکہ یہ رجوع کریں۔"

مفسر شہیر امام ابن کثیر رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں رقم طراز ہیں کہ "گناہوں کی وجہ سے زرعی پیداوار میں کمی واقع ہو جاتی ہے۔" ❶

امام ابو العالیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "جو شخص اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے وہ زمین پر فساد برپا کرتا ہے کیونکہ آسمان و زمین کا نظام اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی وجہ سے قائم ہے۔" ❷

کبھی کبھی اللہ تعالیٰ فساد برپا کرنے والوں پر دنیا میں عذاب نازل کرکے براہ راست انتقام لیتا ہے۔

خالق کائنات کا ارشاد ہے:

﴿وَ فِرْعَوْنَ ذِی الْاَوْتَادِ ۝ الَّذِیْنَ طَغَوْا فِی الْبِلَادِ ۝ فَاَكْثَرُوْا فِیْهَا الْفَسَادَ ۝ فَصَبَّ عَلَیْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ ۝ اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ۝﴾

[الفجر: ۱۰۔۱۴]

❶ تفسیر ابن کثیر: ج ۳، ص ۴۴۴، ۴۴۵۔

❷ تفسیر ابن کثیر: ج ۳، ص ۴۴۵، ۴۴۴۔

"اور فرعون میخوں والے کے ساتھ، انہوں نے ملکوں میں سر اٹھائے، اور ان میں بڑی اودھم مچائی، تو تیرے رب نے ان پر عذاب کے کوڑے برسائے، بیشک تیرا رب تو گھات میں رہتا ہے۔"

یعنی اللہ تعالیٰ ان کے علاوہ ان جیسے لوگوں کے لئے بھی گھات میں ہے۔ امام قرطبی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے: امام حسن بصری اور امام عکرمہ رحمہما اللہ نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے کہ "اللہ تعالیٰ ہر انسان کو اس کے عمل کا بدلہ دینے کے لئے گھات لگائے ہوئے ہے۔" ❶

فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ ۝ اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ ۝ وَّ اَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ ۝ تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ ۝ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ ۝ ﴾ [الفیل: ۱۔ ۵]

"کیا تم نے نہیں دیکھا کہ تمہارے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ کیا ان کی چال بالکل برباد نہ کر دی اور ان پر جھنڈ کی جھنڈ چڑیاں نہ بھیجیں؟ وہ ان کو مارتی تھیں سنگِ گل کے قسم کے پتھروں سے، بالآخر اللہ نے ان کو کھائے ہوئے بھوسے کی طرح کر دیا۔"

اور کبھی یہ عذاب بھوک اور خوف و ہراس کے ذریعے ہوتا ہے۔

ارشادِ رب العزت ہے:

﴿ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَىِٕنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَ الْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ۝ ﴾ [النحل: ۱۱۲]

"اور اللہ نے ایک بستی کی مثال بیان کی ہے جو بالکل امن و اطمینان کی حالت میں تھی۔ ان کو ان کا رزق فراخی کے ساتھ ہر طرف سے پہنچ رہا تھا، لیکن انہوں

❶ تفسیر قرطبی: ج ۲۰: ص ۵۰۔

نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی تو اللہ نے ان کی کرتوتوں کی پاداش میں ان کو بھوک کا (مزا) چکھایا اور خوف کا لباس (پہنا دیا)۔''

کبھی اللہ تعالیٰ لوگوں پر ظالم حکمران مسلط کر کے یا ان میں افتراق و انتشار اور فتنے برپا کر کے انتقام لیتا ہے۔

ارشاد احکم الحاکمین ہے:

﴿قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلَىٰٓ أَن يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّن فَوْقِكُمْ أَوْ مِن تَحْتِ أَرْجُلِكُمْ أَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَيُذِيقَ بَعْضَكُم بَأْسَ بَعْضٍ﴾ [الأنعام: ٦٥]

''کہہ دو! اللہ قادر ہے اس بات پر کہ تم پر تمہارے اوپر سے کوئی عذاب بھیج دے یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے (کوئی عذاب اٹھا دے) یا تمہیں گروہ در گروہ کر کے آپس ہی میں گتھم گتھا کر دے اور ایک کو دوسرے کے تشدد کا مزا اچھی طرح چکھا دے۔''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''بالائی جانب سے عذاب سے مراد ظالم حکمران ہیں۔''❶

روئے زمین پر ہر آنے والا عذاب، جس صورت میں بھی ہو انسانوں کے برے عملوں کی وجہ سے ہوتا ہے اور یہ صورتِ حال قیامت تک رہے گی۔ قوم کے بگاڑ کی وجہ سے نازل ہونے والے عذاب کا تذکرہ کرنے کے بعد باری تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِينَ ۝﴾ [الأعراف: ١٠٣]

''تو دیکھ ان مفسدوں کا کیا انجام ہوا۔''

اللہ تعالیٰ کی طرف سے فسادیوں کو سب سے بڑی سزا یہ ہوتی ہے کہ وہ انہیں سرکشی میں بڑھا دے اور ان کے عمل درست نہ ہوں۔

ارشاد احکم الحاکمین ہے:

---

❶ تفسیر ابن جریر ج ١١: ص ٤١٧۔

﴿ إِنَّ اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِينَ ۝ ﴾ [یونس: ۸۱]

''اللہ فساد برپا کرنے والوں کے عمل کو نتیجہ خیز نہیں ہونے دیتا۔''

اس طرح ان کی معیشت خراب ہو جاتی ہے اور وہ ان کو اصلاح کی راہ نہیں دکھاتا جیسا کہ اہلِ مآرب کے ساتھ ہوا حالانکہ وہ اس قدر فراخ معیشت، خوش وخرم زندگی اور معاشرتی عروج پر تھے کہ اس دور میں بھی انہوں نے اتنا بڑا ڈیم بنا دیا تھا کہ وہ بنجر زمین کو سیراب کر لیتے تھے۔ جب انہوں نے دعوتِ حق سے رخ موڑ لیا اور انہوں نے فساد برپا کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہی ڈیم ان پر مسلط کر دیا اور انہیں کئی قوموں میں تقسیم کر کے رکھ دیا۔ اس واقعہ کی اہمیت کے پیشِ نظر اسے قرآن مجید میں ذکر کیا جا رہا ہے۔

﴿ لَقَدْ كَانَ لِسَبَإٍ فِي مَسْكَنِهِمْ آيَةٌ ۖ جَنَّتَانِ عَن يَمِينٍ وَشِمَالٍ ۖ كُلُوا مِن رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوا لَهُ ۚ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَرَبٌّ غَفُورٌ ۝ فَأَعْرَضُوا فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ وَبَدَّلْنَاهُم بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَيْ أُكُلٍ خَمْطٍ وَأَثْلٍ وَشَيْءٍ مِّن سِدْرٍ قَلِيلٍ ۝ ذَٰلِكَ جَزَيْنَاهُم بِمَا كَفَرُوا ۖ وَهَلْ نُجَازِي إِلَّا الْكَفُورَ ۝ ﴾

[السبا: ۱۵۔ ۱۷]

''اور اہلِ سبا کے لئے بھی ان کے مسکن میں بہت بڑی نشانی موجود تھی، دائیں بائیں دونوں جانب باغوں کی دو قطاریں۔ اپنے رب کے بخشے ہوئے رزق سے متمتع ہو اور اس کے شکر گزار رہو۔ زمین شاداب وزرخیز اور پروردگار بخشنے والا ہے، پھر انہوں نے سرتابی کی تو ہم نے ان پر بند کا سیلاب بھیج دیا اور ان کے باغوں کو دو ایسے باغوں سے بدل دیا جن میں بدمزا پھل والے درخت، جھاؤ اور بیری کی کچھ جھاڑیاں رہ گئیں۔ یہ ہم نے ان کی ناشکری کا بدلہ دیا اور ہم برا بدلہ ناسپاسوں ہی کو دیا کرتے ہیں۔''

فرعون چونکہ پہلے فساد و بگاڑ پر تلا رہا اس لئے جب اس نے موت کے وقت حق کو دیکھ لیا اور ایمان لے آیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے مسترد کر دیا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ۝ ﴾ [یونس:۹۱]

''کیا اب؟ حالانکہ تم نے اس سے پہلے نافرمانی کی اور تم فساد برپا کرنے والوں میں سے تھے۔''

کبھی کبھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے سزا کا طریق کار یہ ہوتا ہے کہ لوگوں کو مال و دولت اور طاقت دے کر مہلت دے دی جاتی ہے۔

﴿سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ وَ اُمْلِيْ لَهُمْ ۚ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ۝ ﴾ [الاعراف: ۱۸۲۔۱۸۳]

''ہم انہیں وہاں سے داؤ پر لے جا رہے ہیں جہاں سے انہیں علم نہیں اور میں انہیں ڈھیل دیے جا رہا ہوں کیونکہ میری تدبیر بہت ہی محکم ہے۔''

نیز فرمایا:

﴿ اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّ بَنِيْنَ ۝ نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرٰتِ ۭ بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ۝ ﴾ [المؤمنون: ۵۵۔۵۶]

''کیا یہ سمجھتے ہیں کہ ہم جو ان کے مال اور بیٹوں میں اضافہ کر رہے ہیں تو ان کے لئے بھلائی میں اضافہ کر رہے ہیں بلکہ ان کو اصل حقیقت کا ادراک نہیں ہو رہا ہے۔''

قرآن و حدیث میں بیان کردہ انواع عذاب کو تفصیل سے ذکر کیا جائے تو بات بہت لمبی ہو جائے گی۔

امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''دنیا و آخرت کی ہر مصیبت اور تکلیف کا سبب لوگوں کے جرائم اور باری تعالیٰ کے احکام کی مخالفت ہے۔''[1]

لہٰذا اس جہاں میں جرائم اور اس کے اسباب کے علاوہ کوئی چیز بھی بری نہیں ہے۔

---

[1] مدارج السالکین: ج۱: ص۴۲۴۔

جب بگاڑ ختم ہوگیا، شرک جاتا رہا، باطل کا قلع قمع ہوگیا، بدعات وخرافات مٹ گئیں، لوگوں کا باہمی شر وفساد ختم ہوگیا جس میں قتل وغارت، آبروریزی، مال ودولت کی لوٹ کھسوٹ جیسے جرائم آتے ہیں یہ ختم ہوگئے تو برائی کا کام تمام ہوگا پھر سوچ کو تحفظ ملے گا عزتیں محفوظ ہوں گی۔ مال ودولت صحیح وسالم رہیں گے، نیکی اور اچھائی کا چرچا ہوگا۔ لوگ ایک دوسرے کے لئے امن وسلامتی کا گہوارہ بن جائیں گے اور باہم شیر وشکر ہوکر زندگی بسر کریں گے۔

جب بگاڑ ختم ہوگا تو لوگ اللہ کے عذاب سے محفوظ ہو جائیں گے، اس کے انتقام سے بچ جائیں گے، وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب اور دیگر انسانوں کی تکلیف سے بے خطر ہوں گے۔ جیسا کہ اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

﴿فَأَيُّ الْفَرِيقَيْنِ أَحَقُّ بِالْأَمْنِ ۖ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُم بِظُلْمٍ أُولَٰئِكَ لَهُمُ الْأَمْنُ وَهُم مُّهْتَدُونَ ۝﴾

[الأنعام:۸۱۔۸۲]

”تو دونوں گروہوں میں سے امن واطمینان کا زیادہ حق دار کون ہے؟ اگر تم جانتے ہو، جولوگ ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کو شرک سے آلودہ نہیں کیا وہی لوگ ہیں جن کے لئے امن وچین ہے اور وہی ہدایت یافتہ ہیں۔“

اللہ تعالیٰ نے نیک بندوں سے خوف کو امن سے بدلنے کا وعدہ فرمایا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿وَلَيُبَدِّلَنَّهُم مِّن بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا﴾ [النور: ۵۵]

”اور وہ ان کی اس خوف کی حالت کے بعد اس کو امن سے بدل دے گا۔“

صدیوں تک نیک لوگ امن وسلامتی میں رہے پھر لوگوں نے دعوت سے رُخ پھیر لیا تو رحمتِ باری تعالیٰ نے بھی ان سے کنارہ کشی کرلی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ظلم وزیادتی، تباہی وبربادی اور لاقانونیت عام ہوگئی اور پھر جو کچھ ہوا وہ کسی سے مخفی نہیں ہے۔

(۴) برکتوں کا نزول:

دعوتِ دین کا ایک فائدہ یہ ہے کہ اس سے خیر وبرکت نازل ہوتی ہے۔ جہاں ایک

طرف دعوت إلی اللہ کو تسلیم کرنے سے امن وسلامتی، انسانوں کی اصلاح، جان ومال اور عزت کو تحفظ ملتا ہے وہاں اللہ رب العزت نے دعوتِ حق کو قبول کرنے والوں پر خیر وبرکت نازل کرنے کا وعدہ فرمایا ہے۔

رب العزت کا فرمان ہے:

﴿وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَىٰ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِم بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ وَلَٰكِن كَذَّبُوا فَأَخَذْنَاهُم بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ﴾ [الأعراف: ٩٦]

''اور اگر بستیوں والے ایمان لاتے اور تقوی اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان وزمین کی برکتوں کے دروازے کھول دیتے لیکن انہوں نے جھٹلایا تو ہم نے ان کی کرتوتوں کی پاداش میں ان کو پکڑ لیا۔''

نیز فرمایا:

﴿وَأَن لَّوِ اسْتَقَامُوا عَلَى الطَّرِيقَةِ لَأَسْقَيْنَاهُم مَّاءً غَدَقًا﴾ [الجن: ١٦]

''اور اگر یہ سیدھی راہ پر گامزن رہتے تو ہم ان کو خوب سیراب کرتے۔''

امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''جس قدر عدل وانصاف کا بول بالا ہوگا اسی قدر یہ برکتیں حاصل ہوں گی رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ ''بدکار آدمی کی موت سے انسانوں، شہروں، حیوانوں اور درختوں کو آرام ملتا ہے۔'' [1]

حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو دعوت دیتے ہوئے اور انہیں اس کی قبولیت پر آمادہ کرتے ہوئے فرمایا:

﴿فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ إِنَّهُ كَانَ غَفَّارًا ۝ يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُم مِّدْرَارًا ۝ وَيُمْدِدْكُم بِأَمْوَالٍ وَبَنِينَ وَيَجْعَل لَّكُمْ جَنَّاتٍ وَيَجْعَل لَّكُمْ أَنْهَارًا﴾

[نوح: ١٠ - ١٢]

---

[1] تفسير ابن كثير ج٣ ص ٤٤٥۔ بخاري: ٦٥١٢۔ مسلم: ٩٥٠۔

''پھر میں نے کہا! اپنے ربّ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگو! بیشک وہ بڑا ہی بخشنے والا ہے، وہ تم پر اپنے ابرِ رحمت برسانے گا، اور مال اور بیٹوں سے تمہیں فروغ بخشے گا اور تمہارے لئے باغات پیدا کرے گا اور تمہارے لئے نہریں جاری کرے گا۔''

امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''گناہوں کو چھوڑنے سے زمین وآسمانوں کی برکتیں حاصل ہوتی ہیں، گویا دعوت اِلی اللہ کو تسلیم کرنا اور رحمت کا نزول ایک ہی چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے رسول بھیج کر عام انسانوں کو بالعموم اور دعوت قبول کرنے والوں کو بالخصوص رحمت سے نوازا ہے۔'' ❶

ارشادِ ربّ العزت ہے:

﴿ وَمَآ أَرْسَلْنَٰكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَٰلَمِينَ ﴾ [الأنبياء: ١٠٧]

''اور ہم نے تمہیں تو اہلِ عالم کے لئے صرف رحمت بنا کر بھیجا ہے۔''

نیز فرمایا:

﴿ إِنَّ فِى ذَٰلِكَ لَرَحْمَةً وَذِكْرَىٰ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴾ [العنکبوت: ٥١]

''بیشک اس میں رحمت اور یاددہانی ہے ان لوگوں کے لئے جو ایمان لائیں۔''

مزید فرمایا:

﴿ هَٰذَا بَصَآئِرُ مِن رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴾

[الأعراف: ٢٠٣]

''یہ تمہارے ربّ کی طرف سے آنکھیں کھولنے والی آیات اور رحمت وہدایت ہے ان لوگوں کے لئے جو ایمان لائیں۔''

حضرت نوح علیہ السلام کے متعلق بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

❶ تفسیر ابن کثیر: ج۳، ص ٤٤٥۔

﴿ اَوَ عَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ وَ لِتَتَّقُوْا وَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴾ [الأعراف: ٦٣]

''کیا تمہیں یہ بات عجیب معلوم ہوئی کہ تمہارے پاس تمہارے ربّ کی یاد دہانی تمہی میں سے ایک شخص کے ذریعے سے آئی ہے تاکہ وہ تمہیں باخبر کرے اور تاکہ تم ڈرو اور تم پر رحم کیا جائے۔''

مسلمان جب تک راہِ حق پر گامزن رہے ان پر انعام ہوتا رہا اور ان کا مال اس قدر بڑھ گیا کہ اکثر علاقوں میں مال و دولت کی فراوانی کی وجہ سے کوئی شخص صدقہ نہیں لیتا تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے یہ حکم دیا کہ بچنے والے مال سے عوام الناس کی سہولت کے لئے مسافر خانے اور سڑکیں تعمیر کی جائیں۔ ❶

پوری انسانی تاریخ میں پہلی مرتبہ اسی دور میں ذمیوں کو زراعت کے لئے قرض دیا گیا۔ ❷

(۵) لوگوں میں اُخوت اور امن و سلامتی کا قیام:

دعوت الی اللہ کا ایک بہت بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس سے لوگوں میں اخوت و محبت، ایک دوسرے سے تعارف اُلفت و شفقت، باہمی تعاون اور امن و سلامتی کا چرچا ہوتا ہے۔ بالفاظِ دیگر اقوام و مذاہب میں دعوت کے عام ہونے سے ان میں اتحاد و یگانگت پیدا ہوتی ہے وہ ایک جھنڈے کے نیچے، ایک صف میں، ایک دوسرے کے بھائی بھائی بن جاتے ہیں۔ ان میں کینہ عداوت نہیں رہتی وہ ایک دوسرے سے محبت، اخوت اور سلامتی کے علمبردار بن جاتے ہیں۔

ربّ العالمین کا فرمان ہے:

﴿ وَ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا ﴾ [آل عمران: ١٠٣]

❶ ملامح الانقلاب الاسلامي في خلافة عمر بن عبد العزيز: ٨٥، ١٢٧.

❷ أيضاً ص: ١٣٦.

''اور اپنے اوپر اللہ کے اس فضل کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں کو ایک دوسرے کے ساتھ جوڑ دیا اور تم اس کے فضل سے بھائی بھائی بن گئے۔''

باہمی تعاون کے بارہ میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ ۖ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۚ﴾ [المائدۃ : ۲]

''اور تم نیکی اور تقویٰ میں ایک دوسرے کا تعاون کرو، گناہ اور ظلم وزیادتی میں تعاون نہ کرو۔''

بنی نوع انسان میں ہمدردی کے بارہ میں ارشاد ہے:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ﴾ [الأنبياء : ۱۰۷]

''اور ہم نے آپ کو تو اہلِ عالم کے لئے صرف رحمت بنا کر بھیجا ہے۔''

وقال ﷺ: "الرَّاحِمُونَ يَرْحَمُهُمُ الرَّحْمٰنُ، اِرْحَمُوا مَنْ فِي الْأَرْضِ يَرْحَمْكُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ"❶

''جو لوگ رحم کرنے والے ہیں رحمان ان پر مہربانی فرماتا ہے، تم اہلِ زمین پر رحم کرو آسمان والا تم پر مہربان ہوگا۔''

انسانوں کے باہمی تعارف کے بارہ میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا ۚ﴾ [الحجرات : ۱۳]

''اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہیں کنبوں اور قبیلوں میں تقسیم کیا ہے کہ تم ایک دوسرے کا تعارف حاصل کرو۔''

مسلمانوں کی باہمی الفت ومحبت کے بارہ میں ارشاد ہے:

---

❶ ابو داؤد: ۴۹۴۱ ۔ ترمذی: ۱۹۲۴ ۔

﴿ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمَٰنُ وُدًّا ﴾

[مريم : ٩٦]

" جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کیے ان کے لئے رحمان مہر و محبت پیدا کر دے گا۔"

نیز فرمایا:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَن يَرْتَدَّ مِنكُمْ عَن دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِينَ ﴾

[المائدة : ٥٤]

" اے ایمان والو! جو تم میں سے اپنے دین سے پھر جائے گا تو (اللہ تعالیٰ کو کوئی پرواہ نہیں) وہ جلد ایسے لوگوں کو اٹھائے گا جن سے وہ محبت کرے گا اور وہ اس سے محبت کریں گے وہ مسلمانوں کے لئے نرم مزاج اور کافروں کے مقابلے میں سخت ہوں گے۔"

مسلمانوں کی باہمی اخوت کے بارہ میں ارشاد ہے:

﴿ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ ﴾ [الحجرات : ١٠]

"مسلمان ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔"

"وَكُونُوا عِبَادَ اللَّهِ إِخْوَانًا"❶

"تم اللہ کے بندے بھائی بھائی بن کر رہو۔"

صلح و آشتی کے بارہ میں ارشاد ہے:

﴿ وَإِن جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ﴾ [الأنفال :٦١]

"اور اگر وہ مصالحت کی طرف جھکیں تو تم بھی اس کے لئے جھک جاؤ اور اللہ پر بھروسہ رکھو۔"

---

❶ بخاری: ٦٠٦٤۔ مسلم: ٢٥٦٤۔

اس بات کی صداقت کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ جب دعوت اسلامی مشرق و مغرب میں پھیل گئی تو طویل مسافت کے باوجود قومیں ایک دوسرے سے متعارف ہوئیں، طبیعت اور مزاج کے اختلاف کے باوصف ان کے دل ایک دوسرے کے لئے وسعت پذیر ہوئے، ان کی ثقافتیں جدا جدا ہونے کے باوجود وہ ایک دوسرے سے مانوس ہوئے، رنگ اور جنس کے مختلف ہوتے ہوئے وہ باہم متحد ہو گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی باہمی دشمنی اور عداوت، محبت واخوت میں تبدیل ہو گئی اور وہ اللہ کے بندے بھائی بھائی بن گئے اب وہ ایک دوسرے کو اچھی باتوں کی تلقین کرتے ہیں، ایک دوسرے کا دفاع کرتے ہیں، جبکہ اس سے پہلے وہ ایک دوسرے کے جانی دشمن تھے۔

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿وَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ ۚ لَوْ أَنفَقْتَ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مَّا أَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ أَلَّفَ بَيْنَهُمْ ۚ﴾ [الأنفال: ٦٣]

''اور اس نے ان کے دلوں کو باہم جوڑا اور تم زمین میں جو کچھ ہے سب خرچ کر ڈالتے تو بھی ان کے دلوں کو باہم نہیں جوڑ سکتے تھے لیکن اللہ تعالی نے انہیں جوڑ دیا۔''

لیجیے! امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رحمہ اللہ فقہ کے امام ہیں، مشرق سے مغرب تک لوگ فقہ میں ان پر اعتماد کرتے ہیں حالانکہ وہ عربی النسل نہیں ہیں۔ لوگ عرب و عجم مختلف نسلوں سے تعلق رکھنے کے باوجود ان کے مسلک کو اپناتے ہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ بخارا سے ہیں، یہ علاقہ عرب سے انتہائی دور ہے۔ وہ حدیث نبوی میں پوری دنیا کے امام ہیں، عجموں سے پہلے عرب ان سے علم حاصل کرتے ہیں۔ پوری امت کو ان کی کتابوں کی ضرورت ہے۔ طارق بن زیاد نہ صرف اپنی قوم ''بربر'' کا لیڈر تھا بلکہ وہ عربوں کا بھی قائد تھا۔ ان سب لوگوں کو یہ مقام دعوت اسلام قبول کرنے کے ذریعے حاصل ہوا ہے۔ ان کے علاوہ بھی ہزاروں اہل علم، قائد اور گورنر ہیں جو مختلف علاقوں اور مختلف دشمن

قبیلوں سے تعلق رکھتے تھے لیکن وہ دعوتِ اسلام کو قبول کرنے کے بعد باہم متعاون اور شیر و شکر ہو گئے۔ لاکھوں کی تعداد میں مختلف قومیں جو اپنی ذات پات، زبان، ثقافت و تہذیب اور دین و مذہب میں بالکل مختلف تھے وہ اسلامی دعوت پھیلنے کے ذریعے ایک قوم بن گئے۔ ان کی ثقافت ایک ہو گئی وہ تقریباً ایک ہی زبان بولنے لگ گئے۔ ان کے دلوں میں اُلفت اور صفوں میں وحدت پیدا ہو گئی یہ سب اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی صداقت ہے۔

﴿ وَإِنَّ هَٰذِهِۦٓ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَٰحِدَةً وَأَنَا۠ رَبُّكُمْ فَٱتَّقُونِ ۝ ﴾

[المؤمنون : ٥٢]

"اور یہ تمہاری امت ایک ہی امت ہے اور میں تمہارا رب ہوں لہٰذا تم مجھ سے ڈرتے رہو۔"

(٦) دنیا و آخرت کی سعادت مندی:

جب مخلوق راہ حق پا لیتی ہے تو وہ اپنے خالق کے حقوق سے آشنا ہو جاتی ہے۔ اپنے ساتھ رہنے والے عزیز و اقارب، دوستوں اور ہمسایوں کے حقوق سے واقف ہو جاتی ہے۔ جو شخص حقوق و فرائض معلوم کر لینے کے بعد انہیں صحیح طور سے ادا کرنے لگ جائے وہ لوگوں سے محفوظ اور لوگ اس سے محفوظ ہو جاتے ہیں۔ اسے اپنا حق مل جاتا ہے اور لوگ اپنے حقوق لے لیتے ہیں۔ جب یہ صورتِ حال ہو جائے تو پوری انسانیت سعادت مند ہو جاتی ہے نہ انہیں کوئی خوف ہوتا ہے اور نہ ان کی زندگی ناخوشگوار۔

انسان کی سعادت تین چیزوں میں ہوتی ہے۔

۱: دل کی خوشی و مسرت ۲: معیشت کی خوشگواری

۳: انجام اور آخرت کی بہتری

دعوت الی اللہ کو تسلیم کرنے کا سب سے بڑا فائدہ ہی یہ ہے کہ اس سے یہ سب چیزیں پوری مخلوق کو حاصل ہو جاتی ہیں۔ جو شخص اپنے رب کو پہچان لے، اپنے خالق کی بات مان لے، اس پر توکل کرے اس کی قضاء و قدر پر خوش ہو جائے اور یقین کر لے کہ ہر چیز اس کے

اختیار میں ہے اور ہر چیز پر اس کا حکم عدل وانصاف کے ساتھ جاری وساری ہے وہ جس حال میں بھی ہو اور جو بھی فیصلہ اس کے لئے صادر ہو اس کے دل میں یقین اور راحت وسکون پیدا ہو جاتا ہے۔ وہ ایسے ہو جاتا ہے جیسے وہ محلات کا باسی اور جنتوں کا سیاح ہے، یہی دل اور روح کی سعادت ہے۔ اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ تَطْمَىِٕنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ؕ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَىِٕنُّ الْقُلُوْبُ۝﴾ [الرعد: ٢٨]

"جو لوگ ایمان لاتے ہیں، اور جن کے دل اللہ کے ذکر سے مطمئن ہوتے ہیں، سن لو کہ اللہ کے ذکر ہی سے دلوں کو طمانیت حاصل ہوتی ہے۔"

اس آیت میں ذکر سے مراد صرف زبانی ذکر ہی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی خشیت، اس کی اطاعت، اس کے احکام کی پاسداری اور قرآنِ مجید پر عمل پیرا ہونا مقصود ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَهٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ اَنْزَلْنٰهُ ؕ اَفَاَنْتُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ۝﴾ [الأنبياء: ٥٠]

"اور یہ بھی ایک بابرکت یاد دہانی ہے جو ہم نے نازل فرمائی ہے تو کیا تم اس کے منکر ہی بنے رہو گے۔"

نیز فرمایا:

﴿وَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ﴾ [النحل: ٤٤]

"یہ ذکر ہم نے آپ کی طرف اتارا ہے کہ لوگوں کی جانب جو نازل فرمایا گیا ہے آپ اسے کھول کھول کر بیان کر دیں۔"

اور فرمایا:

﴿اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ ۖ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ۚ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَ قُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ﴾

[الزمر: ٢٣]

"اللہ نے بہترین کلام ایسی کتاب کی صورت میں اتارا ہے جس کی آیات ایک دوسرے سے ملتی جلتی اور بار بار پڑھی جاتی ہیں جو اپنے رب سے ڈرنے والے ہیں اس کی تلاوت سے ان کے بدن اور ان کے دل نرم ہو کر اللہ کے ذکر کی طرف جھک پڑتے ہیں۔"

اس کے ذریعے دل کی دنیا آباد ہو جاتی ہے، جو شخص دعوت إلی اللہ کو قبول کرتا ہے اسے حلال وحرام کی پہچان ہو جاتی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود کے پاس آ کر رک جاتا ہے، وہ امانت ادا کرتا ہے، تجارت میں راست باز ہوتا ہے، اپنے وعدوں اور معاہدوں کو پورا کرتا ہے، وہ کسی شخص کے مال ودولت اور عزت کو ہاتھ نہیں لگاتا، وہ اپنے واجبات ادا کرتا اور حقوق لیتا ہے اور اسلام کے عظیم اخلاق کو اپناتا ہے۔

یہی دنیا کی زندگی کی سعادت ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿أَوَمَن كَانَ مَيْتًا فَأَحْيَيْنَاهُ وَجَعَلْنَا لَهُ نُورًا يَمْشِي بِهِ فِي النَّاسِ كَمَن مَّثَلُهُ فِي الظُّلُمَاتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا﴾ [الأنعام: ١٢٢]

"کیا وہ شخص جو مردہ تھا، ہم نے اسے زندہ کر دیا، اور ہم نے اسے ایک روشنی بخشی جسے لے کر وہ لوگوں میں چلتا ہے، اس شخص کی مانند ہے جو تاریکیوں میں پڑا ہوا ہے، ان سے نکلنے والا نہیں ہے؟"

جو شخص دعوت إلی اللہ کو مان لے وہ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کر لیتا ہے، دوزخ سے نجات پا لیتا اور جنت کے حصول میں کامیاب ہو جاتا ہے اور یہی حقیقی اور دائمی سعادت ہے۔

اللہ رب العزت کا فرمان ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ﴾

[الأنفال: ٢٤]

"اے ایمان والو! اللہ اور رسول کی دعوت کو مانو جبکہ رسول تمہیں اس چیز کی دعوت دے رہا ہے جو تمہیں زندگی بخشنے والی ہے۔"

امام بخاری ؒ اس کی تفسیر اس طرح کرتے ہیں کہ "تم ان باتوں کو مانو جن میں تمہاری دنیا و آخرت کی بہتری ہے۔" ❶

اس سے یہ بات آشکار ہوئی کہ دعوت الی اللہ کو ماننے سے اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت دونوں جہاں میں خوشگوار زندگی عطا فرماتا ہے جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهُ حَيَاةً طَيِّبَةً ۖ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ [النحل : ۹۷]

"جو شخص بھی نیک عمل کرے گا خواہ مرد ہو یا عورت اور وہ ایمان پر ہے ہم اسے ایک پاکیزہ زندگی بسر کرائیں گے اور ہم انہیں جو کچھ وہ کرتے رہے اس کا بہتر صلہ دیں گے۔"

یہ بات تاریخ اسلام کے کئی ادوار میں کھل کر سامنے آئی ہے کہ جب مسلمانوں نے صدقِ دل سے دینِ اسلام کو اپنایا تو سعادت مندی ان کے دلوں میں جاگزیں ہوگئی۔ ان کی معیشت خوشحال ہوئی، ان کی سرزمین میں عدل وانصاف کا بول بالا ہوا جب کہ پروردگار کے وعدے تو وہ حاصل کریں ہی کریں گے۔

﴿وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا﴾

[الفتح : ۲۹]

"اللہ نے ان لوگوں سے جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کیے مغفرت اور ایک اجرِ عظیم کا وعدہ کیا ہے۔"

---

❶ فتح الباری: ج۷: ص۳۰۷۔

بابِ دوم

دعوتِ دین کے تین ارکان

بابِ دوم

دعوتِ دین کے تین ارکان

اس باب میں تین فصلیں ہیں:

دعوت الی اللہ کے پانچ عناصر ہیں۔

(۱)...... مضمون۔ (۲)...... داعی۔ (۳)...... مدعوین۔ (۴)...... منہجِ دعوت

(۵)...... اندازِ بیان

یہ وہ عناصر ہیں جن کے بغیر عملِ دعوت نہ قیام پذیر ہوتا ہے اور نہ کامیابی سے ہمکنار۔ جس قدر یہ عناصر صحیح اور کامیاب ہوں گے اسی قدر نتائج زیادہ مفید اور بارآور ہوں گے۔ مضمون کے علاوہ باقی میں سے ہر عنصر کو مستقل فصل میں بیان کیا جائے گا جبکہ مضمون کسی اور موقع پر بیان ہوگا۔

فصل 1

داعی کی شخصیت

اس میں دو مضمون ہیں:

(۱) داعی اور اس کا مقام

ان عناصر میں سب سے زیادہ اہم عنصر "داعی" ہے۔ یہ دعوت دین کی بنیاد ہے، اس کا مقام ومرتبہ انتہائی اہم اور نازک ہے۔ وہ کائنات کا عظیم ترین پیغام پہنچانے میں انبیاء کا نائب ہے۔ اسے عظیم کام کے لئے ایک عظیم ہستی نے بھیجا ہے پھر اس کا مقام بلند کیوں نہ ہو اس کی شان عظیم کیوں نہ ہو۔

داعی کی اہمیت کا راز یہ ہے کہ وہ مدعوّین کے لئے نمونہ ہے۔ اکثر مدعوّین بات کی بجائے عمل سے متاثر ہوتے ہیں اور ان میں سے زیادہ تر سننے کی بجائے دیکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ رسالت کی ذمہ داری ایسے شخص کو دیتے ہیں جو صداقت اور اخلاق میں سب سے افضل ہو اور سب انسانوں میں قربانی دینے اور عقل وفہم میں برتر ہو۔

فرمانِ ربّ العزت ہے:

﴿وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ﴾ [القصص: ٦٨]

"اور تیرا رب جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور جو چاہتا ہے پسند کرتا ہے۔"

یعنی جو وقت، جو جگہ اور جو اشخاص چاہتا ہے منتخب کرتا ہے۔ ارشادِ ربّ العالمین ہے:

﴿اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ﴾ [الحج: ٧٥]

"اللہ فرشتوں میں سے بھی اپنے پیغمبر چنتا ہے جس طرح انسانوں میں سے چنتا ہے۔"

لغت میں "اصطفاء" کا معنی منتخب کرنا ہے اور انتخاب ہمیشہ پسندیدہ چیز کا ہوتا ہے۔

مشہور مفسّر ابنِ سعدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں اور انسانوں میں سے ایسے افراد کو پیغمبر منتخب فرماتے ہیں جو اپنی نوع میں پاکیزہ ترین ہوں۔ صفاتِ کمال سے موصوف اور لائقِ انتخاب ہوں۔ لہٰذا تمام رسول پوری مخلوق میں سے منتخب کردہ ہوتے ہیں۔ ❶

اللہ تعالیٰ ان سے صادر ہونے والے عملوں کو بھی ان کی رسالت کا تکملہ بنادیتا ہے اور لوگوں کو ان کی اقتداء کا حکم دیتا ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ [الأحزاب: ۲۱]

''اور تمہارے لئے اللہ کے رسول کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے۔''

نیز فرمایا:

﴿فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ﴾ [الأنعام: ۹۰]

''تم بھی انہی کے طریقے کی پیروی کرو۔''

اس لئے انبیاء علیہم السلام کے تمام کام وحی کا حصہ اور اس کا تکمیلی جز ہیں۔ انبیاء کو داعی بنا کر ان کی اقتدا کا اس لئے حکم دیا گیا ہے کہ داعی کی شخصیت، اس کی خوبیوں اور اُسلوب کا مدعوین پر گہرا اثر ہوتا ہے۔ لوگ داعی کی شخصیت، اُسلوب، اخلاق اور لین دین سے اس کے علم اور تبلیغ کی نسبت کہیں زیادہ متاثر ہوتے ہیں۔ اکثر اوقات یہی تاثر انہیں اس کے افکار کو تسلیم کرنے اور کسی اعتراض اور لیت ولعل کے بغیر اس کی دعوت قبول کرنے کے لئے مجبور کرتا ہے۔

داعی جس قدر اچھی خوبیوں سے موصوف ہوگا اسی قدر اس کی دعوت زیادہ مؤثر اور لوگوں میں اس کی پذیرائی زیادہ ہوگی۔ داعی کے لئے ضروری ہے کہ اس کی کچھ خاص خوبیاں اور کچھ امتیازات ہوں، وہ مخصوص عادات کا پابند ہو اور قابلِ قدر تصرفات کا حامل ہو، تاکہ وہ مدعوین کو متاثر کرے اور اس کی دعوت بار آور ثابت ہو وگرنہ عملی دعوت پر اس کے منفی

❶ تيسير الكريم الرحمن في تفسير كلام المنان: سورة الحج: آية ۷۵۔

اثرات مرتب ہوں گے۔

آئندہ سطروں میں داعی کی اہم خوبیاں بیان کی جا رہی ہیں۔

(۴) داعی کی خوبیاں

(۱) اخلاص وتقویٰ:

دین کی دعوت کوئی عام دعوت نہیں ہے کہ انسان اس پر یقین رکھنے، اس کے ساتھ مخلص ہونے اور صدقِ دل سے اس پر عمل پیرا ہوئے بغیر اس پر گفتگو کرتا چلا جائے۔ یہ تو اہلِ دعوت کے لئے تقویٰ، اخلاصِ نیت اور صداقت کو شرط قرار دیتی ہے تاکہ وہ اپنے مشن میں کامیاب بھی ہوں اور اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا ثواب بھی حاصل کریں۔ اسلام کے ہر عمل میں یہ باتیں شرط ہیں ان عملوں میں سرِ فہرست کارِ دعوت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿ أَلَا لِلَّهِ الدِّينُ الْخَالِصُ ﴾ [الزمر : ۳]

''یاد رکھو کہ اطاعتِ خالص کے لائق اللہ تعالیٰ ہی ہے۔''

نیز فرمایا:

﴿ قُلْ إِنِّي أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ اللَّهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّينَ ﴾ [الزمر : ۱۱]

''کہہ دو کہ مجھے تو حکم ملا ہے کہ میں اللہ ہی کی بندگی کروں اسی کی خالص اطاعت کے ساتھ۔''

داعی کے لئے تقویٰ اتنا ہی ضروری ہے جتنا کہ درخت کے لئے پانی اور جسم کے لئے روح۔ تقویٰ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دین پر ظاہر وباطن دونوں طرح عمل پیرا ہو۔ بالخصوص اپنی دعوت کے نکات پر عمل کرے۔ اگر کوئی شخص اپنی دعوت پر خود عمل نہیں کرتا تو وہ اللہ کی توفیق سے محرومی اور عمل کی نا قبولیت ہی کے لئے لائق ہے۔

ارشادِ ربانی ہے:

﴿ إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ ﴾ [المائدۃ : ۲۷]

''اللہ تو صرف اپنے متقی بندوں کی قربانی قبول کرتا ہے۔''

تقویٰ کی اہمیت کے پیش نظر سورۂ احزاب کے آغاز میں سالارِ قافلۂ دعوت کو اسے اپنانے کا الگ سے حکم دیا گیا ہے۔

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللَّهَ وَلَا تُطِعِ الْكَافِرِينَ وَالْمُنَافِقِينَ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا﴾ [الأحزاب: ١]

"اے نبی! اللہ سے ڈرو اور کافروں اور منافقوں کی باتوں پر کان نہ دھرو، بے شک اللہ علم والا اور حکمت والا ہے۔"

اگرچہ یہ ساری اُمت سے مطلوب ہے لیکن کلام کا رخ آپ ﷺ کی طرف ہونے سے یہ بات معلوم ہو رہی ہے کہ یہ آپ سے بطور خاص مطلوب ہے۔

تقویٰ ہی کے ذریعے گفتار و کردار کی اصلاح کی توفیق نصیب ہوتی ہے۔ خالق کائنات ارشاد فرماتا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ۝ يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۗ وَمَن يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا﴾

[الأحزاب: ٧٠-٧١]

"اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور درست بات کہو اللہ تمہارے اعمال سدھارے گا اور تمہارے گناہوں کو بخشے گا اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے رہیں گے انہوں نے بہت بڑی کامیابی حاصل کی۔"

تقویٰ کے ذریعے اللہ تعالیٰ داعی کو حق و باطل میں امتیاز کا ملکہ عطا فرماتے ہیں اس کے ذریعے اسے دعوتی تنگنائیوں سے چھٹکارا ملتا ہے، اس کی لغزشوں سے درگزر اور گناہوں کو معاف کیا جاتا ہے۔

ارشاد رب العزت ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَتَّقُوا اللَّهَ يَجْعَل لَّكُمْ فُرْقَانًا وَيُكَفِّرْ عَنكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ﴾ [الأنفال: ٢٩]

''اے ایمان لانے والو! اگر تم اللہ سے ڈرتے رہو تو وہ تمہارے لئے فرقان نمایاں کر دے گا اور تم سے تمہارے گناہ صاف کر دے گا اور تمہاری مغفرت فرمائے گا اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔''

ان تمام چیزوں کے ساتھ ساتھ تقویٰ کا مدعوین پر بھی گہرا اثر ہوتا ہے۔ لوگوں کی فطرت یہ ہے کہ وہ سچے آدمی کی بات مانتے ہیں اور جھوٹے سے نفرت کرتے ہیں جبکہ ان کے ہاں سچ اور جھوٹ کا معیار داعی کے عمل کے علاوہ کچھ اور نہیں ہوتا۔ داعی کی دعوت پر عمل کرنے سے لوگوں کو دعوت کے صحیح اور داعی کے سچا ہونے کا سبق ملتا ہے اور وہ ان کے ہاں مقبول ہو جاتا ہے۔

جبکہ داعی کے بے عمل ہونے سے لوگوں کے دلوں میں دعوت کے غلط ہونے اور داعی کے جھوٹا ہونے کا خیال آتا ہے اور یہ چیز ان کے دلوں میں نفرت اور حقارت پیدا کرتی ہے۔ انبیاء علیہم السلام اس چیز کا بہت زیادہ خیال رکھتے تھے۔ دیکھیے حضرت شعیب علیہ السلام اپنی قوم سے کہہ رہے ہیں:

﴿وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَآ اَنْهٰىكُمْ عَنْهُ ۭ﴾ [هود: ٨٨]

''اور میں یہ نہیں چاہتا کہ تمہاری مخالفت کر کے وہی چیز خود اختیار کروں جس سے میں تمہیں منع کرتا ہوں۔''

تمام انبیاء و رسل بعثت سے پہلے ہی صداقت سے موصوف ہوتے تھے۔ ہمارے نبی ﷺ کو لقب ''امین'' کے ساتھ بعثت سے پہلے ہی آپ کو یاد کیا جاتا تھا اور یہ عرب سے مخفی نہیں تھا۔ ❶

اسی طرح قوم صالح کا ان سے طرز کلام بھی اس بات کی غمازی کرتا ہے:

﴿يٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَآ﴾ [هود: ٦٢]

''وہ بولے کہ (اے) صالح! اس سے پہلے تم ہمارے ہاں بڑی اُمیدوں کے مرکز تھے۔''

---

❶ احمد: ١٥٥٤٣۔

یہ دشمنوں کی طرف سے ان کی صداقت اور قبل از بعثت بلند مرتبہ ہونے کی گواہی ہے۔

یہ چیزیں تو مدعوین کی طرف سے حاصل ہوتی ہیں جبکہ اللہ کے ہاں دعوت کے مطابق عمل کرنے والے داعی کے لئے بہت زیادہ اجر وثواب ہے۔

''دعوت کی فضیلت'' کے عنوان میں مخلصانہ دعوت وتبلیغ کا ثواب بیان ہو چکا ہے اب اسے دہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ جہاں اللہ رب العزت نے دعوت کے مطابق عمل پیرا ہونے کو کہا ہے وہاں اس کی خلاف ورزی کرنے سے بچنے کی تلقین بھی کی ہے۔

ارشادِ ربّ العالمین ہے:

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ۝ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ۝ ﴾ [الصّف : ۲۔۳]

''اے ایمان والو! تم وہ بات کہتے کیوں ہو جو کرتے نہیں، اللہ کے نزدیک یہ بات زیادہ غصے کی ہے کہ تم وہ بات کہو جو خود کرتے نہیں۔''

نیز آپ ﷺ کا فرمان ہے: ''کہ ایک آدمی کو قیامت کے دن لایا جائے گا اسے دوزخ میں پھینک دیا جائے گا اس کی آنتیں باہر آجائیں گی اور وہ ایسے چکر کاٹے گا جیسے گدھا چکی لے کر گھومتا ہے۔ دوزخی اس کے آس پاس جمع ہوکر اس سے پوچھیں گے۔ ارے بھائی! تمہیں کیا ہوگیا؟ تم تو نیک کام کرنے اور برے کاموں سے بچنے کی تلقین کرتے تھے وہ کہے گا میں تمہیں نیکی کی تلقین کرتا تھا لیکن خود نیک کام نہیں کرتا تھا اور تمہیں برائی سے روکتا تھا اور خود اس میں ملوث تھا۔'' ❶

داعی کو پرہیز گار ہونا چاہیے تاکہ لوگ اس کی دعوت قبول کریں اور اللہ تعالیٰ اس کے عمل کو قبول کرے۔ اگر داعی پرہیز گار نہ ہو اور لوگ اس کی بات سن کر عمل بھی کرلیں تو اسے دعوت سے کیا فائدہ ہوگا؟ جب وہ قیامت کے دن خالی ہاتھ آئے گا، اللہ نے اس کے عمل کو برباد کردیا ہوگا۔ کیونکہ اس میں اخلاص اور تقویٰ نہیں تھا۔

❶ بخاری: ۳۲۶۷، ۷۰۹۸۔ مسلم: ۲۹۷۹۔

اس کے علاوہ تقویٰ اختیار کرنے سے نیکی کی مزید توفیق اور اللہ تعالیٰ کے ہاں ثواب بھی ملے گا۔ کٹھن اور مشکل اوقات میں ثابت قدم رہنے کے لیے تقویٰ بہت بڑا معاون اور دشمنوں کے چنگل سے بچنے کے لئے داعی کی مضبوط ترین زرہ ہے۔

فرمانِ ربّ العزت ہے:

﴿وَإِن تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا﴾ [آل عمران: ۱۲۰]

''اور اگر تم صبر کرو گے اور تقویٰ اختیار کرو گے تو ان کی چال تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچا سکے گی۔''

نیز فرمایا:

﴿لَتُبْلَوُنَّ فِي أَمْوَالِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِن قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا أَذًى كَثِيرًا ۚ وَإِن تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ ذَٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ﴾ [آل عمران: ۱۸۶]

''تمہارے مال اور تمہاری جان میں تمہاری آزمائش ہوتی ہے اور تمہیں ان لوگوں کی طرف سے جنہیں تم سے پہلے کتاب ملی اور ان لوگوں کی طرف سے جنہوں نے شرک کیا بہت سی تکلیف دہ باتیں سننی پڑیں گی اور اگر تم ثابت قدم رہے اور تم نے تقویٰ کو ملحوظ رکھا تو بے شک یہ چیز عزیمت کے احوال میں سے ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے صبر اور تقویٰ کو فتنوں کا مقابلہ کرنے اور حق پر ثابت قدمی کے لئے داعی کا اہم ترین اسلحہ قرار دیا ہے۔

(۴) مضمونِ دعوت کو اچھی طرح سمجھنا:

دین کے داعی کے لئے از حد ضروری ہے کہ وہ جس مضمون کو پیش کر رہا ہو اس سے متعلق بطورِ خاص اور دیگر مضامین کے بارہ میں تمام معلومات رکھتا ہو۔

ارشادِ ربّ العزت ہے:

﴿قُلْ هَٰذِهِ سَبِيلِي أَدْعُو إِلَى اللَّهِ ۚ عَلَىٰ بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي ۖ وَسُبْحَانَ اللَّهِ

وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ﴿ [یوسف: ۱۰۸]

''کہہ دو! یہ میری راہ ہے میں اللہ کی طرف پوری بصیرت کے ساتھ بلاتا ہوں میں بھی اور وہ لوگ بھی جنھوں نے میری پیروی کی ہے، اور اللہ پاک ہے اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔''

بصیرت عام معلومات سے ہٹ کر ایک خاص چیز ہے اس میں دلیل، گہرا ادراک، فہم و فراست، بات کے واضح ہونے اور اس پر یقین ہونے کے اضافی معنی شامل ہیں۔ ❶

بصیرت کا ایک پہلو یہ ہے کہ داعی انجام ہائے کار سے آگاہ ہو، کہی جانے والی باتوں اور اپنے تصرفات کے نتائج سے غافل نہ ہو۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: علم، نرمی اور صبر یہ تین چیزیں داعی کے لئے از حد ضروری ہیں۔ دعوت سے پہلے علم، دعوت دیتے وقت نرمی اور اس کے بعد صبر۔

اگرچہ یہ تینوں چیزیں کچھ صورتوں میں ایک ساتھ بھی رہتی ہیں۔

قاضی ابویعلی رحمہ اللہ نے سلف صالحین میں سے کسی کا فرمان ذکر کیا ہے جسے کچھ مصنفین حضرت محمد ﷺ کی طرف بھی منسوب کرتے ہیں ''امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا کام صرف وہی شخص کرے جو تلقین کیے جانے والے نیکی کے کام اور روکے جانے والے برائی کے کام کی کامل بصیرت رکھتا ہو۔ دونوں صورتوں میں نرم مزاج اور بردبار بھی ہو۔'' ❷ (اس حدیث کی کوئی بھی سند ان الفاظ کے ساتھ صحیح نہیں ہے)

لہٰذا امر بالمعروف ونہی عن المنکر سے پہلے بصیرت حاصل کرنا دعوت إلی اللہ کی یہ بنیادی شرط ہے۔ داعی کا اوّلین فریضہ یہ ہے کہ وہ اپنی دعوت سے بخوبی آگاہ ہو، فہم و فراست سے مزین اور یقین سے مسلح ہو۔ اپنی دعوت میں ثابت قدم ہو، دعوت مدعوین میں سے دوست و دشمن اور اپنے ارد گرد پیش آمدہ واقعات سے پوری طرح آگاہ ہو، بصیرت کا اطلاق

❶ لسان العرب: ج٤ ص ٦٧.

❷ مجموع الفتاوی: ج٢٨ ص ١٣٧۔ السلسلة الضعيفة: ٥٩٠۔

ان سب باتوں پر ہوتا ہے اور اسے اللہ تعالیٰ نے دعوت کے لئے شرط قرار دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دعوت الی اللہ کے لئے ضروری ہے کہ مسلمان عملِ دعوت کے لئے بقدرِ کفایت علم وفہم سے بہرہ ور ہوتا کہ اس کے لیے راستہ روشن اور واضح ہو۔ علم اسے صحیح راہ دکھائے گا اور فہم اس کی بصیرت بڑھائے گا۔ علم کے بغیر دعوت دینے سے داعی میں انحراف آ جاتا ہے اور بصیرت کے بغیر وہ لغزش کا شکار ہو جاتا ہے۔

علاوہ ازیں بصیرت کے بغیر دعوت دینا گناہ ہے کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت ہے۔ علم وفہم کے بغیر نہ صرف وہ خود کو بھٹکائے گا بلکہ اپنے ساتھ دوسرے لوگوں کو بھی گمراہ کرے گا۔

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطٰنٍ مَّرِيْدٍ﴾

[الحج:٣]

”اور کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو بغیر کسی علم کے اللہ کی توحید کے باب میں کٹ حجتی کرتے اور ہر سرکش شیطان کی پیروی کرتے ہیں۔“

ہو سکتا ہے کہ وہ امر کو نہی، نہی کو امر، معروف کو منکر، منکر کو معروف، سنت کو بدعت اور بدعت کو سنت قرار دے دے۔

ممکن ہے کہ وہ دین کے نام پر ناجائز کام کی دعوت دینے لگ جائے۔ جیسے کچھ لوگ نافرمان حکمرانوں کے خلاف بغاوت کر دیتے ہیں اور خارجی، معتزلی، غالی صوفیاء اور شیعہ دین کے نام پر بدعت وگمراہی کی دعوت دیتے ہیں۔ ان جیسے لوگوں سے بچنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا:

﴿وَاِنَّ كَثِيْرًا لَّيُضِلُّوْنَ بِاَهْوَآئِهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾ [الأنعام:١١٩]

”اور بے شک بہت سے لوگ ایسے ہی ہیں جو کسی علم کے بغیر اپنی بدعات کے ذریعے سے گمراہ کر رہے ہیں۔“

نیز فرمایا:

﴿وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ ﴾ [لقمان: ٦]

''اور کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو فضولیات کو ترجیح دیتے ہیں تاکہ لاعلمی کے ذریعے اللہ کی راہ سے گمراہ کریں۔''

اللہ نے تو علم کے بغیر کی جانے والی ہر بات کو ''خود ساختہ'' کہا ہے اور اگر یہ دین یا دعوتِ دین ہو تو اس کا اندازہ خود ہی لگا لیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ﴾ [الإسراء: ٣٦]

''اور جس چیز کا تمہیں علم نہیں اس کے درپے نہ ہوا کرو۔''

کافروں کے کچھ کفریہ اقوال وافعال شمار کرنے کے بعد ارشاد فرمایا ہے:

﴿قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوْۤا اَوْلَادَهُمْ سَفَهًۢا بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّ حَرَّمُوْا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ ؕ قَدْ ضَلُّوْا وَ مَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ۠﴾ [الأنعام: ١٤٠]

''وہ لوگ نامراد ہوئے جنہوں نے محض بے وقوفی سے بغیر کسی علم کے اپنی اولاد کو قتل کیا اور اللہ نے انہیں جو روزی بخشی انہوں نے اسے اللہ پر افترا کر کے حرام ٹھہرا لیا۔ یہ گمراہ ہوئے اور ہدایت پانے والے نہ ہوئے۔''

رب تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَ مَا بَطَنَ وَ الْاِثْمَ وَ الْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَ اَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّ اَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ۝﴾ [الأعراف: ٣٣]

''کہہ دو! میرے رب نے حرام تو بس بے حیائیوں کو ٹھہرایا ہے خواہ کھلی ہوں، خواہ پوشیدہ اور حق تلفی اور ناحق زیادتی کو اور اس بات کو حرام ٹھہرایا ہے کہ تم اللہ کا کسی چیز کو شریک بناؤ جس کی اس نے کوئی دلیل نہیں اتاری اور یہ کہ تم اللہ پر کسی

ایسی بات کا بہتان لگاؤ جس کا تم علم نہیں رکھتے۔"

رسول اللہ ﷺ نے بھی حدیث کو سننے کے بعد پہنچانے وقت اچھی طرح یاد کرنے کا حکم دیا ہے اور ارشاد فرمایا ہے:

"نَضَّرَ اللّٰهُ امْرَءًا سَمِعَ مِنَّا شَيْئًا فَبَلَّغَهُ كَمَا سَمِعَ، فَرُبَّ مُبَلَّغٍ أَوْعَى مِنْ سَامِعٍ"❶

"اللہ تعالیٰ اس شخص کو خوش وخرم رکھے جس نے ہم سے کوئی بات سنی پھر اسے لوگوں تک ویسے پہنچایا جیسے اسے سنا، جن تک بات پہنچائی جاتی ہے ان میں سے بہت سے لوگ خود سننے والے سے زیادہ یاد رکھتے ہیں۔"

اسی چیز کی اہمیت کے پیش نظر امام بخاری رحمہ اللہ نے الجامع الصحیح میں ان الفاظ میں عنوان قائم کیا ہے "بات کہنے اور عمل کرنے سے پہلے علم حاصل کیا جائے" کیونکہ علم ہی بات میں درستی اور عمل میں راست بازی پیدا کرتا ہے۔ امام عسقلانی رحمہ اللہ نے شرح صحیح بخاری میں، ابن المنیر کے الفاظ میں اس کی تشریح اس طرح کی ہے کہ "امام بخاری رحمہ اللہ یہ عنوان قائم کر کے بتلانا چاہتے ہیں کہ قول وعمل کی صحت کے لئے علم شرط ہے اس کے بغیر یہ دونوں ناقابل اعتبار ہیں اور یہ ان دونوں سے مقدم ہے۔"❷

ابو حیان اندلسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "نیکی کی دعوت اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے قابل وہی شخص ہے جو معروف اور منکر کو جانتا ہو جو اسے نافذ کرنے اور اس پر عمل پیرا ہونے کے طریقے سے آشنا ہو، جاہل تو ممکن ہے کہ برائی کرنے اور نیکی سے ترک جانے کی دعوت بھی دینے لگ جائے، نرمی کی جگہوں میں شدت اور اس کے برعکس رویہ اختیار کر لے۔"❸

یہاں میں اہل علم کو دو باتیں بتانا چاہوں گا۔

---

❶ الترمذي: ٢٦٥٧.

❷ فتح الباري: ج١: ص ١٦٠.

❸ تفسير البحر المحيط: ج٣: ص ٢٠.

(۱)..... کسی چیز کو یاد کر لینا اسے سمجھنے سے مختلف ہے، اسی طرح بصیرت حاصل کرنا کسی چیز کو معلوم کرنے سے بالاتر درجہ ہے۔ اکثر لوگ سمجھتے ہیں کہ صرف یاد کر لینے سے علم حاصل ہو جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ وہ عالم ہونے کا دعویٰ کرنے لگ جاتے ہیں اور ایسی باتیں اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے فرمائی نہیں اور ایسے مسائل بیان کرتے ہیں جن کی اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی۔ وہ محض حفظ کر لینے کے بعد خود کو عالم بلکہ علامہ سمجھنے لگتے ہیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''کچھ لوگ علم کے ابجد حفظ کرتے ہیں ان میں قرآن مجید کے عالی مرتبت ابجد بھی شامل ہیں لیکن انہیں فہم و ادراک نہیں ہوتا۔''❶

ہر صاحبِ علم فقیہ اور صاحبِ بصیرت نہیں ہوتا ہے۔ علم حاصل کرنا اس کا فہم حاصل کرنے سے مختلف ہے اور اسے کار آمد لانے کی بصیرت ایک دوسری چیز ہے۔

(۲)..... کسی چیز کا علم ہونے اور علم ظاہر کرنے میں اسی طرح عالم و خود نما عالم میں فرق کرنا ہوگا یہ چیز دروس، خطابات اور باہمی مکالمہ جات میں انتہائی ضروری ہے۔ اکثر داعی جو خود گمراہ ہوتے ہیں اور گمراہی پھیلاتے ہیں وہ خود کو عالم سمجھتے ہیں حالانکہ وہ خود نما عالم ہوتے ہیں۔ یہ چیز علم اور اظہارِ علم میں فرق نہ کرنے کی بنا پر ہے۔

خارجی، معتزلی، جہمی اور دیگر فرقوں میں سے ان کے ہم نشین لوگوں کی یہی صورتِ حال ہے۔ علماء کو اپنے دروس میں علم اور اظہارِ علم، عالم اور خود نما عالم میں فرق ضرور بیان کرنا چاہیے۔ اکثر سامعین نیک نیت ہوتے ہیں ممکن ہے وہ اس سے سبق حاصل کر لیں۔ اس بات کے اختتام سے پہلے یہ ذکر کرنا مناسب ہوگا کہ علم کی شرط عام نہیں ہے کہ ہر داعی کے لئے تمام علوم سے بہرہ ور ہونا ضروری ہو، ہرگز نہیں۔ شرط صرف یہ ہے کہ داعی کو اپنی دعوت سے متعلق معلومات ہوں تاہم داعی جتنا بڑا عالم ہو اتنا ہی زیادہ بہتر ہے۔ بہت سے مبلغ جو اپنی دعوت پر بصیرت رکھتے ہیں اپنے سے بڑے ایسے عالم سے بہتر ہوتے ہیں جو بصیرت سے

❶ مجموع الفتاوی: ج: ۱، ص ۲۹۷.

محروم ہو۔ یہاں علم سے مراد شریعت کا علم ہے جس کی طرف شروع میں بھی اشارہ کیا گیا ہے یعنی اس کے پاس توحید، اس کی اقسام، ارکانِ ایمان، ارکانِ اسلام، دین کی مبادیات، اس کے عام اُصول، سنن اور بدعات کا علم ہو۔ عبادت، اس کی اقسام، فرض اور نفل ہونے کے لحاظ سے اس کی شرعی حیثیت، احکامِ خمسہ، فرض، مستحب، حرام، مکروہ، جائز اور اس جیسی دیگر معلومات سے بہرہ ور ہو۔

جب ایک مسلمان پر نیکی کا کام کہنے، نصیحت کرنے، برائی سے روکنے کی ذمہ داری آ جائے اور وہ اس کے بارہ میں علم بھی رکھتا ہو تو بقدرِ دانست اس امانت کو ادا کرنا اس پر فرض ہو جائے گا۔ ایسے میں داعی کا عالمِ مطلق ہونا شرط نہیں اور نہ سابقہ تفصیلات جاننا شرط ہے۔

(۳) صبر و بردباری

جہاں داعی کے لئے علم کا ہونا شرط ہے اور راست بازی کا سبب ہے، وہاں صبر اس کے لئے اسلحہ اور ہتھیار کا کام دیتا ہے۔ اسی طرح اگر بصیرت داعی کے لئے ضروری اور اس کی دعوت کا نور ہے تو حلم و بردباری اس کا ایندھن اور زادِ راہ ہے۔ ایندھن کے بغیر سفر نہیں ہوتا اور زادِ راہ کے بغیر وہ چوکس نہیں ہوتا، ہتھیار کے بغیر جنگ کرنے والا ناکام ہوتا ہے اور ایندھن کے بغیر سفر جاری نہیں رکھ سکتا۔ ابتدائی وحی میں رسول اللہ ﷺ کو دعوتِ دین کے ساتھ ساتھ صبر کرنے کا بھی حکم ہوا اور فرمایا گیا:

﴿ يَاأَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَأَنذِرْ ۝ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۝ وَلَا تَمْنُن تَسْتَكْثِرُ ۝ وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ۝ ﴾ [المدثر: ۱۔۷]

"اے چادر لپیٹے رکھنے والے! اٹھ اور (لوگوں کو) ڈرا، اور اپنے ربّ ہی کی کبریائی کی منادی کر، اور اپنے دامن کو پاک رکھ، اور ناپاکی کو چھوڑ اور اپنی محنت کو زیادہ خیال کرکے اسے منقطع نہ کر اور اپنے ربّ کی راہ میں ثابت قدم رہ۔"

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: "وَمَا أُعْطِيَ أَحَدٌ عَطَاءً خَيْرًا وَأَوْسَعَ مِنَ

الصَّبْرِ" "کسی شخص کو صبر سے بہتر اور بڑا کوئی انعام عطا نہیں ہوا۔"❶

میدانِ دعوت میں صبر سے مراد یہ ہے کہ حالات جیسے بھی ہوں راہِ دعوت پر گامزن رہا جائے اور مدعوّین کے ساتھ زبانی یا عملی کسی بھی طرح برا سلوک نہ کیا جائے۔

صبر کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں سے اذیّت رسانی کا انتقام نہ لیا جائے، تنگ آ کر اسے چھوڑا نہ جائے اور ناکامی دیکھ کر ناامید نہ ہوا جائے۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہہ لیں کہ دل کے ردِّعمل کو تسلیم نہ کیا جائے اور مختلف مواقع پر جلد بازی سے اجتناب کیا جائے۔ قرآنِ مجید اور سنتِ مطہرہ صبر کی اہمیت کو اجاگر کرنے کے لئے بھرے پڑے ہیں کیونکہ داعی کے کام کو جاری رکھنے، لوگوں کو نفرت کا موقع نہ دینے اور دعوت إلی اللہ کی مقبولیت میں اس کا بڑا دخل ہے۔

اسی بنا پر اللہ سبحانہٗ تعالیٰ نے صبر و تقویٰ کو عظیم الشان کاموں میں شمار کیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَإِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَإِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُوْرِ ۝ ﴾ [آل عمران: ١٨٦]

"اور اگر تم ثابت قدم رہے اور تم نے تقویٰ کو ملحوظ رکھا تو بے شک یہ چیز عظیم الشان کاموں میں سے ہے۔"

اس سے بڑھ کر یہ کہ لوگوں کی تکلیف پر صبر کرنے کو اللہ تعالیٰ نے انبیاء ﷺ کا طریقِ کار بتایا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿ وَلَنَصْبِرَنَّ عَلٰى مَآ اٰذَيْتُمُوْنَا ﴾ [ابراهيم: ١٢]

"اور تم ہمیں جو ایذا بھی پہنچاؤ گے ہم اس پر صبر کریں گے۔"

ہم جانتے ہیں کہ صبر کا متضاد ہٹ دھرمی اور قطع تعلقی ہے۔ جو شخص ہٹ دھرمی اختیار کرتا ہے لوگ اس سے متنفر ہو جاتے ہیں اور وہ لوگوں کو دعوت دینا ختم کر بیٹھتا ہے اس لئے وہ خود بھی خسارے میں رہتا ہے اور لوگ بھی۔

---

❶ بخاري: ١٤٦٩، ٦٤٧٠۔ مسلم: ١٠٥٣۔

کاش بات یہیں پر رک جاتی اور وہ بے صبری کی بنا پر معاملات میں جلد بازی سے کام نہ لیتا جبکہ بسا اوقات اس چیز سے دعوت و تبلیغ کے عمل کو برے نتائج اور پسپائی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ جو شخص صبر سے کام نہیں لے گا، بردباری کا مظاہرہ نہیں کرے گا وہ ذاتی انتقام پر اتر آئے گا اور جو شخص ذاتی انتقام لیتا ہے وہ خود کو بھی اور دعوتِ دین کو بھی نقصان پہنچاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں ثواب سے محروم بھی ہو جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ اللہ ربّ العزت نے صبر، حلم اور عفو و درگزر تینوں کو ایک ساتھ بیان فرمایا ہے اور اسے عظیم کاموں میں شمار کیا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَمَن صَبَرَ وَغَفَرَ إِنَّ ذَٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ﴾ [الشوریٰ : ٤٣]

"اور جس نے صبر کیا اور معاف کیا تو بیشک یہ عزیمت کے اوصاف میں سے ہے۔"

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارہ میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِّلَّهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ ۚ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَأَوَّاهٌ حَلِيمٌ﴾

[التوبة : ١١٤]

"پھر جب اس پر واضح ہو گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو اس نے اس سے اعلانِ بیزاری کر دیا بے شک ابراہیم بڑا ہی رقیق القلب اور بردبار تھا۔"

بردباری صبر کی شاخوں میں سے ایک بنیادی شاخ ہے۔

اہل لغت کے ہاں "حلم" سے مراد بردباری اور سمجھ بوجھ ہے۔ قوت و طاقت ہونے کے باوجود غصے کے وقت یا ناپسندیدہ چیز کو دیکھ کر تحمل اور سکون سے رہنے کو "حلم" کہتے ہیں۔

"حلیم" وہ ہے جسے اذیت ناک کام آپے سے باہر نہ کرے اور وہ غصہ دلانے کے باوجود طیش میں نہ آئے۔

اہلِ علم کہتے ہیں کہ علم اور سمجھ بوجھ دونوں کا دعوتِ دین سے پہلے ہونا ضروری ہے تاکہ داعی میدانِ دعوت میں قدم رکھنے سے پہلے صاحب بصیرت ہو اور پھسلنے سے محفوظ رہے۔ صبر و تحمل، دعوت و تبلیغ کے دوران ہوتا ہے تاکہ داعی مخاطبین کی اذیت رسانی اور الزام تراشی کے

ردِ عمل کو برداشت کرے، عملِ دعوت کو جاری رکھے، لوگوں کی وجہ سے گھٹن محسوس نہ کرے اور نہ ہی ان سے قطعِ تعلق کرے، جبکہ حلم اور بردباری عملِ دعوت کے بعد ہوتا ہے تاکہ داعی مذاق اڑانے والوں اور تحقیر کرنے والوں سے کینہ پروری نہ کرے، ان کی اذیت کا انتقام نہ لے۔ ایک داعی کو اذیت کا سامنا کرنے کی توقع کرنی چاہیے اور اس پر صبر وتحمل کے لئے تیار رہنا چاہیے۔

یہی چیز عظیم کاموں میں سے ہے جبکہ گھٹن، کینہ، دست درازی اور انتقام یہ تو ناکامی کا باعث ہوتے ہیں۔ اس لئے اللہ رب العزت نے داعی حضرات کو پیش آمدہ اذیت پر صبر کرنے کی تلقین کی ہے۔

حضرت لقمان علیہ السلام کی اپنے بیٹے کو نصیحت ان الفاظ میں بیان کی ہے:

﴿ وَأْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنكَرِ وَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا أَصَابَكَ ۖ إِنَّ ذَٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ ۝ ﴾ [لقمان: ١٧]

"نیکی کا حکم دو اور برائی سے روکو اور جو مصیبت تمہیں پہنچے اس پر صبر کرو، بے شک یہ باتیں عزیمت کے کاموں میں سے ہیں۔"

اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو بھی دعوتِ دین کا حکم دیا تو یہی فرمایا کہ اس میں صبر وتحمل سے کام لینا ہوگا۔

﴿ وَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيلًا ۝ ﴾ [المزمل: ١٠]

"اور یہ لوگ جو کچھ کہتے ہیں اس پر صبر کر اور ان کو بہتر طور سے نظر انداز کر۔"

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول حضرت محمد ﷺ اور آپ کے بعد آنے والے داعی حضرات کو حضرت یونس علیہ السلام کے واقعہ سے آگاہ فرمایا ہے جس میں عدمِ صبر کی بنا پر پیچیدہ صورت حال پیش آئی۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُن كَصَاحِبِ الْحُوتِ ﴾ [القلم: ٤٨]

"تو اپنے رب کے فیصلے تک صبر کر اور مچھلی والے کی طرح نہ بن۔"

کیونکہ وہ دعوتِ دین اور انوار و تجلیات سے نکل کر مچھلی کے پیٹ کی تنگی اور تاریکیوں میں چلے گئے تھے۔ جو شخص بھی دعوتِ دین میں صبر و تحمل کی بجائے سختی، ہٹ دھرمی اور مقابلہ بازی کی کوشش کرتا ہے اس کی یہی صورتِ حال ہوتی ہے۔ عجلت میں مقابلہ بازی پر اترنے والے میدانِ دعوت میں ناکامی کی وجہ سے ہی ایسے کرتے ہیں چونکہ وہ صبر نہیں کرتے اس لئے مقابلہ بازی پر اتر آتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ناکامی اور زیادہ بھیانک نتائج کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

اللہ رب العزت نے نہ صرف میدانِ دعوت میں صبر و تحمل کا حکم دیا ہے بلکہ یہ بھی فرمایا ہے کہ اس کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے مدعوین کی طرف سے اذیت رسانی کا ردِّ عمل نہ دکھایا جائے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ لَا تُطِعِ الْكٰفِرِیْنَ وَ الْمُنٰفِقِیْنَ وَ دَعْ اَذٰىهُمْ وَ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ وَكِیْلًا ۝﴾ [الأحزاب: ٤٨]

''اور کافروں اور منافقوں کی بات کا دھیان نہ کرو اور ان کی ایذا رسانیوں کو نظر انداز کرو اور اللہ پر بھروسہ رکھو اور اللہ اعتماد کے لئے کافی ہے۔''

اپنے خالق پر توکل رکھتے ہوئے کارِ دعوت کو جاری رکھیں اور تبلیغ پر کاربند رہیں۔ ہٹ دھرم کافروں کی ضد بازی اور منافقوں کی فریب دہی کو خاطر میں نہ لائیں۔ ان کی ایذاء رسانی کی پرواہ نہ کریں اور نہ ہی ان کے مکر و فریب کی بنا پر دعوت دینا ترک کریں۔

سابقہ انبیاء کرام علیہم السلام کا یہی طریقہ کار رہا ہے وہ تو راہِ دعوت میں تشدد اور انتقام سے بالکل ناواقف تھے، وہ تو مجسم صبر و معافی تھے۔ میدانِ دعوت میں کوئی ایسا نبی نہیں ملے گا جس نے اپنی قوم کو دعوت دیتے ہوئے مادی طاقت کا مظاہرہ کیا ہو۔

باری تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ اور آپ کے مشن پر چلنے والوں کو اس بات سے آگاہ کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ﴾ [الأحقاف : ۳۵]

''تم ثابت قدم رہو، جس طرح صاحبِ عزم رسول ثابت قدم رہے۔''

حضرت نوح علیہ السلام نے نوسو پچاس سال کی طویل مدت دعوت دی، قوم کی اذیت رسانی اور تضحیک کے باوجود انہوں نے نہ تو کسی کو مارا نہ ہی کسی سے انتقام لیا۔ اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام پھر موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام سب انبیاء علیہم السلام لوگوں کی اذیت کے باوجود ان کے ساتھ بردباری اور صبر ہی کا مظاہرہ کرتے رہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تو میدانِ دعوت میں لوگوں کی اذیّت کے باوجود صبر و بردباری میں ضرب المثل اور مثالی نمونہ بن کر رہے حالانکہ وہ اپنا حق لے سکتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں: ''کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو اپنے ہاتھ سے کبھی نہیں مارا، نہ بیوی کو، نہ خادم کو، ہاں جہاد کے دوران الگ بات ہے۔ جب آپ کو تکلیف پہنچائی جاتی تو آپ کبھی بھی تکلیف دینے والے سے انتقام نہ لیتے تاہم اگر اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں کی بے حرمتی ہو رہی ہو تو اللہ تعالیٰ کی خاطر انتقام لیتے۔''❶

فتح مکہ اور دیگر مواقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف درگزر فرمایا بلکہ دشمنوں کو عزت و تکریم دے کر کتنے بلند اخلاق اور عظیم رویّہ کا اظہار فرمایا جبکہ مکہ والوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ کیا کچھ نہیں کیا تھا۔ جلد بازی چونکہ صبر کے خلاف ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کی تمام تر انواع سے سختی کے ساتھ منع فرمایا ہے:

﴿فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِل لَّهُمْ ۚ﴾

[الأحقاف : ۳۵]

''تم ثابت قدم رہو، جس طرح صاحبِ عزم رسول ثابت قدم رہے اور ان کے لئے عجلت نہ کرو۔''

سابقہ انبیاء کرام علیہم السلام کا دعوت میں صبر کرنے اور جلد بازی نہ کرنے میں آپ کے

❶ بخاری: ٦١٢٦۔ مسلم: ٢٣٢٨۔

لئے نمونہ ہیں۔ امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "ان کے بارہ میں عجلت نہ کریں" کی تفسیر امام مقاتل نے یہ کی ہے کہ ان کے حق میں بدعا نہ کریں۔ ❶

اس کی یہ بھی تفسیر کی گئی ہے کہ ان پر عذاب اتروانے میں جلدی نہ کریں۔

امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے بھی اس فرمان کی ایسے ہی تفسیر کی ہے۔ ❷

امام بقاعی رحمہ اللہ نظم الدرر میں فرماتے ہیں: باری تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو صبر جیسی اعلیٰ ترین خوبی اختیار کرنے کو فرمایا تو عجلت جیسی گھٹیا عادت سے بھی منع فرمایا تا کہ آپ صبر کی خوبی کو جو نصرت الٰہی اور کامیابی کی ضامن ہے، اختیار کیے رکھیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ﴾ "اور جلد بازی اختیار نہ کریں" یعنی جلد بازی کرنے والے لوگوں کے ساتھ نامناسب سلوک نہ کریں۔ ❸

سید قطب شہید رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "دعوت وتبلیغ کا راستہ انتہائی مشکل اور تکلیف دہ ہے یہ اتنا کٹھن ہے کہ حضرت محمد ﷺ جیسی شخصیت جو دعوت ہی کے لئے خاص، اس پر ثابت قدم اور پختہ کار تھے، صاف شفاف کردار کے مالک تھے، اس کے باوجود انہیں بھی باری تعالیٰ کی طرف سے صبر کرنے اور اس کام میں ہٹ دھرم لوگوں کے معاملے میں جلد بازی نہ کرنے کی تعلیمات کی ضرورت تھی۔ اس راستے کی مشقت میں غمگساری کی ضرورت ہے۔ اس کی مشکلات میں صبر وتحمل اور اس کی تلخ نوائی میں باری تعالیٰ کی رحمت وشفقت کی رس بھری رحیق مختوم کو اپنا مشروب بنانا پڑتا ہے۔" ❹

اسلام کی نگاہ تو اس سے کہیں دور رس ہے اس نے ان کے لئے بددعا کرنے سے منع کرتے ہوئے اسے عجلت بازی کی ایک صورت قرار دیا ہے۔

---

❶ تفسیر قرطبی: ج١٦، ص ٢٢١، ٢٢٢۔

❷ تفسیر القرآن العظیم، ابن کثیر: ج ٤ ص ١٨٥۔

❸ نظم الدرر في تناسب الآيات والسور، امام برهان الدين ابو الحسن ابراهيم بن عمر البقاعي: ج٧: ص١٤٦۔

❹ في ظلال القرآن، سيد قطب: ج٦: ص٣٢٧٦۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے خباب بن ارت رضی اللہ عنہ کے حوالے سے ایک واقعہ اس طرح بیان کیا ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کعبہ کے سائے میں اپنی چادر کو سر کے نیچے تکیہ بنا کر تشریف فرما تھے کہ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! آپ اللہ تعالیٰ سے ہمارے لئے مدد کی دعا کیوں نہیں فرماتے، آپ نے فرمایا: ''تم سے پہلے لوگوں کی یہ صورتِ حال تھی کہ ایک شخص کو گڑھے میں کھڑا کر دیا جاتا اور اس کے سر پر آرا چلا کر دو ٹکڑے کر دیا جاتا، اس کے باوجود وہ دین سے منحرف نہ ہوتا، اور کبھی یہ ہوتا کہ لوہے کی کنگھیاں اس کے جسم پر چلائی جاتیں جو گوشت کو چیر کر اس کی ہڈیوں تک جا پہنچتیں لیکن وہ پھر بھی دین کو نہ چھوڑتا، اللہ کی قسم اٹھا کر کہتا ہوں ایک وقت آئے گا جب ایک مسافر صنعا سے حضر موت تک سواری پر سفر کرے گا اسے اللہ کے علاوہ کسی کا خوف نہیں ہوگا، تم جلد بازی سے کام لے رہے ہو۔'' ❶

اس حدیث میں جلد بازی سے کافروں کے لئے بددعا کرنے سے منع کر دیا گیا ہے، اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ایسا کرنا مسلمانوں کے بے جا پریشان ہونے اور کارِ دعوت کی تکلیفوں کو برداشت نہ کرنے کی علامت ہے۔ اس لئے آنحضرت ﷺ نے ان کی بات کو نہیں مانا بلکہ انہیں جلد باز قرار دیتے ہوئے فرمایا ''تم جلد بازی سے کام لے رہے ہو۔''

اس موقع پر آنحضرت ﷺ کی سیرت طیبہ کا ایک اور خوبصورت واقعہ بھی پیشِ خدمت ہے۔ قبیلہ دوس کے کچھ لوگ اسلام لے آئے انہوں نے اپنے قبیلے کے باقی افراد کو اسلام کی دعوت دی لیکن وہ نہ مانے۔ یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور کہنے لگے ''قبیلہ دوس کے لوگ نافرمان ہیں، وہ نہیں مانتے آپ ان کے لئے بددعا کریں'' یہ سن کر لوگوں نے کہا اب دوس کا کچھ نہیں رہے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے اللہ! دوس قبیلے کو ہدایت دے دے انہیں میرے پاس پہنچا دے۔'' ❷

''نتیجہ یہ ہوا کہ وہ بہت جلد اسلام لے آئے۔'' ❸

---

❶ بخاري: ٣٦١٢، ٦٩٤٣۔ ❷ بخاري: ٢٩٣٧۔ مسلم: ٢٥٢٤۔

❸ دار قطني في جزء أبي طاهر: ٩٦۔

دیکھیے! وہ اپنی قوم کے لئے بددعا کروانے آئے تھے آپ ﷺ نے ان کے لئے دعا فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ہدایت دے دی۔ ہم داعی حضرات کو اس جیسے عظیم اخلاق کی کتنی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے داعی حضرات کو ردِ عمل دکھانے، بختی و درشتی کا راستہ اختیار کرنے، مدعوین کی بدسلوکیوں کی بناء پر طیش میں آنے سے منع فرمایا ہے کیونکہ یہ صبر کے منافی ہے۔

ارشادِ ربانی ہے:

﴿فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلَا يَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِيْنَ لَا يُوْقِنُوْنَ﴾

[الروم: ٦٠]

”تو تم صبر کرو بیشک اللہ کا وعدہ برحق ہے اور یہ یقین نہ رکھنے والے تمہیں بے وذن نہ بنانے پائیں۔“

اس فرمان میں صبر سے آغاز کے ذریعے اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ اسے معمولی سمجھنے سے بچنا چاہیے۔

امام بقاعی رحمہ اللہ تفسیر قرآن میں فرماتے ہیں ”وَلَا يَسْتَخِفَّنَّكَ“ کا مطلب یہ ہے کہ ”وہ آپ کو بے صبری پر نہ اُکسائیں کہ آپ سے مدد کے جلدی آنے کا مطالبہ کرکے اور آپ کو اس کی تاخیر کے انجام سے ڈرا کر بے صبر بنا دیں یا آپ کو کارِ دعوت میں کاہل وست بنا دیں۔“ ❶

باقی مفسرین نے بھی اس کے قریب قریب تفسیر کی ہے۔

سید قطب شہید رحمہ اللہ نے اس کی تفسیر میں لکھا ہے: ”طویل اور کانٹے دار راستے میں جو بسا اوقات لامتناہی دکھائی دیتا ہے صبر ہی اہلِ ایمان کا وسیلہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے وعدے پر یقین اور ایسی ثابت قدمی جس میں کوئی بے چینی، اضطراب، کسی قسم کی حیرت اور شکوک وشبہات نہ ہوں۔ یہ سب چیزیں اس راستے کے مسافر کا سامان ہیں۔ مدِمقابل کے پیچ وخم کے باوصف ان کی طرف سے حق کو جھٹلانے اور اللہ تعالیٰ کے وعدہ میں شکوک وشبہات پیدا

❶ نظم الدرر: ج٥: ص ٦٤٧۔

کرنے کے باوجود صبر، یقین اور ثابت قدمی ہی ان کا اصل سرمایہ ہے۔ وہ لوگ تو علم سے کورے ہیں، اسبابِ یقین سے محروم ہیں جبکہ اہلِ ایمان اللہ تعالیٰ کی رسّی کو تھامے ہوئے ہیں۔ لہٰذا ان کا راستہ تو صبر واستقامت اور یقینِ محکم ہی ہے خواہ یہ کتنا طویل ہوتا جائے ان کی منزل در پردہ دھند اور بادلوں کی تہوں میں ہوتی ہے۔'' ❶

عدمِ صبر کی جن خرابیوں سے داعی کو بچنا چاہیے ان میں سے ایک ہے غصہ کرنا۔ اس سے داعی کو ہر ممکن بچنا چاہیے یہ آدمی کے افکار وخیالات، اس کے الفاظ وبیان اور اس کے عادات واطوار پر چھا جاتا ہے۔ اس سے ایسے کام کروالیتا ہے جو دعوت وتبلیغ کے لئے باعثِ فساد ہوتے ہیں اور مدعوین کو نفرت دلاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قاضی کو غصہ کی حالت میں فیصلہ سنانے سے منع فرمایا گیا ہے۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے:

''لَا يَقْضِي حَكَمٌ بَيْنَ اثْنَيْنِ وَهُوَ غَضْبَانٌ''

''کوئی بھی شخص غصے کی حالت میں فریقین کا فیصلہ نہ کرے۔'' ❷

ایک صحابی نے رسول اللہ ﷺ سے خصوصی نصیحت کرنے کی درخواست کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''غصہ نہ کیا کرو۔'' اس کے بار بار سوال کرنے پر آپ ﷺ نے یہی فرمایا: ''غصہ نہ کیا کرو۔'' ❸

رسول اللہ ﷺ کی طرف سے غصہ نہ کرنے کی یہ نصیحت ہر مسلمان کے لئے ہے، ایک داعی کے لئے تو یہ اور بھی زیادہ مفید اور ضروری ہے۔

اس بات کے اختتام پر دو باتوں کی طرف توجہ دلانا مناسب ہوگا:

(1)...... ایک داعی اور ایک قاضی میں فرق ملحوظ رکھنا چاہیے، داعی کا کام یہ ہے کہ وہ اذیّت پر صبر کرے اور بردباری کے ذریعے دعوت پیش کرے اور قاضی کا کام یہ ہے کہ وہ فیصلہ اور سزا سنائے۔ یہ دونوں مختلف میدان ہیں اکثر لوگ ان دونوں میں خلط مبحث کردیتے

❶ فی ظلال القرآن: ج۵۔ ص۲۷۷۸۔ ❷ بخاری: ۷۱۵۸۔ مسلم: ۱۷۱۷۔
❸ بخاری: ۶۱۱۶۔

ہیں، وہ میدانِ دعوت میں صبر وتحمل کے ضروری ہونے، مدعوین کے ساتھ بردباری سے پیش آنے اور رنج اور حکمرانوں کے ظلم وستم میں کوئی فرق نہیں کرتے ان دونوں میں فرق نہ کرنے سے بہت سے داعی حضرات کو بے موقع وحمل کام کرنے، معاملات میں مضطرب ہونے اور منہج دعوت میں غلط راستہ اختیار کرنے تک پہنچادیا ہے۔

(۲) ..... دوسری بات یہ ہے کہ صبراور بردباری یہ دونوں کام کتابیں پڑھنے لیکچر اور دروس سننے سے نہیں آتے۔ ان کے لئے بہت زیادہ مشق کی ضرورت ہے، اور یہ تربیت کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتے۔ بہت سے لوگوں کا صبر نہ کرنا، ڈانٹ پلانا، انتقام لینا اور غلط طریق کار اختیار کرنا اسی تربیت کے فقدان ہی کا نتیجہ ہے، بلکہ اس سے بہت سے مشائخ بھی محروم ہیں عربی کا مشہور مقولہ ہے "جو خود محروم ہے وہ دوسرے کو کیا دے گا" اس لئے عملی منہج دعوت میں تربیت کی از حد ضرورت ہے۔

صبر و بردباری کے ثمرات:

صبر و بردباری کے بہت سے فوائد وثمرات ہیں بلکہ دنیا وآخرت دونوں لحاظ سے اس کے قابل تعریف اثرات ہیں۔

(۱)..... اس کا پہلا دنیوی فائدہ یہ ہے کہ اس سے دعوت پہنچانے کی توفیق اور مخالفین کے خلاف مدد ملتی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ﴾ [الانفال: ٤٦]

"بیشک اللہ ثابت قدموں کے ساتھ ہے۔"

ساتھ ہونے سے مراد "مدد کرنا" ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((وَأَنَّ النَّصْرَ مَعَ الصَّبْرِ))

"صبر کرنے سے اللہ کی مدد حاصل ہوتی ہے۔"❶

جو لوگ صبر کریں گے وہ کامیاب ہوں گے اور جو طیش اور غصہ میں آئیں گے وہ شرمندہ ہوں گے۔ اگر اللہ تعالیٰ دیگر انبیاء علیہم السلام پر بالعموم اور ہمارے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر بالخصوص ان کے صبر کرنے کی وجہ سے فضل وعنایت نہ کرتا تو نہ ہی دعوت کو پذیرائی ملتی اور نہ ہی ہم تک دین پہنچتا۔

(۲)..... صبر وبردباری کا دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو صبر کرنے والوں سے محبت ہے اور جس سے اللہ تعالیٰ محبت فرمائے وہ دنیا میں بھی اس کی مدد کرتا ہے اور آخرت میں بھی انہیں اونچا مرتبہ عطا کرے گا۔

ارشادِ ربّ العزت ہے:

﴿وَاللَّهُ يُحِبُّ الصَّابِرِينَ﴾ [آل عمران: ١٤٦]

"اور اللہ ثابت قدم رہنے والوں سے محبت کرتا ہے۔"

یہ تو ہے دنیا کا ثمرہ، جبکہ آخرت میں اس کا صلہ کہیں زیادہ اور کہیں بہتر ہوگا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُونَ أَجْرَهُم بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ [الزمر: ١٠]

"جو ثابت قدم رہنے والے ہوں گے انہیں ان کا صلہ بے حساب دیا جائے گا۔"

نیز فرمایا:

﴿أُولَٰئِكَ يُؤْتَوْنَ أَجْرَهُم مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوا﴾ [القصص: ٥٤]

"یہ لوگ ہیں جنہیں دوہرا اجر ملے گا کیونکہ وہ ثابت قدم رہے۔"

(۳)..... صبر واستقامت کا تیسرا فائدہ یہ ہے کہ یہ داعی کی دل بستگی کے ساتھ ساتھ اس کے لئے راستہ واضح کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کے بارہ میں ارشاد فرمایا ہے:

---

❶ أحمد ج:١ ص:٣٠٧۔ معجم كبير طبراني ج: ١١ ص:١٢٣۔ مسند عبد بن حميد: ٦٣٦۔

﴿قَالُوْا رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّ ثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَ انْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ﴾ [البقرة: ٢٥٠]

''انہوں نے دُعا کی، اے ہمارے پروردگار! ہمیں بے بہا صبر دے ہمارے قدم جمائے رکھ اور کافر قوم پر ہمیں غلبہ عطا فرما۔''

آنحضرت ﷺ کا بھی فرمان ہے:

((وَالصَّبْرُ ضِيَاءٌ.)) ❶

''صبر روشنی ہے۔''

دنیا و آخرت دونوں جہاں میں صبر اور بردباری کے اور بھی بہت سے فوائد ہیں طوالت سے بچنے کے لئے وہ تمام فوائد اور ان کے دلائل ذکر نہیں کئے جا رہے ہے۔

حلم و بردباری کا ایک عظیم ترین فائدہ یہ ہے کہ مدعوین داعی سے محبت کرنے لگ جاتے ہیں اور جب ردِّعمل نہیں ہوتا تو دعوت پھیلتی جاتی ہے۔ ایک صابر و بردبار، لوگوں کی نظروں میں پسندیدہ و مقبول داعی میں اور کم ظرف، کمینہ خصلت، انتقام پسند اور لوگوں کو ناخوش گواری سے ملنے والے داعی میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

(۴) عفو و درگزر:

صبر، عفو و درگزر کا لازمی حصہ ہے اور حلم و بردباری چشم پوشی کا بنیادی تقاضا ہے، لیکن ان دو خوبیوں کو الگ الگ اس لئے ذکر کیا گیا ہے کہ ان دونوں کا دعوت کے مقبول ہونے یا نامقبول ہونے میں بڑا دخل ہے۔ دعوتِ دین کا کام اور لوگوں کی طرف سے اذیّت رسانی شروع سے ہی ایک ساتھ چلی آرہی ہیں۔ اذیّت دینے والے سے دور رہنا یا اس سے انتقام لینا انسانوں کی فطرت میں شامل ہے اسی طرح انتقام پسند داعی کی دعوت کو مسترد کرنا اور اس سے نفرت کرنا بھی انسانی مزاج کا حصہ ہے۔ جب یہ صورتِ حال ہوتی ہے تو داعی کو نقصان ہوتا ہے، مدعوین دور ہو جاتے ہیں اور عملِ دعوت رُک جاتا ہے، اور لوگوں کو راہِ ہدایت نہیں

❶ مسلم: ۲۲۳۔ احمد: ج:۵ص: ۳۴۲، ۳۴۳۔

ملتی۔ اسی لئے اللہ نے داعی کو مدعوّین سے چشم پوشی اور عفو ودرگزر کرنے کو کہا ہے تاکہ لوگوں کے دل ودماغ ہر قسم کی کدورت سے صاف وشفاف ہوں اور وہ دعوت کی طرف پوری طرح متوجہ ہوں اور اسے قبول کریں۔ اس کا مقابلہ یا اس سے نفرت نہ کریں۔

ارشاد ربّ العزت ہے:

﴿وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ إِنَّ ذَٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ﴾ [الشوریٰ: ۴۳]

''اور جس نے صبر کیا اور معاف کیا تو بے شک یہ عزیمت کے اوصاف میں سے ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے عام مسلمانوں کو عموماً اور اہلِ دعوت کو خصوصاً مخاطب ہو کر فرمایا ہے

﴿فَاعْفُوا وَاصْفَحُوا حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ﴾ [البقرۃ: ۱۰۹]

''درگزر کرو اور نظر انداز کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ صادر فرمائے۔''

اس لئے داعی کے لئے ضروری ہے کہ وہ عفو ودرگزر اور چشم پوشی سے مزین ہو۔ اس میں نکتے کی بات یہ ہے کہ کچھ لوگ جاہل اور خودغرض ہوتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ دعوتِ دین ان کے کاموں میں مداخلت اور آزادی سلب کرنے کا دوسرا نام ہے لہٰذا اس لئے وہ قول وفعل کے ذریعے جوابی کاروائی پر اتر آتے ہیں اور وہ دشنام طرازی، مار پٹائی، استہزاء اور کینہ پروری کرنے لگ جاتے ہیں۔

میدانِ دعوت میں معاف کرنے اور چشم پوشی کرنے سے مراد یہ ہے کہ اذیّت رسانی کی بناء پر ہونے والے اثرات کو دل ودماغ سے ختم کر دیا جائے اور جذبۂ انتقام دھو دیا جائے۔ مدعوّین کے ساتھ خندہ پیشانی اور خوش دلی کے ساتھ ایسے پیش آیا جائے جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔ داعی کے دل میں اذیّت دینے والے کے بارہ میں کوئی کینہ نہ ہو، اس کی نقصان دہی کی بناء پر کوئی انتقامی جذبہ نہ ہو بلکہ جب بھی تکلیف پہنچے وہ اسے معاف کر دے اور جب بھی کوئی نقصان ہو چشم پوشی کرے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالْكَٰظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ ۗ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ﴾

[آل عمران: ۱۳۴]

''غصہ کو ضبط کرنے والے اور لوگوں سے درگزر کرنے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ احسن انداز اپنانے والوں کو دوست رکھتا ہے۔''

آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے:

((وَمَا زَادَ اللّٰهُ عَبْدًا بِعَفْوٍ إِلَّا عِزًّا)) ❶

''اللہ تعالیٰ معاف کرنے سے آدمی کی عزت میں اضافہ کرتا ہے۔''

آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ ایمان کا اعلیٰ درجہ کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''صبر کرنا اور چشم پوشی کرنا۔'' ❷

یہ دونوں خوبیاں ہر مسلمان کی عظیم الشان خوبیوں میں سے شمار ہوتی ہیں۔ ایک داعی کو تو انھیں بدرجہ اولیٰ اپنانا چاہیے۔

انبیاء ورسل علیہم السلام اور ان کی اقوام کا رویہ بالخصوص ہمارے پیارے پیغمبر اور آپ کی قوم کا رویّہ اس کی بہت بڑی دلیل ہے۔ کفار مکہ کی طرف سے آپ ﷺ کو اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو طرح طرح کی تکلیفیں پہنچنے کے باوجود آپ ﷺ کے مزاج میں چشم پوشی اور آپ کا شعار عفو ودرگزر ہی رہا۔ طائف کے رہنے والے، جنھوں نے آپ ﷺ کی دعوت کو مسترد کر دیا تھا، اذیت پہنچاتے ہوئے آپ ﷺ کو خون آلود کر دیا تھا، آپ ﷺ پر پھبتیاں کسی تھیں ان کا واقعہ مشہور ومعروف ہے۔ ❸

اس کے باوجود آپ ﷺ ثابت قدم رہے اور ان سے درگزر اور حسنِ سلوک کرتے رہے اس قسم کے مواقع پر آپ ﷺ یہ مشہور الفاظ زبان مبارک پر لایا کرتے تھے۔

---

❶ مسلم: ۲۵۸۸۔

❷ مصنف ابن أبی شیبة: ج:٦ ص:١٦٧۔

❸ سیرت ابن ھشام: ج:۲ ص: ٦٧۔

((اَللّٰهُمَّ اهْدِ قَوْمِي فَإِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ .))

"اللہ میری قوم کو ہدایت دے وہ جانتے نہیں ہیں۔" ❶

فتح مکہ کے وقت اہلِ مکہ سے آنحضرت ﷺ کا درگزر فرمانا محتاجِ بیان نہیں ہے حالانکہ انہوں نے آپ ﷺ کو اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو شدید اذیتوں سے دوچار کیا تھا، یہ بات تاریخ کے اوراق میں مستقل طور پر محفوظ ہے۔ ❷

رسول اللہ ﷺ نے اس دیہاتی کو معاف کر دیا تھا جس نے اتنے زور سے آپ کی گردن میں کپڑا باندھ کر کھینچا کہ اس سے گردن پر نشان پڑ گئے۔ ❸

اسی طرح جب آپ ﷺ درخت کے نیچے آرام فرما رہے تھے اور ایک مشرک قتل کرنے کے ارادے سے آپ ﷺ کے پاس آیا۔ آپ ﷺ کی تلوار درخت سے لٹک رہی تھی اس نے آپ کی تلوار پکڑ کر کہا: تمہیں مجھ سے کون بچائے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "اللہ۔" اس کے ہاتھ سے تلوار گر گئی پھر آپ ﷺ نے اسے پکڑا اور پوچھا تمہیں مجھ سے کون بچائے گا؟ وہ کہنے لگا: آپ بہتر رویہ اختیار کریں۔ آپ نے پوچھا: کیا تم لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ پڑھتے ہو؟ اس نے کہا یہ تو نہیں پڑھتا تاہم یہ معاہدہ کرتا ہوں کہ قتال نہیں کروں گا، پھر آپ ﷺ نے اسے چھوڑ دیا، وہ اپنے دوستوں کے پاس جا کر کہنے لگا "میں ایک ایسے شخص کے پاس سے آیا ہوں جو سب انسانوں سے نیک ہے۔" ❹

آپ ذرا غور کریں کہ وہ شخص آپ ﷺ کو قتل کرنے کو تیار تھا اور کفر پر بھی مصر رہا لیکن آپ ﷺ نے اسے پھر بھی معاف فرما دیا۔

---

❶ ابو نعیم فی تاریخ أصبهان ج:٢ ص:١١٥، ١٣٠۔ ابن عساکر فی تاریخ دمشق ج:٦٢ ص:٢٤٧۔

❷ سنن کبریٰ بیہقی: ج:٩ ص:١١٨۔

❸ بخاری: ٣١٤٩۔ مسلم: ١٠٥٧۔

❹ بخاری: ٢٩١٠۔ مسلم: ٨٤٣۔ احمد: ج:٣ ص:٣٦٥۔

اے اللہ! ہمیں بھی فہم وفراست عطا فرما اور درگزر کرنے کی توفیق دے۔ آنحضرت ﷺ پر تا قیامت صلاۃ وسلام ہو، ان کی ساری زندگی عفو ودرگزر سے ہی لبریز ہے۔

عفو ودرگزر کے عظیم ثمرات ہیں، مثلاً:

✿ :.... اس سے داعی کا دل خوش رہتا ہے، اسے شرحِ صدر حاصل رہتی ہے، عفو ودرگزر اور چشم پوشی ایسے کام ہیں جن سے دل کو خوشی ہوتی ہے، لوگوں پر مزید توجہ دینے اور انہیں دین سے بہرہ ور کرنے کا شوق بڑھتا ہے خواہ وہ اذیت ہی کیوں نہ پہنچاتے ہوں۔ جبکہ درگزر نہ کرنے سے دل میں کینہ جنم لیتا ہے اور جذبۂ انتقام پیدا ہوتا ہے لوگوں سے دل دور ہو جاتا ہے اور داعی ان سے رُخ موڑ لیتا ہے اور پھر دعوت چھوڑ دیتا ہے، ایک عقل مند کے لئے اس سے بڑھ کر اور کیا خسارہ ہوگا؟

✿ :.... عفو ودرگزر کی بنا پر لوگ داعی سے محبت کرتے ہیں، اسے مقبولیت سے نوازتے ہیں بلکہ اس کا دفاع کرتے ہیں۔

✿ :.... اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا بہت زیادہ ثواب ہے۔

(۵) عاجزی اختیار کرنا اور لوگوں سے مل جل کر رہنا:

ایک داعی لوگوں کے ہاں جتنا زیادہ پسندیدہ ہوگا اتنی ہی اس کی دعوت زیادہ مقبول اور اس کے اردگرد اجتماع زیادہ ہوگا۔ تواضع سے زیادہ کوئی بھی چیز داعی کو لوگوں کا پسندیدہ نہیں بناتی اس لئے اللہ نے اسے اختیار کرنے کا حکم دیا ہے اور تکبر کو حرام قرار دیا ہے۔

یاد رکھیے! تواضع لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہنے سے پیدا ہوتی ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے دونوں باتوں کا ایک ساتھ حکم دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُم بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ ۖ وَلَا تَعْدُ عَيْنَاكَ عَنْهُمْ تُرِيدُ زِينَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ﴾ [الکہف: ۲۸]

"اور اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ جمائے رکھو جو صبح وشام اپنے ربّ کی رضا

جوئی میں اس کو پکارتے ہیں اور آپ کی نگاہیں حیاتِ دنیا کی زینتوں کی خاطر ان سے ہٹنے نہ پائیں۔"

نیز فرمایا:

﴿ وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا ﴾ [لقمان : ١٨]

"اور لوگوں سے بے رخی نہ کر اور زمین میں اکڑ کر نہ چل۔"

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

"لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ مِنْ كِبْرٍ" ❶

"جس شخص کے دل میں سرسوں کے ایک دانے کے برابر بھی تکبر ہوگا وہ شخص جنت میں نہیں جائے گا۔"

آپ ﷺ نے فرمایا:

"وَمَا تَوَاضَعَ أَحَدٌ لِلّٰهِ إِلَّا رَفَعَهُ" ❷

"جو شخص اللہ تعالیٰ کی خاطر تواضع اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے رفعت وبلندی سے ہمکنار کرتا ہے۔"

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بازار میں جاتے کسی قسم کی خرید وفروخت نہ کرتے بلکہ صرف لوگوں کو سلام کہتے۔ جب لوگ انہیں دیکھتے تو خوش ہوتے اور ان کے اردگرد جمع ہو جاتے، ان سے مسائل پوچھتے، آپ انہیں جوابات دیتے اور ان کے مسائل حل کرتے۔ ❸

لوگوں کے ساتھ ملنے جلنے، ان کے حالات سے آگاہ رہنے، ان کی ضروریات کا پتہ رکھنے اور ان کی مشکلات پر نظر رکھنے سے جس قدر عملِ دعوت کو پذیرائی ملتی ہے اس سے بڑھ

---

❶ أحمد ج:١ ص:٤١٢، مسلم:٩١۔

❷ مسلم: ٢٥٨٨۔

❸ بخاري الأدب المفرد بخاري: ١٠٠٦۔ موطأ مالك ج:٢ ص ٩٦٢۔

کر کسی اور چیز سے نہیں ملتی۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ”جو مسلمان لوگوں کے ساتھ گھل مل کر رہتا اور ان کی طرف سے اذیت پہنچنے پر صبر کرتا ہے وہ اس مسلمان سے بہتر ہے جو ان کے ساتھ مل جل کر نہیں رہتا اور ان کی اذیت پر صبر نہیں کرتا۔“ ❶

سابقہ انبیاء کرام علیہم السلام کا یہی طریقہ تھا وہ تواضع وانکساری اختیار کرتے، لوگوں سے مل جل کر رہتے، ان کے لئے اپنے دروازے کھلے رکھتے اور ان سے فراخ دل ہو کر پیش آتے۔ ہمارے لئے رسول اللہ ﷺ اسوۂ حسنہ ہیں، آپ صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ مل جل کر رہتے تھے، غیر شادی شدہ کی شادی کرواتے، مریض کی عیادت کرتے، ان کے حالات پر نظر رکھتے، فوت ہونے والے کے جنازے کے ساتھ جاتے، غریب کی مدد کرتے، حتیٰ کہ مریض اگر دشمنوں میں سے بھی ہو تو اس کی عیادت کرتے، آپ ﷺ نے ایک دفعہ ایک یہودی کے بیٹے کی عیادت کی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک یہودی لڑکا رسول اللہ ﷺ کی خدمت کیا کرتا تھا، وہ بیمار ہو گیا آپ اس کے پاس عیادت کے لئے آئے اور اس کے سر کے پاس بیٹھ گئے اور کہنے لگے: ”تم اسلام قبول کر لو“ اس نے اپنے والد کی طرف دیکھا جو اس کے پاس ہی بیٹھا تھا۔ اس نے کہا: ”ابو القاسم کی بات مان لو۔“ اس نے اسلام قبول کر لیا۔ آنحضرت ﷺ وہاں سے باہر آئے تو آپ ﷺ کی زبان پر یہ الفاظ تھے ”ہر قسم کی تعریف اللہ کے لئے ہے جس نے اسے دوزخ سے بچا لیا۔“ ❷

ایک لونڈی آپ کے ہاتھ کو پکڑے ہوئے ہے اور آپ ﷺ مدینہ منورہ میں اس کے پیچھے جا رہے ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے الفاظ یہ ہیں ”کہ ایک لونڈی بھی آپ ﷺ کا ہاتھ پکڑ کر انہیں اپنے کام کے لئے مدینہ منورہ لے جایا کرتی تھی۔“ ❸

---

❶ احمد: ج:۲ ص: ۴۳۔ ترمذی: ۲۵۰۷۔ ابن ماجه: ۴۰۳۲۔

❷ بخاری: ۱۳۵۶، ۵۶۵۷۔

❸ احمد: ج:۳ ص:۹۸ ابن ماجه: ۳۳۶۷۔

اگر آپ آنحضرت ﷺ کو بحیثیتِ طبیب دیکھنا چاہیں تو وہ بحیثیتِ طبیب نظر آئیں گے، مصلح کی حیثیت سے دیکھنا چاہیں تو وہ مصلح دکھائی دیں گے اور تاجر کی صورت میں چاہیں تو تاجر کی صورت میں بھی دیکھ سکتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگا کہ ایک عورت نے آپ ﷺ سے شکایت کی کہ اس کا خاوند اس سے ہم بستری کم کرتا ہے۔ ❶

آپ ﷺ اپنے ایک صحابی کے گھر میں ملنے کے لئے گئے اس کا ایک بیٹا تھا جس نے پنجرے میں ایک پرندہ پال رکھا تھا اس کے مرنے کی وجہ سے وہ غمگین تھا، رسول اللہ ﷺ نے اس کی دل جوئی کے لئے خوش طبعی کے طور پر فرمایا "يَا أَبَا عُمَيْرٍ مَا فَعَلَ النُّغَيْرُ؟" "ابوعمیر! تمہاری بلبل کو کیا ہوگیا؟" ❷

ذرا دیکھئے! یہ انداز کتنا لطیف اور اُسلوب کیسا بے مثال ہے۔ ساری مخلوق کے سردار، انبیاء ورسل کے سرخیل، دنیا جہاں کے بادشاہ ایک بچے کو خوش کرتے ہوئے اس سے غم خواری کر رہے ہیں وہ بھی ایک چڑیا سے محروم ہوجانے کی خاطر۔ اہلِ علم اور داعی حضرات کو ایسا اخلاق کس قدر زیب دیتا ہے۔

ایک دفعہ آپ کے پاس ایک شخص نے اسہال کی تکلیف کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اسے شہد پلاؤ، حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا: میرے بھائی کا پیٹ خراب ہے آپ نے فرمایا: "اسے شہد پلاؤ" وہ دوبارہ آگیا، آپ ﷺ نے پھر فرمایا: "اسے شہد پلاؤ" وہ تیسری دفعہ آیا تب بھی آپ ﷺ نے اسے کہا: "اسے شہد پلاؤ۔" اس کے بعد وہ پھر آگیا، آپ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ کا فرمان سچ ہے، تمہارے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے اسے شہد ہی پلاؤ" اس دفعہ اس نے شہد پیا تو وہ شفایاب ہوگیا۔ ❸

---

❶ بخاری: ۵۸۲۵ مسلم: ۱۴۳۳۔

❷ بخاری: ۶۱۲۹، ۶۲۰۳ مسلم: ۲۱۵۰۔

❸ بخاری: ۵۶۸۴، ۵۷۱۶۔ مسلم: ۲۲۱۷۔

لوگوں سے حُسنِ معاشرت اور تواضع کی انتہاء ہے، اللہ تعالیٰ کے پیغمبر، کائنات کے سردار، صدر نشینِ مملکت سے ایسے مرض کے بارے میں معلومات لی جارہی ہیں جسے لوگ بتانے سے بھی شرماتے ہیں، اللہ ربّ العزت کا رسول ہوکر آپ بچے سے خوش طبعی کررہے ہیں، ایک خادم کو اس کے گھر ملنے جارہے ہیں، ایک لونڈی کے ساتھ کام کے لئے جارہے ہیں، وہ کتنی عظمت کے مالک پیغمبر، بہت بڑے لیڈر اور بارعب حکمران تھے۔ یہی وہ تربیت ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہرہ ور کیا اور یہ کہہ کر نصیحت فرمائی:

﴿وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِينَ﴾ [الحجر : ۸۸]

"اور اپنی شفقت کے بازو اہلِ ایمان پر جھکائے رکھو۔"

آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے تکبر کے شائبہ اور مدعوین کے ساتھ خشک روی اختیار کرنے سے منع کیا اور ارشاد فرمایا:

﴿وَلَا تَطْرُدِ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُم بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ﴾ [الأنعام : ۵۲]

"اور تم ان لوگوں کو اپنے سے دور نہ کرو جو صبح وشام اپنے ربّ کو اس کی خوشنودی چاہتے ہوئے پکارتے ہیں۔"

نابینا صحابی عبداللہ بن امِ مکتوم رضی اللہ عنہ کے بارہ میں جب آپ ﷺ نے اپنی ذاتی اجتہاد کی روشنی میں پیشانی پر شکن لیا تو باری تعالیٰ کی طرف سے فوراً ان الفاظ میں سرزنش ہوئی:

﴿عَبَسَ وَتَوَلَّىٰ ۝ أَن جَاءَهُ الْأَعْمَىٰ﴾ [عبس: ۱ ۔ ۲]

"اس نے تیوری چڑھائی اور منہ پھیرا کہ اس کے پاس نابینا آیا۔"

کیا آپ ﷺ نے اس کے بعد اس نابینا کو عتاب کیا؟ اس سے غصے ہوئے ہوں یا اعزاز واکرام اور محبت سے ہٹ کر کوئی موقف اختیار کیا ہو؟ قطعاً نہیں۔

محترم! اس عجز وانکساری اور باہمی میل جول کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دلوں پر اثرات دیکھیں۔ اس نے انہیں کیسی صداقت، تربیت اور عمل سے بہرہ ور کردیا۔ انہی خوبیوں نے

انہیں پوری انسانیت کے لئے بہترین اُمّت بنادیا۔

مناسب ہوگا کہ ان وجوہات کا بھی رونا رویا جائے جن کی بنا پر عموماً عوام الناس اور خصوصاً نوجوانوں کے درمیان اور اہلِ علم اور داعی حضرات کے درمیان ایک بہت بڑی خلیج حائل ہوئی ہے۔ جس کی بنا پر کچھ داعی اور علماء الگ تھلگ ہوگئے ہیں، انہوں نے اپنے دروازے بند کر لئے ہیں وہ لوگوں سے مل جُل کر نہیں رہتے، وہ عوام الناس غریبوں اور نوخیز نسل کے ساتھ بیٹھنے سے اُف اُف کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان میں خلیج پیدا ہوگئی ہے اوران کے (درمیان) غلط نظریات اور ناحق خیالات نے جنم لیا ہے۔ اگر عالمِ ربانی اپنے مدعوین سے مل جل کر رہے، ان کی مسلسل تربیت کرتا رہے تو اسے ابتداء ہی میں خطرات سے آگاہی ہوجائے گی اور وہ ناحق بات کے جنم لیتے ہی اس کا تدارک کرے گا۔ اس کی مثال ایسے ہی ہے جیسے ایک ڈاکٹر اپنے مریضوں کے حالات سے آگاہی رکھتا ہے۔ لیکن اگر داعی اور مربی ہی منہ موڑ لے اور لوگوں سے الگ تھلگ ہوجائے تو بیماری اور بڑھے گی اور علاج مزید مشکل ہوجائے گا۔

(۶) حُسنِ اخلاق اور فراخ دلی:

متذکرہ بالا خوبی کی میدانِ دعوت میں اہمیت وضرورت:

کوئی بھی ایسی خوبی نہیں جو انسان کے لئے حُسنِ اخلاق سے بڑھ کر ہو اور حُسنِ معاشرت سے بہتر کوئی طریقہ نہیں جس سے لوگوں کو گرویدہ کیا جائے۔ حُسنِ اخلاق کو پسند کرنا انسان کی فطرت ہے خواہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہو اسی طرح بداخلاقی کو ناپسند کرنا، بداخلاق سے دور رہنا بھی انسانی مزاج میں شامل ہے خواہ وہ کتنا بڑا شخص ہی کیوں نہ ہو۔ ارشاد ربّ العزت ہے:

﴿ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ ﴾

[آل عمران: ۱۵۹]

"اگر تم تندخو اور سخت دل ہوتے تو تمہارے پاس سے یہ منتشر ہوجاتے۔"

ہمیں لوگوں کے دلوں میں اترنے، انہیں اکٹھا رکھنے اور ان میں باہمی اُلفت پیدا کرنے کے لئے خوش اخلاقی اور حُسنِ معاشرت سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں مل سکتی۔ حُسنِ اخلاق انسان کا تاج اور معنوی حسن ہے۔ شاعر کہتا ہے:

لَيْسَ الْجَمَالُ بِمِئْزَرٍ
فَاعْلَمْ وَإِنْ رُدِّيتَ بُرْداً
إِنَّ الْجَمَالَ مَعَادِنٌ
وَمَنَاقِبٌ أَوْرَثْنَ حَمْداً

''تمہیں خواہ کتنی ہو خوبصورت پوشاک پہنا دی جائے یہ نہ سمجھنا کہ حُسن و جمال پوشاک سے ہوتا ہے اخلاق کے تو سرچشمے اور بلند کارنامے ہیں جو ستائش و تعریف سے سرفراز کرتے ہیں۔''

ایک دوسرے شاعر نے کہا ہے:

إِلْبَسْ جَدِيدَكَ إِنِّي لَابِسٌ خُلُقِي
وَلَا جَدِيدٌ لِمَنْ لَا يَلْبَسُ الْخُلُقَا

''تم نیا لباس پہنو، میں اخلاق کو زیبِ تن کروں گا۔ جو اخلاق کے لباس سے محروم ہے اس کے لئے کوئی چیز نئی نہیں ہے۔''

جب ایک داعی اس سے آراستہ ہوگا تو وہ مدعوین کے دلوں کو آرام اور راحت فراہم کرے گا اور اس کی دعوت کو از حد پذیرائی حاصل ہوگی۔ کتنے لوگ ہیں جو باطل کی دعوت کو شیریں بیانی اور حسنِ اخلاق کے ذریعے مقبول بنا دیتے ہیں اس کے برعکس صحیح دعوت کو خشک مزاجی یا بداخلاقی کی بنا پر ٹھکرا دیا گیا۔

داعی کے حُسنِ اخلاق سے نہ صرف دعوت کو پذیرائی ملتی ہے بلکہ معاشروں کی تشکیل میں اور لوگوں کے تزکیۂ نفس پر بھی اس کے دُوررس اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ یہ دعوتِ دین

کے علمبرداروں کا اہم ترین فریضہ ہے اور یہی حضرات درحقیقت معاشرہ ساز ہیں۔

معاشرے اخلاق سے عاری نظریئے اور عقیدے کے ذریعے نہیں بنتے۔ جو شخص یہ سمجھتا ہے وہ بہت بڑی غلطی کرتا ہے، عقیدے کے ساتھ ساتھ ایسے اخلاق کی ضرورت ہے جو لوگوں کو ایک دوسرے سے ملائے اور ان کا باہمی تعلق مضبوط کرے۔ یاد رکھیئے اگر عقیدہ معاشرے کی اینٹوں کی حیثیت رکھتا ہے تو اخلاق اس کا سیمنٹ ہے۔

بالفاظِ دیگر توحید، تقویٰ شعار ہونا، عبادت گزاری اور اخلاق سے خالی دعوت وتبلیغ نہ تو لوگوں کو جمع کر سکتی ہے اور نہ ہی کوئی اچھا معاشرہ قائم کر سکتی ہے۔ اگر ترش رو اور سخت مزاج ہونے کی بنا پر لوگ رسول اللہ ﷺ کی ہستی سے دور ہو جانے تھے تو ان سے کم درجہ لوگوں میں یہ چیز بدرجہ اتم ہوگی۔ کتاب وسنت میں عام مسلمانوں کے لئے بالعموم اور داعی حضرات کے لئے بالخصوص بد اخلاقی سے بچنے کے احکامات بکثرت ذکر ہوئے ہیں، اس سے دعوت کو بالخصوص اور باقی معاشرے کو بالعموم نقصان پہنچتا ہے۔

داعی حضرات کو جن میں سرفہرست سالارِ قافلۂ دعوت حضرت محمد ﷺ ہیں، بد اخلاقی کے انجامِ بد سے آگاہ کرتے ہوئے باری تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ ﴾

[آل عمران: ۱۵۹]

”اگر تم تند خو اور سخت دل ہوتے تو تمہارے پاس سے یہ منتشر ہو جاتے۔“

جب یہ بات آنحضرت ﷺ سے کی جا رہی ہے جو اہلِ توحید کے سردار، اہلِ تقویٰ کے رئیس، اہلِ عبادت کے سرخیل ہیں تو دوسروں کا اندازہ آپ خود ہی لگائیں۔ میدانِ دعوت میں حُسنِ اخلاق کی اہمیت سے غفلت برتنے کی وجہ سے بہت سے لوگ اہلِ دعوت سے متنفر اور راہِ ہدایت سے ہٹ گئے ہیں۔ کاش ہم عبرت حاصل کریں۔

اس ساری وضاحت وتشریح کے بعد خلاصہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کی بعثت کا مقصد ہی یہ تھا کہ اخلاق حسنہ کی تکمیل کی جائے، آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

((إِنَّمَا بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ صَالِحَ الْأَخْلَاقِ .)) ❶

"مجھے مبعوث ہی اس لئے کیا گیا ہے کہ میں عمدہ اخلاق کو کمال تک پہنچا دوں۔"

عمدہ اخلاق اور حُسنِ معاشرت کا مفہوم:

عمدہ اخلاق اور حُسنِ معاشرت کا مظہر کوئی خطبۂ جمعہ، کوئی لیکچر دینا یا کوئی کتاب تصنیف کرنا نہیں، اس کا مظہر تو عملی نمونہ اور اخلاقی رویہ ہے جو آدمی کے معاملات اور مختلف مواقع پر اس کے موقف سے دکھائی دیتا ہے۔ یہ تو معاملات میں فراخ دل ہوتے، عفو و درگزر کرنے، خندہ پیشانی سے پیش آنے، خوش گفتار ہونے، میٹھے میٹھے بول بولنے، کمزوروں پر شفقت کرنے، صاحبِ حیثیت لوگوں کی تعظیم کرنے اور اہلِ علم کا احترام کرنے کا نام ہے۔

کسی کو تکلیف نہ دینا، سخاوت کرنا، نرم رویہ اختیار کرنا، حُسنِ ظن رکھنا، عذر قبول کرنا، نیکیوں کو مدِّ نظر رکھنا، دوستوں سے تواضع سے پیش آنا، لوگوں کی کمزوریوں سے چشم پوشی کرنا، انتقام نہ لینا یہ سب حُسنِ اخلاق ہے بلکہ ایک مسلمان اور داعی کی تمام خوبیوں کو حُسنِ اخلاق کہا جائے تو یہ بے محل اور غلط نہ ہوگا۔

سیرت النبی اور حُسنِ اخلاق:

حسنِ اخلاق کا انسانی زندگی پر گہرا اثر ہوتا ہے، معاشرے کے مختلف میدانوں پر بالعموم اور داعی کی دعوت پر بالخصوص اس کے اثرات ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ زندگی کے ہر شعبے میں حُسنِ اخلاق کو اپنانے اور اس سے متضاد رویئے کو ترک کرنے کی جابجا ہدایات موجود ہیں۔

رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارہ میں تاریخ نے ایسے سنہری اور سچے واقعات محفوظ کئے ہیں جو حُسنِ اخلاق کا عملی پرتو ہیں، انہیں پڑھ کر دلوں کو سرور حاصل ہوتا ہے، یہ قیامت تک کے لئے ہر داعی کے لئے اسوۂ اور نمونہ ہیں۔ اس موقع پر وہ سب تو بیان نہیں ہو سکتے تاہم کچھ کو بطورِ اشارہ ذکر کرنا مناسب ہوگا۔ ارشاد رب العزت ہے:

﴿وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ ۝﴾ [القلم: ٤]

---

❶ أحمد ج: ٢ص: ٣٨١، صحیح الحاکم ج: ٢ص: ٦١٣.

"اور تم بے شک ایک اعلیٰ کردار پر ہو۔"

اس آیت کی دو خوبصورت تفسیریں ہو سکتی ہیں ایک یہ کہ نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی عظیم اخلاق سے موصوف ہے۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ جس شریعت، منہج، معاملات اور رویے پر گامزن تھے وہ خلقِ عظیم تھا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ﴿وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ﴾ سے مراد یہ ہے کہ آپ کو ایک عظمت والا دین یعنی دین اسلام عطا ہوا ہے۔ مجاہد، ابو مالک، ربیع، ضحاک اور ابن زید ان تمام مفسرین حضرات سے بھی اسی طرح کی تفسیر منقول ہے۔ ❶

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ ﴿١٩٩﴾﴾

[الأعراف: ١٩٩]

"درگزر کرو، نیکی کا حکم دو اور جاہلوں سے اعراض کرو۔"

نیز فرمایا:

﴿الَّذِينَ يُنْفِقُونَ فِي السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ ۗ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴿١٣٤﴾﴾ [آل عمران: ١٣٤]

"ان لوگوں کے لیے جو کشادگی اور تنگی ہر حال میں خرچ کرتے رہتے ہیں، غصہ کو ضبط کرنے والے اور لوگوں سے درگزر کرنے والے ہیں اور اللہ خوب کاروں کو دوست رکھتا ہے۔"

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: "کہ رسول اللہ ﷺ بہترین اخلاق کے مالک تھے۔" ❷

---

❶ تفسیر ابن کثیر: ج:٤ ص:٤٢٩۔

❷ بخاری: ٦٢٠٣۔ مسلم ٢١٥٠، ٦٥٩۔

"آپ کا اخلاق قرآن مجید کا آئینہ دار تھا۔" ❶

اہل علم کہتے ہیں کہ ان کی مراد یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ قرآن مجید کو بطور نمونہ اپناتے تھے، قرآن مجید جو کچھ کہتا آپ اس پر عمل پیرا ہوتے اور جس سے منع کرتا اس سے رک جاتے۔ ❷

حسنِ اخلاق سے متعلق احادیث

مناسب ہوگا کہ اس گفتگو کے اختتام سے پہلے رسول اکرم ﷺ کے کچھ عطر بیز فرامین ذکر کر دیئے جائیں تا کہ حسنِ اخلاق کی اہمیت اجاگر ہو جائے۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((مَا مِنْ شَيْءٍ أَثْقَلُ فِي مِيزَانِ الْعَبْدِ الْمُؤْمِنِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ خُلُقٍ حَسَنٍ ، وَإِنَّ اللّٰهَ لَيُبْغِضُ الْفَاحِشَ الْبَذِيءَ .))

"قیامت کے دن انسان کے ترازو میں حُسنِ اخلاق سے زیادہ وزنی کوئی عمل نہیں ہوگا۔ یقین جانیے اللہ تعالیٰ فحش گو اور بدزبان شخص کو سخت ناپسند کرتا ہے۔" ❸

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ زیادہ تر لوگ کس عمل کے ذریعے جنت میں جائیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: خوفِ خدا اور حُسنِ اخلاق کے ذریعے، پھر پوچھا گیا کہ زیادہ تر لوگ کس وجہ سے دوزخ میں جائیں گے، آپ نے فرمایا:

"اَلْفَمُ وَالْفَرْجُ۔" ❹

"زبان اور شرمگاہ کی وجہ سے۔"

رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی فرمایا:

((أَكْمَلُ الْمُؤْمِنِينَ إِيمَانًا أَحْسَنُهُمْ خُلُقًا .)) ❺

---

❶ احمد: ج:٦ ص: ١٦٣ حاکم: ج:٢ ص: ٤٩٩۔

❷ تفسیر ابن کثیر: ج:٤ ص: ٤٢٩۔

❸ ترمذی: ٢٠٠٢۔ ❹ الترمذی: ٢٠٠٤۔

❺ ترمذی: ١١٦٢۔

''کامل ترین ایمان والے مومن وہ ہیں جو بہترین اخلاق کے مالک ہیں۔''

حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((أَنَا زَعِيمٌ بِبَيْتٍ فِي رَبَضِ الْجَنَّةِ لِمَنْ تَرَكَ الْمِرَاءَ وَإِنْ كَانَ مُحِقًّا، وَبِبَيْتٍ فِي وَسَطِ الْجَنَّةِ لِمَنْ تَرَكَ الْكَذِبَ وَإِنْ كَانَ مَازِحاً، وَبِبَيْتٍ فِي أَعْلَى الْجَنَّةِ لِمَنْ حَسَّنَ خُلُقَهُ.)) ❶

''جو شخص حق پر ہونے کے باوجود بحث ومباحثہ نہیں کرتا، میں اس کے لئے جنت کے زیریں حصے میں ایک گھر کی ضمانت دیتا ہوں اور جو شخص مزاح میں جھوٹ نہیں بولتا اس کے لئے جنت کے وسط میں اور جو حسنِ اخلاق کو اپناتا ہے اس کے لئے جنت کے بالائی حصے میں ایک گھر کا ضامن ہوں۔''

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"إِنَّ الْمُؤْمِنَ لَيُدْرِكُ بِحُسْنِ خُلُقِهِ دَرَجَةَ الصَّائِمِ الْقَائِمِ."

''حسنِ اخلاق کے ذریعے مومن روزہ دار، تہجد گزار کا درجہ حاصل کر لیتا ہے۔'' ❷

(۷) حُسنِ گفتار اور بے وقوفوں سے اعراض:

یہ ایک طے شدہ بات ہے کہ داعی کو مشکل حالات اور کٹھن مراحل کا سامنا کرنا پڑتا ہے کیونکہ لوگوں کے مزاج مختلف اور ان کے مفاد جدا جدا ہیں۔ ان کے راستے الگ الگ ہیں، کچھ لوگ حق کے متلاشی ہیں لیکن ان کا اُسلوب جارحانہ ہے، کچھ بہتر انداز میں سوال کرنے اور بات کرنے سے قاصر ہیں، کچھ متشدد ہیں، کچھ الفاظ کا بہت زیادہ خیال رکھتے ہیں اور ایسا معنی دینا چاہتے ہیں جس کی ان میں گنجائش نہیں، کچھ لوگ ازاو تنگ ظرف اور بدمزاج ہیں وہ حسد وبغض کی بنا پر اس دعوت کو نقصان پہنچاتے اور اسے مٹانے کے لئے اس کی شہرت کو خراب کرتے ہیں اور اس پر الزام تراشی کرتے ہیں، یہ سب کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں بھی موجود تھا اور آئندہ بھی ہر دور میں ہر داعی کے ساتھ ہوگا۔

❶ أبو داؤد: ٤٨٠٠.　❷ أبو داؤد: ٤٧٩٨.

رسول اللہ ﷺ کے ساتھ پیش آمدہ واقعات:

ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے پھوپھی زاد بھائی حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور ایک آدمی کے درمیان کسی جھگڑے کا فیصلہ کیا یہ فیصلہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے حق میں ہوا تو وہ آدمی کہنے لگا یہ اس لئے ہے کہ یہ تمہاری پھوپھی کا بیٹا ہے۔ ❶

اللہ تعالیٰ محفوظ فرمائے کیسی بدگمانی تھی، نتیجہ یہ ہوا کہ نبی کریم ﷺ نے فیصلے کو اور سخت کر دیا اور اس شخص کے الزام کی ذرا پرواہ نہ کی۔

ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے مالِ غنیمت تقسیم کیا تو ذوالخُویصرہ نامی ایک شخص آپ سے کہنے لگا: یا رسول اللہ ﷺ! انصاف کریں۔ دوسری روایت ہے یا رسول اللہ ﷺ! اللہ سے ڈریں، یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "افسوس! اگر میں انصاف نہیں کروں گا تو کون کرے گا؟" ❷

اس کے بعد آپ نے لوگوں کو اس سے اور اس کے ساتھیوں سے بچنے کی تلقین کی لیکن انتقام نہیں لیا۔ نفاق سے اللہ کی پناہ..........

اسی طرح ایک خانہ بدوش نے رسول اللہ ﷺ کے چوغے کو اس قدر بل دیئے کہ اس کے نشان آپ کی گردن پر پڑ گئے وہ آپ ﷺ سے قرض کی واپسی کا مطالبہ کر رہا تھا۔ آپ ﷺ نے ایک نگاہ اس پر ڈالی پھر ہنس پڑے اور اسے عطیہ دینے کا حکم جاری کر دیا۔ ❸

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی حسنِ کردار کی توفیق دے۔

اس قسم کے عظیم برتاؤ کے ذریعے آپ ﷺ اپنے رفقاء کی اخلاقی تربیت فرمایا کرتے تھے۔

داعی کو اس بات سے آگاہ رہنا چاہیے کہ اس کے الفاظ نپے تلے ہوں، اس کا رویہ معتدل ہو، وہ اس چیز سے چوکس اور ہوشیار رہو کہ کہیں اس کا کوئی اندازِ تصرف عملِ دعوت کے

---

❶ بخاری: ۲۳۵۹، ۲۳۶۰، ۲۷۰۸۔ مسلم: ۲۳۵۷۔

❷ بخاری: ۳۳۴۴، ۴۳۵۱، ۶۱۶۳، ۶۹۳۳، ۷۴۳۲۔ مسلم: ۱۰۶۴۔

❸ بخاری: ۵۸۰۹۔ مسلم: ۱۰۵۷۔

لیے رکاوٹ نہ بن جائے یا اس کی زبان پہ ایسے الفاظ نہ آ جائیں جس سے بد باطن لوگ ناجائز فائدہ اٹھا کر اسے موضوع سخن اور داعی سے نفرت کا ذریعہ بنالیں۔ جبکہ وہ شعور یا لاشعور میں اللہ تعالیٰ کی راہ سے روک رہے ہوں بلاشبہ یہ چیز داعی کی شخصیت اور اس کے کام پر اثر انداز ہوتی ہے اور اس کے عملِ دعوت کو خراب کرتی ہے۔ داعی کی ایک معمولی غلطی کو بہت بڑا بنالیا جاتا ہے، اس کے معمولات کی تشہیر ہوتی ہے اور اس کے الفاظ کا چرچا ہوتا ہے۔

حسنِ معاملہ کے اُصول وضوابط:

(۱)..... اس کا پہلا اُصول یہ ہے کہ جواب دہی میں ٹھہراؤ اور معاملات میں دھیما پن برتا جائے اور ردِ عمل سے باز رہا جائے۔

(۲)..... غصے کے وقت ضبطِ نفس سے کام لیا جائے اور جذبۂ انتقام ختم کیا جائے۔

اس اُصول کو اپنانے کے لئے اس بات کو ذہن میں رکھنا نہایت ضروری ہے کہ دعوت وتبلیغ کا کام ذاتی اغراض ومقاصد سے مقدم ہو اور ساتھ ہی ساتھ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کے ثواب کی نیت کرلی جائے۔

(۳)..... تیسرا اُصول یہ ہے کہ اصلاحات اور خرابیوں کا موازنہ کیا جائے اس کا طریقہ یہ ہے کہ سائل کا مقصد سمجھنے کی کوشش کی جائے، اسے گہری بصیرت کے ساتھ جواب دیا جائے، اس کی بات پر غور وفکر کیا جائے اس کے بعد جو رویہ اپنایا جائے اس کے انجام پر گہری نظر ہو۔

(۴)..... انتہائی ضرورت کے موقع پر رواداری اور توریہ کو جائز سمجھنا چوتھا اُصول ہے۔ تنگی کو دور کرنے اور خرابیوں کے تدارک کے لئے رواداری اپنانا جائز ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ حق کو چھپانے کے لئے نہیں بلکہ تبدیلی لانے کے لئے حق بات کو برملا کہنے سے عارضی طور پر خاموش رہا جائے یا غلطی کرنے والے کا مقابلہ کرنے کی بجائے اس سے نرمی برتی جائے، کسی شرعی مصلحت کے لئے یا بڑے فساد سے بچنے کے لئے یا کسی دوسری فرصت کے پیشِ نظر اس کے کام کو اس کے سامنے صراحتاً ذکر نہ کیا جائے۔

حق بات کہنے سے خاموش رہنے کا یہ مطلب نہیں کہ ناحق کہنا یا حق میں بے جا رواداری جائز ہے۔ اس سلسلہ میں یہ اصول ملحوظ رہنا چاہیے کہ اگر آپ حق نہیں کہہ سکتے تو ناحق بھی نہ کہیں۔

''توریہ'' بھی رواداری کا ایک انداز ہے اس کا طریقہ یہ ہے کہ بات سچی کہی جائے، اس کے ظاہر سے کچھ اور سمجھ آرہا ہو اور مقصد کچھ اور ہو جب کہ بظاہر الفاظ اصل مقصد کے خلاف بھی نہ ہوں۔ ❶

لیکن اس کی شرط یہ ہے کہ اس سے کوئی غلط بات نہ سمجھی جا رہی ہو۔ یہ محض ایسے الفاظ پر منحصر ہوتا ہے کہ جن کے ذریعے خرابی اور بگاڑ سے بچا جاتا ہے۔

(۵)..... مختصر اور مشروط جواب دینا مثلاً اگر ایک شخص سے پوچھا جائے کہ ہمیں حکمران کی ہر بات ماننی چاہیے؟ وہ جواب میں کہے: اگر حکمران شریعت کے مطابق اور عدل وانصاف کی بات کہیں تو ضرور مانیں اور اگر وہ اللہ کی نافرمانی اور ظلم وزیادتی کی بات کہے تو اس کی اطاعت نہ کریں۔

(۶)..... رخ پھیر کر خاموشی اختیار کرنا۔

باری تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَامًا ۝﴾ [الفرقان: ٦٣]

''اور جب جاہل لوگ ان سے اُلجھتے ہیں تو وہ ان کو سلام کر کے رخصت ہو جاتے ہیں۔''

آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے:

((رَحِمَ اللّٰهُ امْرَأً قَالَ خَيْرًا أَوْ سَكَتَ .))

''اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحمت نازل فرمائے جو بات کرے تو اچھی کرے ورنہ خاموش رہے۔''

❶ مختار الصحاح: ج:١ ص: ١٧٨۔ التعريفات للجرجاني: ص:٧١۔

رسول اکرم ﷺ کے چند پُر حکمت جوابات:

حکمت سے لبریز جواب دینے اور حُسنِ معاملات میں رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ گرامی مثالی کردار کی حیثیت رکھتی ہے۔ آپ کا ہر جواب حکمت سے لبریز اور ہر معاملہ عظمت کا آئینہ دار ہے مثلاً: ایک دیہاتی نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ! قیامت کب آئے گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تم نے اس کے لئے کیا تیاری کی ہے؟ اس نے کہا: میں نے اس کے لئے کوئی زیادہ نمازیں، روزے اور صدقات وخیرات تو تیار نہیں کئے لیکن مجھے اللہ اور اس کے رسول سے محبت ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

"أَنْتَ مَعَ مَنْ أَحْبَبْتَ" ❶

"تم اس کے ساتھ ہو گے جس سے تمہیں محبت ہے۔"

دیکھئے! کیا پُر حکمت جواب ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے سائل کا رُخ ایک بے فائدہ بات سے ہٹا کر فائدہ مند بات کی طرف کر دیا اور اسے احساس بھی نہیں ہونے دیا۔ اگر رسول اللہ ﷺ اسے جواب دیتے "مجھے نہیں معلوم کہ قیامت کب آئے گی" ممکن تھا کہ اس کے دل میں کوئی بھی خیال آ جاتا اور وہ کوئی بھی بات کہہ دیتا کیونکہ وہ نیا نیا اسلام میں آیا تھا۔ یہ آپ ﷺ کی حکمت ودانائی ہے کہ جب اس نے آپ سے ایک ایسا سوال کیا جس کے جواب کا اسے کوئی فائدہ نہیں تھا تو آپ ﷺ نے اسے ایسا جواب دیا، جو اسے دنیا وآخرت میں فائدہ دے اور اس کے بعد پوری امت کو بھی فائدہ ہو۔

آپ نے اسے کہا "تم نے اس کے لئے کیا تیاری کی ہے؟" یہ سن کر وہ سوال کو چھوڑ اور ایک مفید بات میں مشغول ہو گیا۔ آپ ﷺ پر اللہ کی بے بہا رحمت ہو آپ کتنے اچھے معلم تھے!

اسی طرح ایک دیہاتی نے مسجد میں پیشاب کر دیا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس کی طرف لپکے تو آپ ﷺ نے انہیں منع فرما دیا، دیہاتی نے کہا: اے اللہ! مجھ پر اور محمد ﷺ پر رحم فرما ہمارے

❶ بخاری: ۳۶۸۸، ۶۱۶۷، ۶۱۷۱، ۷۱۵۳۔ مسلم: ۲۶۳۹۔

ساتھ کسی اور پر رحم نہ کرنا، یہ سن کر آپ نے اسے کہا "تم نے ایک وسیع چیز کو تنگ کر دیا ہے۔" ❶
آپ نے یہ نہیں کہا کہ تم نے غلط بات کہی ہے۔ سبحان اللہ! آپ کتنے عظیم مربی تھے۔
ایک دفعہ ایک شخص نے قرض کا مطالبہ کرنے میں سختی کی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسے پکڑنا چاہا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اسے چھوڑ دیں! حق والا بات کر سکتا ہے، پھر فرمایا: اسے اتنی عمر کا جانور دو جتنا اس نے دیا تھا، صحابہ نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! وہ تو نہیں اس سے بہتر موجود ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((فَإِنَّ مِنْ خَيْرِكُمْ أَحْسَنَكُمْ قَضَاءً)) ❷

"تم میں سے بہتر لوگ وہ ہیں جو ادائیگی میں اچھے ہیں۔"

"اسے چھوڑ دو، حق والا بات کر سکتا ہے" آپ ﷺ کے یہ الفاظ مطالبہ کرنے والے کے اشتعال کو ختم کرنے کے لئے تھے۔ اس نے محسوس کر لیا تھا کہ آپ اس کے حق کا اعتراف کر رہے ہیں۔ پھر جب آپ نے اس کے اونٹ سے بہتر اونٹ دینے کو کہا تو اس کے جذبات بالکل ہی ختم ہو گئے اور وہ پر سکون ہو گیا، نبی کریم ﷺ کے ایسے مقامات کی بہت سی مثالیں ہیں۔ ان سب کو یہاں بیان نہیں کیا جا سکتا۔

حُسنِ گفتار کے سلسلہ میں ایک دانا شخص کے بارہ میں بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دفعہ کسی بادشاہ نے خواب دیکھا کہ اس کی ساری داڑھیں اور دانت گر گئے ہیں۔ ایک تعبیر کرنے والے سے پوچھا تو اس نے کہا: اے امیر المؤمنین! آپ کے تمام رشتہ دار آپ سے پہلے فوت ہو جائیں گے۔ یہ سن کر بادشاہ بہت غمزدہ ہو گیا پھر اس نے ایک اور تعبیر کرنے والے سے پوچھا تو اس نے کہا: اے امیر المؤمنین کوئی پریشانی والی بات نہیں اس کی تعبیر یہ ہے کہ آپ کی عمر اپنے تمام رشتہ داروں سے زیادہ ہو گی یہ سن کر بادشاہ خوش ہو گیا اس کی پریشانی جاتی رہی حالانکہ دونوں کا مطلب ایک ہے پہلے شخص کی تعبیر بھی درست تھی لیکن اس میں

---

❶ احمد: ج۲، ص:۲۳۹۔ ابو داؤد ۳۸۰۔ ترمذی: ۱۴۷۔

❷ بخاری: ۲۳۰۶۔ مسلم: ۱۶۰۱۔

حکمت و دانائی نہیں تھی جبکہ دوسرے کے جواب میں دانائی تھی۔

دیکھئے دونوں میں کتنا فرق پڑ گیا۔

متذکرہ بالا عنوان کا خلاصہ یہ ہے کہ جواب دینے میں حکمت و دانائی اور طرزِ تکلم حسین ولطیف ہو۔ یہ مراد نہیں ہے کہ ناحق بات کہی جائے یا مداہنت سے کام لیا جائے۔

داعی ایسے حکیمانہ انداز اور تجربہ کارانہ اُسلوب سے مزین وآراستہ ہو کر حق بات کو احسن پیرائے اور خوبصورت الفاظ میں پیش کر سکے۔

فصل 2

مدعوّین کے مختلف حالات

اس میں سات عنوانات ہیں:

(۱) مدعوّین اور ان کے حالات کو مدِّ نظر رکھنے کی اہمیت:

دعوت إلی اللہ کا بنیادی عنصر وہ لوگ ہیں جنہیں دعوت دی جاتی ہے۔ انہی کی خاطر عملِ دعوت مقرر کیا گیا ہے اور انہی کے لئے رسول بھیجے گئے۔ اس لئے انہیں اہمیت دینا اور حالات کے مطابق شریعت کی روشنی میں ان سے پیش آنا انتہائی ضروری ہے۔ یہ ایک دعوتی غلطی ہے کہ بات کو تبلیغ برائے تبلیغ کے طور پر بے سروپا بیان کر دیا جائے۔

سامعین کے ظروف کا لحاظ نہ کیا جائے، معاشرتی ماحول ملحوظ رکھے بغیر امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا کام روایتی انداز میں سرانجام دیا جائے۔ یہ ایک واضح تبلیغی غلطی ہے کہ کچھ داعی حضرات اپنے مخاطب لوگوں کے حالات وظروف کا لحاظ نہیں رکھتے۔ ایک خطبۂ جمعہ یا ایک وعظ یا ایک تقریر یاد کر لی اور اسے ہر جگہ، ہر موقعہ، ہر طرح کے سامعین کے سامنے بیان کرنا شروع کر دیا۔ جبکہ سامعین کی ایمانی، علمی اور عقلی سطح مختلف ہوتی ہے۔ بلکہ یہ بھی ہوتا ہے کہ نسل در نسل بیان کی جانی والی تقریر بیان کی جاتی ہے نہ ان کے الفاظ میں تبدیلی کی زحمت کی جاتی ہے اور نہ ہی اُسلوب میں۔ یہ بھی نہیں دیکھا جاتا کہ سامعین علماء یا عوام الناس ہیں اور موقع ومحل سے اس تقریر کی مناسبت بھی ہے یا نہیں؟ یہ بات شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ سب سامعین تبلیغ ودعوت کو قبول کرنے میں، علم وفہم میں اور دینداری میں یکساں نہیں ہیں۔ اس لئے ان سب کو ایک ہی انداز میں مخاطب ہونا حکمت سے خالی ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ جنہیں دعوت دی جا رہی ہے ان کے دور میں کچھ خلافِ شریعت کام اس قدر عام ہو چکے ہوں کہ یہ ان کا معمول بن گئے ہوں اور انہیں اس کا علم ہی نہ ہو۔ جیسے دورِ حاضر میں پردے کا

مسئلہ اور کچھ ممالک میں ناجائز معاملات کا عام ہونا ہے۔ان کے ساتھ انداز گفتگو جاننے والے یا ارادہ کرنے والے جیسا نہیں ہوگا۔

رسول اللہ ﷺ ہر طبقے کو ان کی ذہنی حالت، علم و دانش اور بات ماننے کے جذبے اور امکان کو پیش نظر رکھ کر مخاطب کرتے تھے۔دلیل کے طور پر اللہ کا فرمان ہی کافی ہے:

﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾ [البقرة : ٢٨٦]

''اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اس کی طاقت سے بڑھ کر پابند نہیں کرتا۔''

اس سے مراد ہر شخص کی عقلی، علمی، جسمانی اور ہر طرح کی استطاعت ہے۔ رسول اللہ ﷺ بڑے حکیمانہ انداز میں سامعین کے حالات کو سامنے رکھتے اور انتہائی کامیاب طریقے سے انہیں نبٹاتے۔

آئندہ مضمون میں مدعوین کے مختلف احوال وظروف اور اس کا لحاظ رکھنے سے متعلق کسی حد تک حکمت ودانائی ہی کا تذکرہ ہوگا اور کتاب وسنت میں سے اس کی کچھ مثالیں بھی بیان ہوں گی۔

(۲) لوگوں کے انفرادی مزاج کا لحاظ:

اس میں تین عنوان ہیں:

(۱) اہمیت ومفہوم:..... اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو مختلف خوبیوں، طرح طرح کے مزاجوں اور الگ الگ عقلوں سے نوازا ہے۔کچھ انتہائی حساس اور لطیف مزاج ہیں، جو بات کو سنتے ہیں اور تسلیم کر لیتے ہیں۔کچھ لوگ گہری سوچ کے مالک ہیں وہ منطقی استدلال اور ریاضی کے اصولوں کو سامنے رکھتے ہیں۔کچھ ترغیب کو پسند کرتے، کچھ خوف دلانے سے متاثر ہوتے ہیں، کچھ بھلا مانس اور خوش طبع ہیں، کچھ جدال پسند اور ضدی ہیں، کچھ اپنے آپ کو عالم ظاہر کرتے ہیں، کچھ تجاہل عارفانہ سے کام لیتے ہیں، کچھ طاقت ور اور کچھ کمزور ہیں۔

کچھ لوگوں کے وقتی حالات ہوتے ہیں جو انہیں بات کی تہہ تک پہنچنے سے مانع اور تسلیم کرنے سے رکاوٹ ہوتے ہیں، مثلاً وہ کسی ناگہانی مصیبت میں مبتلا یا کسی تباہ کن خسارے

سے دو چار ہوتے ہیں یا کسی خاص نفسیاتی کیفیت میں ہوتے ہیں۔

حکمت و دانائی کا تقاضا اور بات کہنے کا فائدہ تب ہے جب ان سب قسم کے مزاجوں کو ملحوظ رکھا جائے اور ہر قسم کے لوگوں سے ان کے حسبِ حال، دینِ حنیف کے دائرہ میں رہ کر گفتگو ہو۔

قرآنِ مجید کے مطالعہ سے اس کے اُسلوبِ بیان میں عجیب قسم کا تنوع اور تفاوت نظر آئے گا کہ اس نے کیسے تمام قسم کے انسانوں کو کامیاب انداز میں اپنا مخاطب بنایا ہے۔

سید قطب رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''قرآنِ مجید مکی دور میں لوگوں سے اس انداز میں مخاطب رہا کہ وہ شوق اور اپنی مرضی کے ساتھ اس کی طرف چلے آئیں۔ وہ مختلف اُسلوب اور عجیب قسم کے تنوع کے ساتھ بات کو پیش کرتا رہا، کبھی وہ ان کے سامنے دلائل اور موثر براہین کا تند و تیز طوفان برپا کر دیتا اور کبھی ایسا زوردار کوڑا چلاتا جس سے سامع کی حس میں شعلہ بھڑک اٹھتا وہ اس کے مقابلہ کی تاب نہ لاسکتا، اس کی شعلہ زنی کو برداشت نہ کر پاتا۔ کبھی ایسا انداز اختیار کرتا جیسے کسی محبوب سے سرگوشیاں ہو رہی ہوں تا کہ اس کے شعور کو بیدار کر کے اسے مانوس کیا جائے، کبھی بارُعب اور پریشانی میں مبتلا کر دینے والے انداز سے بات کو پیش کرتا جیسے کسی قریب ترین خطرے کی آمد سے چونکا دینا مقصود ہو۔ کبھی وہ حق کو انتہائی آسان، خوبصورت انداز میں پیش کرتا ہے کہ اس سے رُوگردانی اور جدل کی گنجائش نہ رہے، کبھی وہ اُمید وبیم بھرے انداز میں مخاطب ہوتا ہے جو محوِ راز اور سرگوشی کرتا دکھائی دیتا ہے۔ کبھی وہ پُر پیچ وادیوں اور گنجلک راستوں سے گزرتا نظر آتا ہے۔ لوگوں کے حالات پر اس طرح روشنی ڈالتا ہے کہ وہ اپنے اندرون کا عینی مشاہدہ کرنے لگ جاتے ہیں، وہ کسی بات سے شرمندگی محسوس کرتے ہیں اور کسی کو ناپسند کرتے ہیں۔ وہ اپنے ایسی کارگزاریوں سے آگاہ ہو جاتے ہیں جن سے وہ غافل تھے۔

قرآنِ مجید پڑھنے والا، سینکڑوں سرگوشیوں، انتباہات، چونکا دینے والے پیغامات اور پُر اثر وعظ وارشادات سے آگاہ ہوتا ہے۔ وہ اس طویل معرکے، دھیمے رویے کو دیکھ کر

محسوس کرتا ہے کہ قرآنِ مجید ضدی، ہٹ دھرم اور عصبیت زدہ دلوں کو موہ لینے میں کیسے کامیاب ہو گیا۔''❶

ایک داعی کا انداز بھی اسی طرح متنوع ہونا چاہیے، وہ موقع و محل کے مناسب اور مخاطب کے مزاج کے مطابق ہو۔ اس کی تخلیقی اور فطرتی صلاحیتوں سے ہم آہنگ ہو۔ اس کے مزاج، ذاتی اوصاف اور حالات سے غافل نہ ہو۔ اگر طوالت کا اندیشہ نہ ہو تو یہاں بہت سے دلائل ذکر کیے جا سکتے تھے تاہم بطور یاد دہانی کچھ مثالیں ذکر کیے دیتا ہوں۔ درج ذیل آیاتِ قرآنی پر غور کریں یہ انسان کو اس کے اندرون کے حالات سے آگاہ کر کے خالق کی قدرت کی کیسے نشان دہی کر رہی ہیں۔

خالقِ کائنات کا ارشاد ہے:

﴿وَاعْلَمُوٓا أَنَّ ٱللَّهَ يَحُولُ بَيْنَ ٱلْمَرْءِ وَقَلْبِهِۦ وَأَنَّهُۥٓ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ﴾ [الأنفال: ٢٤]

''اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ آدمی اور اس کے دل کے درمیان حائل ہو جایا کرتا ہے اور یاد رکھو کہ اسی کے سامنے تمہیں اکٹھا کیا جائے گا۔''

نیز فرمایا:

﴿يَعْلَمُ خَآئِنَةَ ٱلْأَعْيُنِ وَمَا تُخْفِى ٱلصُّدُورُ﴾ [غافر: ١٩]

''وہ نگاہوں کی چوری کو بھی جانتا ہے اور ان (بھیدوں) کو بھی جو سینے چھپائے ہوئے ہیں۔''

نیز فرمایا:

﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا ٱلْإِنسَٰنَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهِۦ نَفْسُهُۥ ۖ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ ٱلْوَرِيدِ﴾ [ق: ١٦]

''اور انسان کو ہم نے پیدا کیا ہے اور ہم جانتے ہیں اس کے دل میں جو وسوسے

❶ فی ظلال القرآن: ج: ٦ ص: ٣٦٩٢، ٣٦٩٣.

گزرتے ہیں، اور ہم (اس کی) شاہ رگ سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں۔"

ذرا آئندہ آیات پر بھی نگاہ ڈالیں یہ کائنات پر اللہ تعالیٰ کی طاقت اور قدرت سے کیسے آگاہ کررہی ہیں۔ وہ ذات اپنی طاقت، سمع وبصر کے ذریعے انسان کے ہر ہر لمحے اور ہر ہر قول وفعل کی کیسے نگرانی کررہی ہے۔

فرمانِ الٰہی ہے:

﴿وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ ۚ وَهُوَ الْحَكِيمُ الْخَبِيرُ﴾ [الأنعام: ۱۸]

"اور وہ اپنے بندوں پر پوری طرح حاوی ہے اور وہ حکمت والا اور باخبر ہے۔"

باخبر ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ چھپی ہوئی باتوں اور گہری چیزوں سے آگاہ ہے۔

فرمانِ رب العزت ہے:

﴿وَعِندَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ ۚ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۚ وَمَا تَسْقُطُ مِن وَرَقَةٍ إِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِي ظُلُمَاتِ الْأَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَلَا يَابِسٍ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ﴾ [الأنعام: ۵۹]

"اور غیب کی کنجیاں اسی کے پاس ہیں۔ اس کے سوا انہیں کوئی نہیں جانتا۔ اور بر و بحر میں جو کچھ ہے اس سے وہ واقف ہے کوئی پتا بھی اس کے علم کے بغیر نہیں گرتا اور زمین کی تہوں میں کوئی دانہ اور کوئی تر اور خشک چیز ایسی نہیں ہے جو ایک روشن کتاب میں درج نہ ہو۔"

نیز فرمایا:

﴿مَّا يَلْفِظُ مِن قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ﴾ [ق: ۱۸]

"وہ جو لفظ بھی بولتا ہے اس کے پاس ایک مستعد نگران موجود ہوتا ہے۔"

نیز فرمایا:

﴿اللَّهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ أُنثَىٰ وَمَا تَغِيضُ الْأَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ ۖ وَكُلُّ شَيْءٍ عِندَهُ بِمِقْدَارٍ ۞ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيرُ الْمُتَعَالِ ۞ سَوَاءٌ مِّنكُم مَّنْ

أَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهِ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍ بِاللَّيْلِ وَسَارِبٌ بِالنَّهَارِ ﴿

[الرعد: ۸-۱۰]

"اللہ ہی جانتا ہے ہر مادہ کے حمل کو اور جو کچھ رحموں میں گھٹتا اور بڑھتا ہے اس کو بھی اور ہر چیز اس کے ہاں ایک ضابطے کے مطابق ہے، وہ غائب و حاضر سب کو جاننے والا، عظیم اور عالی شان ہے۔ تم میں سے وہ جو بات کو چھپکے سے کہیں اور وہ جو بلند آواز سے کہیں اور جو شب کی تاریکی میں چھپے ہوئے ہوں، اور جو دن کی روشنی میں نقل و حرکت کر رہے ہوں سب اس کے علم میں یکساں ہیں۔"

رسول اللہ ﷺ کا طرزِ تکلم مدعوین کے مزاج کے مطابق متنوع ہوا کرتا تھا۔ حدیثِ پاک سے اس کی عملی صورتیں اور واقعاتی شکلیں معلوم ہوتی ہیں کہ آپ لوگوں کے فطرتی مزاج اور مخصوص حالات کو مدِ نظر رکھا کرتے تھے۔ کچھ اسی سے تعلق رکھتی ہے آپ ﷺ کی حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کو کی گئی نصیحت، آپ نے ان کو کمزور دیکھتے ہوئے نصیحت فرمائی کہ منصب و عہدہ کے قریب نہ جانا اور فرمایا "اے ابو ذر! تم کمزور ہو اور یہ ایک امانت ہے۔" ❶

اس کے مقابلہ میں جب حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو طاقت ور اور صاحبِ فن دیکھا تو اسے قائد بنا دیا۔ قیادت دیتے ہوئے ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما جیسے رتبہ میں افضل صحابہ سے بھی مقدم کر دیا۔ جب حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے بنو خزیمہ کو قتل کرنے میں غلطی کا ارتکاب کیا تو آنحضرت ﷺ نے بھری محفل میں فرمایا: "اے اللہ! میں تیرے سامنے خالد کی کارگزاری سے بیزاری کا اظہار کرتا ہوں۔" ❷

حضرت خالد رضی اللہ عنہ چونکہ دشمن کے سامنے ایک بڑی طاقت کی حیثیت رکھتے تھے اس لئے آپ ﷺ نے اس اقدام کے باوجود انہیں عہدے سے معزول نہیں کیا۔

رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ میں ایمانی قوت، عدل و انصاف جیسی خوبی اور

---

❶ مسلم: ۱۸۲۵۔
❷ بخاری: ۴۳۳۹، ۷۱۸۹۔

قائدانہ صلاحیت مشاہدہ فرمائی تو ان کے لئے خلافت کی راہ ہموار کر دی۔

آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

((يَأْبَى اللّٰهُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ إِلَّا أَبَا بَكْرٍ .)) ❶

''اللہ تعالیٰ اور مومن ابوبکر رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی کو نہیں مانتے۔''

اسی طرح آپ نے حجر اسود کو بوسہ دینے کے موقع پر ازدہام دیکھا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا: اے عمر! تم طاقت ور ہو، حجرِ اسود پر رش نہ کیا کرو کہ اس سے کمزور کو اذیت ہوتی ہے اگر موقع مل جائے تو ہاتھ لگا لو وگرنہ اس کی طرف منہ کر کے لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ اور اَللّٰهُ أَكْبَرُ کہہ کر گزر جایا کرو۔'' ❷

ایک طرف آنحضرت ﷺ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو سریانی زبان سیکھنے کو کہہ رہے ہیں۔ ❸ جبکہ اس کے برعکس ایک دوسرے صحابی، کو سورۂ فاتحہ سیکھنے کو بھی نہیں کہتے بلکہ آپ نے اسے کہا کہ تم اس کے متبادل ''سُبْحَانَ اللّٰهِ اور اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ اور لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ اور اَللّٰهُ أَكْبَرُ اور لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ'' پڑھ لیا کرو۔ ❹

اس سے بڑھ کر مخاطب کے حالات کی رعایت اور کیا ہو، ایک شخص کو اس کی قوتِ یادداشت اور فہم وفراست کی بنا پر اجنبی زبان سیکھنے کا حکم ہو رہا ہے جبکہ دوسرے شخص کا حافظہ کمزور دیکھ کر فاتحہ کی جگہ تسبیح کرنے کو کہا جا رہا ہے۔ یہی مدعوین کے ذاتی احوال کے لحاظ کا ایک انداز ہے۔ جس سے بہت داعی اور مربی حضرات محروم ہیں۔ داعی کو چاہیے کہ وہ مخاطب کے مزاج کو جانتا ہو، جو بات اسے بتا رہا ہو وہ اس کے لئے مفید بھی ہو، کبھی نصیحت کو مؤخر کر دے، بات کو کسی دوسرے موقع کے لئے چھوڑ دے، کبھی جواب دینے سے رُک جائے، کبھی قبل از وقت

❶ بخاری: ٥٦٦٦۔ مسلم: ٢٣٨٧۔

❷ احمد: ج: ١ ص: ٢٨۔ سنن کبریٰ بیہقی: ج: ٥ ص: ٨٠۔

❸ احمد: ج: ٥ ص: ١٨٢۔ معجم کبیر طبرانی: ج: ٥ ص: ١٥٥، ٥٦۔ حاکم: ج: ٥: ص: ٤٢٢۔

❹ احمد: ج: ٤ ص: ٣٥٣۔ ابو داؤد: ٨٣٢۔ نسائی: ج: ٢ ص: ١٤٣۔

بات کر دے۔

یہ سب مخاطب کے ذاتی مزاج اور اس کی فطری صلاحیتوں کے مطابق ہو اور حکمت ودانائی کے ساتھ شریعت کے دائرہ میں رہتے ہوئے ہونا چاہیے۔

(۳) سامعین کی علمی استعداد کا لحاظ:

اس میں دو عنوان ہیں:

(۱) اہمیت اور مفہوم:...... داعی کو چاہیے کہ وہ جنہیں دعوت دے رہا ہے ان کے علمی معیار کو ملحوظ رکھ کر ان کے حسب حال ان سے مخاطب ہو۔ جس چیز کی انہیں ضرورت ہے اسے پیش کرے ان کے سامنے غیر ضروری یا باعث ملال باتیں نہ کرے۔ اگر وہ طلبا علم کو ایسی باتیں بتلانے لگ جائے جو انہیں پہلے سے معلوم ہوں۔ مثلاً: ایمان اور ارکان اسلام بیان کرتے ہوئے حدیثِ جبرئیل کی تفصیل میں پڑ جائے یا انہیں دعوتِ توحید دینے لگ جائے تو یہ کوئی حکمت ودانائی نہیں ہے کیونکہ ممکن ہے کہ وہ اس سے بہتر معلومات رکھتے ہوں۔

اسی طرح عوام الناس کو علم اُصولِ فقہ، اُصولِ حدیث، کلامی مباحث، اہلِ علم کے اختلافات، لغوی باریکیاں، گمراہ فرقوں کے اعتراضات وغیرہ بتلانا حکمت نہیں ہے۔ ان چیزوں کا موقع ومحل دعوت وتبلیغ سے مختلف اور عوام الناس سے ہٹ کر ہے۔ عام تشریحات ٹی وی چینلز میں بھی عوام الناس سے متعلقہ علمی وفقہی پروگراموں کا خاص خیال رکھیں۔ تخصص کے لیکچر بہت کم ہوں کیونکہ ان کا دعوت وتبلیغ سے بہت کم تعلق ہوتا ہے۔ ان کا موقع ومحل یونیورسٹی اور مسجد ومدرسہ کے طالب علم ہیں، جبکہ ٹی وی دیکھنے والوں کی اکثریت عوام الناس ہوتے ہیں۔ ایسے لیکچر سے بہت کم لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں تاہم اگر لیکچر دینے والا اپنے اُسلوب بیان کے بل بوتے پر معلومات کو آسان اور عام فہم الفاظ کے ذریعے پُرکشش بنا لے تو الگ بات ہے۔

سمجھ دار مبلغ وہ ہوتا ہے جو لوگوں کو ایسی مفید مطلب باتیں بتائے جو ان کی علمی سطح کے مطابق ہوں۔ سمجھ داری کی علامت یہ ہے کہ مخاطبین خاموش ہوں اور جو کچھ سن رہے ہوں

اس سے مستفید ہوں۔ اکثر لوگوں کو اسلام کے پانچ بنیادی ارکان ہی کا علم نہ ہو تو کیا یہ دانائی ہوگی کہ داعی انہیں عقیدے اور فقہ کی تفصیلات میں گھماتا پھرے۔ پہلی بات یہ ہے کہ وہ یہ چیزیں سمجھ نہیں سکیں گے، اگر سمجھ بھی لیں تو یہ عملی زندگی میں انہیں فائدہ نہیں دیں گی۔ یہ بات واضح ہے کہ شریعت کی نظر میں نہ جاننے والے کے لئے الگ حکم ہے اور جاننے والے کے لئے الگ۔

(۲) سیرتِ نبوی سے کچھ مثالیں:..... سیرتِ نبوی میں اس کے بہت سے انداز ہیں۔ رسول اللہ ﷺ اپنے مخاطب لوگوں کے احوال وظروف کا لحاظ رکھا کرتے تھے۔ ایک دیہاتی جس نے مسجد میں پیشاب کر دیا تھا اور اس نے واجب الستر حصہ برہنہ کر دیا تھا، صحابہ اسے پکڑنے کے لئے تیار ہو گئے تھے ان کا یہ طریقہ کار حکمت و دانائی کے خلاف تھا کیونکہ وہ دو لحاظ سے اس کی صورتِ حال کا اندازہ نہیں لگا سکے تھے، اوّل اس لحاظ سے کہ وہ جاہل تھا، دوم اس لحاظ سے کہ اس نے اس وقت پیشاب کو روک رکھا تھا۔

انسانیت کے بہترین داعی اور داناؤں کے سردار آنحضرت ﷺ نے اس کی جاہلانہ کیفیت کا اِدراک کر لیا تھا، آپ اس بات کی تہہ تک پہنچ گئے تھے کہ وہ ایک خاص حالت میں ہے۔ جہالت کا علاج اسے تعلیم دینا ہے اور اس کی مخصوص حالت کا حل پیشاب کرنے سے فارغ ہونا ہے، خواہ یہ مسجد میں اور برہنہ ہو کر کیوں نہ ہو۔ اسے پیشاب سے روکنے کی خرابی وہاں پیشاب کرنے سے زیادہ بڑی تھی۔ دوسری بات یہ ہے کہ ایسے میں جو اسے کہا جاتا وہ اسے بھی سمجھ نہیں سکتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کی حالت کو مدِ نظر رکھ کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس سے تعرض کرنے سے منع فرما دیا۔ آپ نے انہیں فرمایا: "لَا تُزْرِمُوْهُ" (یعنی اس کے پیشاب میں رکاوٹ نہ بنو)۔ جونہی اس کی یہ کیفیت ختم ہوئی رسول اللہ ﷺ اس کی اصل ضرورت "جہالت" کا علاج کرتے ہوئے انتہائی نرم انداز اور سہل پیرائے میں اسے تعلیم دینے لگے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس دیہاتی نے اپنی زبان سے ایسے الفاظ نکالے جس نے آپ کو ہنسا دیا" اے اللہ! مجھ پر اور محمد پر رحم فرما، ہمارے ساتھ کسی اور پر رحم

نہ فرمانا۔''❶

محترم! اللہ آپ کا بھلا کرے ذرا دیکھیں مدعوین کے احوال وظروف کا لحاظ رکھنے سے داعی کو پسندیدہ اوراس کی دعوت کو مقبول بنانے میں کتنا اثر ہے۔

معاویہ بن حکم سلمی رضی اللہ عنہ کو معلوم نہیں تھا کہ دوران نماز گفتگو کرنا حرام ہے۔انہوں نے نماز میں کوئی بات کہہ دی جونہی نماز ختم ہوئی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا:'' دوران نماز کسی قسم کی بات کرنا درست نہیں ہے۔''❷

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں اپنے تاثرات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں ''میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بہتر کوئی بھی معلم نہ آپ سے پہلے دیکھا اور نہ آپ کے بعد، نہ آپ نے کبھی مجھے ڈانٹا نہ مارا اور نہ کبھی گالی دی۔''❸

یہ نرمی ان لوگوں کے ساتھ تھی جو لاعلم ہوتے، اگر کوئی صاحب علم اللہ تعالیٰ کی مقدس چیزیں پامال کرتا تو آپ ناراض ہوجاتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے حیض کی حالت میں اپنی بیوی کو طلاق دے دی۔ان کے والد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات بتائی تو آپ ان پر سخت ناراض ہوئے اور فرمایا'' اسے اپنی بیوی سے رجوع کرنا پڑے گا پھر وہ اسے حالتِ طہر تک اپنے پاس رکھے حتی کہ وہ دوبارہ حالتِ حیض میں آئے پھر حالتِ طہر میں آجائے اس کو حالتِ طہر میں طلاق دینا چاہے تو دے سکتا ہے، یہ بھی ہم بستری سے پہلے، یہی اللہ تعالیٰ کا مقرر کردہ طریقہ ہے۔''❹

داعی حضرات کو ماحول سمجھنے کی ضرورت:

ایک داعی نے کسی یورپی ملک میں صفات باری تعالیٰ کے موضوع پر ایک لیکچر دیا۔اس دوران اس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی انگلیوں سے متعلق اہلِ علم کی مختلف آراء ہیں کوئی پانچ کہتا ہے اور کوئی چھ۔ جبکہ دار قطنی کی روایت میں اس طرح ہے لیکن اس روایت میں یہ یہ

❶ بخاری: ۲۳۰۶۔ مسلم: ۱۶۰۱۔ ❷ مسلم: ۵۳۷۔
❸ مسلم: ۵۳۷۔ ❹ بخاری: ۴۹۰۸۔ مسلم: ۱۴۷۱۔

خامی ہے۔ صورتِ حال یہ تھی کہ سامعین ارکانِ اسلام اور ارکانِ ایمان سے بھی ناواقف تھے، وہ بات کی تہہ تک نہیں جاسکتے تھے بلکہ اس سے ان کے شکوک وشبہات بڑھ گئے اور وہ اسے مجسم (اللہ تعالیٰ کو انسان کی طرح قرار دینے والا) سمجھنے لگے۔ علاوہ ازیں ان میں اکثر وبیشتر گناہ اور فسق وفجور میں مبتلا تھے۔ مقرر نے لمبی چوڑی گفتگو کی، سامعین دیکھتے رہ گئے کہ مبلغ کیا کہہ رہا ہے؟ مسجد کی انتظامیہ کو اس مشکل سے نکلنے کی فکر لاحق ہوگئی کیونکہ موضوع بھی نامناسب تھا اور مسئلہ بھی افادیت سے خالی تھا۔ اس سے سامعین میں نفرت پیدا ہورہی تھی اور ممکن تھا کہ کوئی بڑا فتنہ کھڑا ہوجاتا۔ اس دوران ایک داعی آگے بڑھا اور اس نے موضوع سے ہٹ کر اللہ تعالیٰ کی صفات کے ان پہلوؤں کو اجاگر کیا جن کا سامعین کے گناہوں سے تعلق تھا جن پر ایمان لاکر وہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرسکیں۔ دوسرے مقرر نے حاضرین کی سوچ کا دائرہ، ان کی علمی سطح، اور انہیں درپیش صورتِ حال سے یہ معلوم کرلیا تھا کہ انہیں اصطلاحاتِ حدیث اور فقہی مسائل میں اختلافی آراء سے کوئی سروکار نہیں۔ انہیں سب سے پہلے رجوع إلی اللہ کے مسائل اور ارکان دین کی معرفت کی ضرورت ہے اس لئے اس کا خطاب ان کے حسب حال تھا۔ آج ہمیں اپنی دعوتی تقریروں پر نظرِ ثانی کی کتنی ضرورت ہے۔

خلاصۂ کلام:

ایک دانش مند داعی کے لئے ضروری ہے کہ وہ گفتگو سے پہلے سامعین کے علمی معیار اور ان کی دینی ضرورت معلوم کرے تاکہ وہ ان سے حسبِ حال بات کرسکے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق سے نوازے۔ (آمین)

(۴) مدعوین کی ایمانی کیفیت کا لحاظ:

جو کچھ مدعوین کی علمی حالت کا لحاظ رکھنے کے بارہ میں بیان کیا جاچکا ہے وہی ان کی ایمانی حالت کا لحاظ رکھنے کے بارہ میں بیان ہوگا۔ دونوں میں کافی حد تک اشتراک ہے۔ اس ضمن میں پانچ عنوانات پیش خدمت ہیں۔

(الف) ایمانی حالت سے کیا مراد ہے؟

اس سے مراد یہ ہے کہ وہ اہلِ ایمان ہیں یا اہلِ کفر اور پھر اہلِ ایمان بذاتِ خود ایمانی قوت اور توجہ اِلی اللہ کے لحاظ سے مختلف ہیں۔ اسی پر ایک داعی کے کلام کی ترتیب کا انحصار ہے اور اسی کے اردگرد اس کے مضمون کا انتخاب گردش کرتا ہے۔ اسے ان کی ایمانی حالت کے مطابق ہونا چاہیے تاکہ دعوت کو پذیرائی حاصل ہو اور کام تیزی سے بڑھے۔ ہر قوم کی اپنی ایک ایمانی حالت ہوتی ہے اور ہر حالت کا اپنا دعوتی خطاب ہوتا ہے۔

کچھ لوگ تو اللہ کی ذات اور اس کی اُلوہیت پر ایمان سے بالکل عاری ہوتے ہیں اور کچھ لوگوں کے دل ایمان سے آباد ہوتے ہیں۔ ان دونوں کے درمیان بہت سے درجے ہیں۔ ان کی ایمانی حالت کو نظر انداز کرکے سب کو ایک ہی انداز سے مخاطب ہونا، سب کے لئے ایک ہی معیار رکھنا اور یکساں مسائل ودلائل پیش کرنا بے فائدہ ہے۔ لہٰذا ایک داعی کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان سے مخاطب ہونے سے پہلے ان کی ایمانی حالت سے آگاہ ہو۔

لادین اور ملحدوں کے ساتھ اندازِ گفتگو اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کے فرمانبردار لوگوں سے بالکل مختلف ہوگا، غیر مسلم افراد کے اعتقاد بھی الگ الگ ہوتے ہیں کچھ ان میں سے دہریہ ہیں جو اللہ تعالیٰ اور یومِ آخرت پر سرے سے ایمان نہیں رکھتے اور کچھ ایسے ہیں جو خالق کے وجود کو تسلیم کرتے ہیں تاہم ان میں فکری بگاڑ اور اعتقادی گمراہیاں ہیں۔

اللہ تعالیٰ کو ماننے والے لوگ بھی شرک کرنے اور اسلام سے عداوت کرنے میں مختلف قسم کے ہیں۔ ایک داعی کو چاہیے کہ وہ لوگوں کے ان ایمانی ظروف کو پس انداز نہ کرے تاکہ وہ بے موقع ومحل دعوت پیش کرنے سے محفوظ رہے۔

یہ کوئی حکمت ودانائی نہیں ہے کہ دہریوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی اطاعت، رسول اللہ ﷺ سے محبت، دین پر عمل پیرا ہونے کی باتیں کی جائیں اور ان کے سامنے قرآن وحدیث کے دلائل پیش کیے جائیں جبکہ وہ نہ تو کسی رب کو مانتے ہوں اور نہ کسی دین کے قائل ہوں۔ یہ بات بھی شریعتِ اسلام سے مطابقت نہیں رکھتی ہے کہ اہلِ کتاب کے سامنے نماز کی

اہمیت نماز، پردے کی فرضیت، مخلوط معاشرے کی حرمت یا طلاق کے مسائل اور ایمان کی تفصیلات رکھی جائیں جبکہ وہ اسلام کو سرے سے مانتے ہی نہیں۔

(۲) ایمان کے لحاظ سے لوگوں کی مختلف قسمیں:

(۱) دہریہ:...... یہ لوگ اللہ تعالیٰ، کسی رسول، کسی کتاب اور کسی بھی دین پر ایمان نہیں رکھتے۔

(۲) مشرک:...... یہ وہ لوگ ہیں جو آج تک کسی نہ کسی صورت میں بتوں کی عبادت کرتے آ رہے ہیں۔

(۳) اہلِ کتاب (یہودی اور عیسائی):...... ایسے لوگ جو اللہ تعالیٰ کے خالق ہونے پر اور بہت سے رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ رسولوں یا کسی دوسری چیزوں کے ذریعے شرک کرتے ہیں اور پیغامِ اسلام پر ایمان نہیں رکھتے۔

(۴) باطنی:...... یہ لوگ خود کو اسلام کی طرف منسوب کرتے ہیں حالانکہ ان کا اس سے کوئی تعلق نہیں، ان کی اکثریت اسلام سے کینہ رکھتی ہے وہ صرف دھوکہ دینے کے لئے خود کو اس کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

(۵) منافق:...... یہ لوگ بظاہر مسلمان ہیں اور بباطن کافر ہیں، باطنیوں اور ان میں فرق یہ ہے کہ یہ اپنا کفر ظاہر نہیں کرتے، جبکہ باطنی اپنی نسبت اسلام کی طرف کرنے کے ساتھ ساتھ کچھ کافرانہ باتوں کو بنیاد بناتے ہیں اور ان کی طرف دعوت دیتے ہیں۔

(۶) گمراہ افراد:...... اس سے مراد ایسے مسلمان ہیں جو اللہ کو ربّ، قرآن مجید کو اللہ ربّ العالمین کی کتاب، محمد ﷺ کو نبی اور اسلام کو دین تسلیم کرتے ہیں لیکن انہیں اسلام کی صحیح سمجھ نہیں ہے۔ ان میں مختلف سطح کی کئی تبدیلیاں آ چکی ہیں۔ کچھ شرک میں مبتلا ہیں، کچھ گمراہی، بدعت اور خرافات میں پڑے ہوئے ہیں، کچھ ایمان میں انتہائی کمزور ہیں، دین کی اتباع سے حد سے زیادہ اعراض کرتے ہیں۔ ان میں بیشتر خواہش پسندی کا شکار ہیں، اور بیشتر ایسے ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ وہ اچھے کام کرتے ہیں مثلاً خارجی، معتزلی وغیرہ، سیکولر بھی

انہیں میں آتے ہیں۔

(۷) نافرمان لوگ:..... ایسے مسلمان جن پر فسق و فجور غالب ہے۔ ان پر گناہوں کا غلبہ ہے، نافرمانی چھائی ہوئی ہے، خواہش پرستی اور من مانیاں ان پر اس حد تک سوار ہیں کہ وہ ان میں مستقل مبتلا رہتے ہیں۔ یہ لوگ دین کی پروانہیں کرتے، توبہ کے بارہ میں سوچتے نہیں، ان میں ایمان حد درجہ کمزور ہے تاہم یہ اپنے گناہوں کا اقرار کرتے ہیں، گناہوں کو جائز سمجھ کر نہیں کرتے۔

(۸) میانہ روی اختیار کرنے والے:..... یہ لوگ فرائض کو بجا لاتے ہیں، حرام کاموں سے بچتے ہیں لیکن نیکی میں سبقت نہیں کرتے، جب کوئی گناہ کرلیں تو اس پر اصرار نہیں کرتے، جلدی سے توبہ کرلیتے ہیں، یہ ایمان میں کامل نہیں ہیں یہ عملوں کے لحاظ سے مختلف ہیں۔

(۹) نیک اور برتر لوگ:..... یہ لوگ فرائض کو صحیح طور پر بجا لاتے ہیں، بیشتر نوافل ادا کرتے ہیں، حرام کاموں سے بچتے ہیں۔ انہوں نے پختہ توبہ کی ہے قیامت کے دن آئیں گے تو ان پر کوئی بوجھ نہیں ہوگا۔ (۱۵۳) فرمانِ الٰہی ہے:

﴿ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۚ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۚ وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ ۝﴾ [فاطر : ۳۲]

”پھر ہم نے کتاب کا وارث ان لوگوں کو بنایا جنہیں ہم نے اپنے بندوں میں سے منتخب کیا، پھر ان میں سے کچھ تو اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں، کچھ ان میں میانہ رو ہیں اور کچھ ان میں سے اللہ کی توفیق سے نیکیوں میں سبقت کرنے والے ہیں، یہی سب سے بڑا فضل ہے۔“

ان اصناف کی بہت سی تفصیلات، مختلف حالات اور الگ الگ احکام ہیں نیز ہر ایک کے الگ شرعی دلائل اور واقعاتی شواہد ہیں، اگر موضوع کی طوالت کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں

کتاب وسنت سے اس کے پورے دلائل ذکر کرتا۔

(۳) ایمانی تقسیم کیوں؟

ایک داعیِ حق کے لئے لوگوں کی مختلف اقسام، ان کی ایمانی کیفیت اور اعتقادی رجحانات کا جاننا ضروری ہے تاکہ وہ ہر قسم سے اس کے اعتقاد اور ایمانی معیار کے مطابق مخاطب ہو۔

دہریوں کو خالق کائنات کے وجود کی دعوت دے اور اس کے دلائل پیش کرے۔

یہود ونصاریٰ کے سامنے اسلام کی حقانیت، محمد ﷺ کی بعثت اور سب رسولوں پر ایمان لانے کی فرضیت بیان کرے۔

گمراہ اور بھٹکے ہوئے لوگوں کو صحیح عقیدہ اختیار کرنے، اتباع کے فرض ہونے اور خواہش نفس کی پیروی سے بچنے کا تذکرہ کرے انہیں حق کو پہچاننے کے اُصول بتائے۔

گناہوں میں مبتلا مسلمانوں کو ایسی چیزیں بتائے جن سے ان کے ایمان میں اضافہ ہو، اور ان کی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے محبت بڑھے، اس کے بعد ایمان اور محبت کا تقاضا بیان کرے، اور اس کی ترغیب وترہیب بیان کرتے ہوئے ایمان میں اضافے کے اسباب اور شیطان کے راستوں سے آگاہ ہونے کے طریقے بتائے۔ اسی طرح ہر نوع کو دعوت دینے کا مختلف انداز اور معیارِ گفتگو ہے۔

(۴) لوگوں کی مختلف اقسام اور قرآنِ مجید کے اندازِ خطاب میں تنوع:

جب ہم قرآنِ مجید کے اسالیبِ خطاب کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس نے ان تمام قسم کے لوگوں کو ان کے ایمان، ان کی فکر اور عقیدے کے مطابق مخاطب کیا ہے، دہریہ لوگوں کو خالقِ کائنات کے موجود ہونے کے دلائل دیتے ہوئے فرمایا:

﴿ أَمْ خُلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ أَمْ هُمُ الْخَالِقُونَ ﴾ [الطور: ۳۵]

”کیا یہ بغیر کسی خالق ہی کے پیدا ہو گئے ہیں یا یہ خود ہی خالق ہیں۔“

نیز فرمایا:

﴿هٰذَا خَلْقُ اللّٰهِ فَاَرُوْنِیْ مَاذَا خَلَقَ الَّذِیْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ؕ بَلِ الظّٰلِمُوْنَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ﴾ [لقمان: ۱۱]

"یہ ساری چیزیں تو اللہ کی پیدا کی ہوئی ہیں تو اب مجھے دکھاؤ کہ انہوں نے کیا چیزیں پیدا کی ہیں جو اس کے سوا ہیں؟ بلکہ یہ ظالم لوگ ایک صریح گمراہی میں مبتلا ہیں۔"

نیز فرمایا:

﴿وَمِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَاۤ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ﴾

[الروم: ۲۰]

"اور یہ بھی اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا پھر تم دیکھتے دیکھتے بشر بن کر (روئے زمین پر) پھیل جاتے ہو۔"

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک دہریے سے مناظرہ کرتے ہوئے فرمایا:

﴿فَاِنَّ اللّٰهَ یَاْتِیْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِیْ كَفَرَ ؕ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ﴾ [البقرۃ: ۲۵۸]

"اللہ تعالیٰ سورج کو مشرق سے نکالتا ہے تو اسے مغرب سے نکال دے تو وہ کافر یہ سن کر ہکا بکا رہ گیا اور اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔"

اسی طرح قرآن مجید نے مشرکوں سے ان کے عقائد کے مطابق گفتگو کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَیَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۚ فَاَنّٰی یُؤْفَكُوْنَ﴾ [العنکبوت: ۶۱]

"اور اگر تم ان سے پوچھو کہ کس نے پیدا کیا ہے آسمانوں اور زمین کو اور کس نے مسخر کیا ہے، سورج اور چاند کو؟ تو وہ جواب دیں گے کہ اللہ نے! تو وہ کہاں بھٹکے ہو جاتے ہیں۔"

یہ لوگ توحید ربوبیت کو مانتے تھے تاہم توحیدِ الوہیت میں شرک کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا ہے کہ توحید ربوبیّت کا تقاضا یہ ہے کہ شرک نہ کیا جائے کیونکہ عبادت کائنات کے خالق کا حق ہے یہ اس کے علاوہ کسی بھی مخلوق کے لئے نہیں کی جانی چاہیے۔

ارشاد ربّ العالمین ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ عِبَادٌ أَمْثَالُكُمْ فَادْعُوهُمْ فَلْيَسْتَجِيبُوا لَكُمْ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ﴾ [الأعراف: ١٩٤]

"جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو یہ تو تمہارے ہی جیسے بندے ہیں۔ انہیں پکار کر دیکھو، وہ تمہیں جواب دیں اگر تم سچے ہو۔"

نیز فرمایا:

﴿وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ لَا يَخْلُقُونَ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ ۝ أَمْوَاتٌ غَيْرُ أَحْيَاءٍ ۖ وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ﴾ [النحل: ٢٠۔ ٢١]

"اور جنہیں یہ اللہ کے سوا پکارتے ہیں وہ کچھ پیدا نہیں کرتے وہ تو خود مخلوق ہیں، مردہ ہیں زندہ نہیں ہیں اور ان کو احساس بھی نہیں کہ وہ کب اٹھائے جائیں گے۔"

مزید فرمایا:

﴿وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّن يَدْعُو مِن دُونِ اللَّهِ مَن لَّا يَسْتَجِيبُ لَهُ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَهُمْ عَن دُعَائِهِمْ غَافِلُونَ﴾ [الأحقاف: ٥]

"اور ان سے بڑھ کر گمراہ کون ہوسکتا ہے جو اللہ کے سوا ان سے دعائیں کرتے ہیں جو تاقیامت ان کو جواب دینے والے نہیں ہیں اور وہ ان کی دعاؤں سے بے خبر ہیں۔"

جب کہ اہلِ کتاب کو ان کے حسبِ حال، ان کے عقائد ونظریات کا لحاظ رکھ کر توحید ربوبیّت اور رسولوں اور کتابوں پر ان کے ایمان کو سامنے رکھ کر اس طرح مخاطب فرمایا ہے:

﴿قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَ

لَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّ لَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ۝ ﴾ [آل عمران : ٦٤]

''کہہ دو! اے اہلِ کتاب اس چیز کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور نہ اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک ٹھہرائیں اور نہ ہم میں سے کوئی ایک دوسرے کو اللہ کے سوا، رب تسلیم کرے اگر وہ اس چیز سے اعراض کریں تو کہہ دو کہ گواہ رہو کہ ہم تو مسلم ہیں۔''

نیز فرمایا:

﴿ قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ ﴾ [المائدۃ : ۷۷]

''کہہ دو: اے اہلِ کتاب! اپنے دین میں بے جا غلو نہ کرو۔''

مزید فرمایا:

﴿ مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ وَ اُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ ؕ كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ ؕ اُنْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝ ﴾ [المائدۃ : ۷۵]

''مسیح ابن مریم تو بس ایک رسول ہیں۔ ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گزرے ہیں اور ان کی ماں ایک صداقت شعار بندی تھیں، دونوں کھانا کھاتے تھے دیکھو! کس طرح ہم ان کے سامنے اپنی آیتیں کھول کھول کر بیان کر رہے ہیں پھر دیکھو کہ وہ کس طرح اوندھے ہوئے جا رہے ہیں۔''

اور فرمایا:

﴿ قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَ الْاِنْجِيْلَ وَ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ ﴾ [المائدۃ : ٦٨]

''کہہ دو: اے اہلِ کتاب! تم کسی بھی دین پر نہیں ہو جب تک تم تورات، انجیل اور اس چیز کو قائم نہ کرو جو تمہارے رب کی جانب سے تمہاری طرف اتاری گئی ہے۔''

دیکھیے! اس آیتِ مبارکہ میں انہیں براہ راست قرآنِ مجید کی اتباع کی دعوت دینے کی بجائے انہیں اپنے صحیح عقیدے کو اپنانے اور صحیح تورات کی پیروی کرنے کو کہا گیا ہے کیونکہ یہی چیز انہیں قرآنِ مجید پر ایمان لانے کے قابل بنائے گی۔

وہ مسلمان جو گناہوں میں ملوث ہیں ان سے ان کے ایمان کی مناسبت سے اپنے رب کی تسلیم ورضا اور اقرار کو سامنے رکھ کر مخاطب کیا گیا ہے کبھی ان کے دل میں موجود ایمان کے حوالے سے مخاطب ہوا گیا ہے۔ جیسے ارشادِ باری تعالی ہے:

﴿ أَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَنْ تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللَّهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ ﴾

[الحديد : ١٦]

”کیا ان لوگوں کے لئے جو ایمان لائے ہیں وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کی یاددہانی اور اس حق کے آگے جھک جائیں جو نازل ہو چکا ہے۔“

نیز فرمایا:

﴿ ذَٰلِكُمْ يُوعَظُ بِهِ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ﴾ [الطلاق : ٢]

”یہ نصیحت انہیں کی جاتی ہے جو اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔“

اور کبھی انہیں خوف دلا کر مخاطب کیا جاتا ہے جیسے ارشاد فرمایا:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۝ فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ ﴾ [البقرة : ٢٧٨ ، ٢٧٩]

”اے ایمان والو! اگر تم سچے مومن ہو تو اللہ سے ڈرو اور جو سود تمہارا باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو۔ اگر تم نے ایسا نہیں کیا تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے جنگ کے لئے خبردار ہو جاؤ۔“

نیز فرمایا:

﴿ يَعِظُكُمُ اللَّهُ أَنْ تَعُودُوا لِمِثْلِهِ أَبَدًا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴾ [النور : ١٧]

”اللہ تعالی تمہیں نصیحت کرتا ہے کہ اگر تم مومن ہو تو ایسی بات تم سے پھر کبھی

صادر نہ ہو۔"

مزید فرمایا:

﴿فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ؕ وَ اَمْرُهٗۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ وَ مَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ۝﴾ [البقرة: ۲۷۵]

"جسے اللہ کی تنبیہ پہنچی اور وہ باز آ گیا تو جو کچھ وہ لے چکا وہ اس کے لئے ہے اور اس کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے اور جو دوبارہ اس کے مرتکب ہوں گے وہی لوگ دوزخی ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔"

حرمتِ شراب کا حکم ان الفاظ پر ختم ہو رہا ہے:

﴿فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ۝﴾ [المائدة: ۹۱]

"تو بتاؤ کیا اب تم اس سے باز آتے ہو؟"

کبھی انہیں یہ کہہ کر ترغیب دی جا رہی ہے:

﴿قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ۝﴾ [الزمر: ۵۳]

"کہہ دو: اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے، اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہوں، اللہ تمام گناہوں کو بخش دے گا، وہ بڑا ہی بخشنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔"

نیز فرمایا:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْۤا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا ؕ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَ يُدْخِلَكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ﴾ [التحريم: ۸]

"اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، اللہ کی طرف مخلصانہ رجوع کرو، امید ہے کہ تمہارا پروردگار تمہارے اوپر سے تمہارے گناہ ختم کر دے اور تمہیں ایسے باغوں میں داخل کرے جن میں نہریں جاری ہوں گی۔"

اور کبھی ترغیب و تخویف دونوں کو بیک وقت بیان کیا گیا ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے:

﴿ وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ۝ يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا ۝ اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ ﴾

[الفرقان: ٦٨۔٧٠]

"اور جو نہ اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو پکارتے ہیں اور نہ اس جان کو جسے اللہ نے حرام ٹھہرایا ہے ناحق قتل کرتے ہیں اور نہ بدکاری کرتے ہیں، اور جو بھی ان باتوں کا مرتکب ہوگا وہ اپنے گناہوں کے انجام سے دوچار ہوگا۔ قیامت کے دن اس کے عذاب میں درجہ بدرجہ اضافہ کیا جائے گا اور وہ اس میں خوار ہوکر ہمیشہ رہے گا، مگر وہ جو توبہ کرلیں گے، ایمان لائیں گے اور عملِ صالح کریں گے تو اللہ ان کی برائیوں کو بھلائیوں سے بدل دے گا، اور اللہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔"

اسی طرح دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿ نَبِّئْ عِبَادِيْٓ اَنِّيْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ وَاَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ ۝ ﴾

[الحجر: ٤٩۔٥٠]

"میرے بندوں کو آگاہ کردو کہ بے شک میں بڑا ہی بخشنے والا مہربان ہوں، اور بے شک میرا عذاب بھی بڑا ہی دردناک ہے۔"

سنتِ مطہرہ اور لوگوں کی ایمانی حالت کا لحاظ:

حدیث بھی قرآنِ مجید کے اس اُسلوب سے باہر نہیں گئی۔ حدیث بھی ہر صنف کو اس کے ایمان کے مطابق مخاطب کرتی ہے۔ اگر سنت سے اس کے دلائل جمع کرنے لگیں تو ہم تھک ہار جائیں گے۔ کوئی مضائقہ نہیں کہ بطور یاددہانی چند ایک مثالیں بیان کردی جائیں۔

رسول اللہ ﷺ کا اہلِ کتاب سے تخاطب کا انداز کفارِ قریش سے مختلف ہوتا تھا۔

آپ یہودیوں کو تورات کے صحیح احکام بجا لانے اور تحریف نہ کرنے کی تلقین کیا کرتے تھے۔ اگر وہ اسے اختیار کر لیتے تو ایمان لے آتے، مثلاً: جب یہودی آپ کے پاس ایک زانی کو لائے تو آپ نے فرمایا: ''میں تمھیں اُس اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں جس نے موسیٰ پر تورات کو نازل کیا۔ کیا تمھاری کتاب میں زانی کی سزا یہی ہے''؟ ❶

نجران سے آنے والے وفد کو ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں مخاطب ہو کر فرمایا کہ نہ وہ یہودی تھے نہ عیسائی وہ تو یک رخ مسلمان تھے۔ آنحضرت ﷺ نے بھی ان کے نام خط میں یہ الفاظ منتخب فرمائے ''میں تمھیں انسانوں کی غلامیوں سے نکال کر اللہ کی غلامی کی طرف، انسانوں کی سرپرستی سے نکال کر اللہ کی سرپرستی میں آنے کی دعوت دیتا ہوں۔'' ❷

دیکھیے! کیسے انھیں براہِ راست توحید الوہیت کی دعوت دی گئی ہے۔ کیونکہ وہ تو توحید ربوبیت کے پہلے ہی سے قائل تھے۔ اسی طرح آپ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے گناہ کے مرتکب افراد کو ایمان کی پختگی اور باری تعالیٰ کی محبت کی تلقین کیا کرتے تھے، حضرت عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک آدمی ایک عورت سے ملا، جو دورِ جاہلیت میں زنا کرتی تھی، وہ اس سے خوش مزاجی کرتے کرتے دست درازی کرنے لگا، عورت نے کہا ''رک جاؤ'' اللہ عزوجل نے شرک کو ختم کر دیا ہے یا کہا جاہلیت کو ختم کر دیا ہے اور اسلام لے آیا ہے یہ سن کر آدمی پیچھے کی طرف بھاگا تو اس کا چہرہ دیوار پر لگا اور وہ زخمی ہو گیا وہ نبی کریم ﷺ کے پاس آیا، آپ نے اسے فرمایا: ''تم نیک آدمی ہو اللہ تعالیٰ نے تم سے اچھائی کا ارادہ کیا ہے جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے اچھائی کرنا چاہتا ہے تو اسے گناہ کی فوراً سزا دے دیتا ہے اور جب برا ارادہ کرے تو اسے گناہ پر قائم رکھتا ہے حتی کہ وہ قیامت کے دن اسے عَیر پہاڑ کے برابر بنا کر

---

❶ مسلم: ۱۷۰۰۔

❷ السيرة لابن هشام: ج:۲ ص: ۲۱۵، ۲۲۵۔ البداية والنهاية لابن كثير: ج: ۵ ص: ۵۲۔ زاد المعاد لابن القيم: ج: ۳ ص: ۶۲۹۔ الطبقات لابن سعد: ج: ۱ ص: ۳۵۷۔

پورا پورا بدلہ دے گا۔"❶

اس سے بھی بڑھ کر ایک دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ بادشاہوں اور حکمرانوں کے نام خط لکھتے ہوئے انہیں ایمان لانے اور اسلام قبول کرنے کو کہتے تھے۔ کسریٰ آگ پرست تھا لہٰذا آپ اس سے نجاشی کی طرح مخاطب نہیں ہوئے کیونکہ نجاشی اہل کتاب میں سے تھا۔ باقی خطوط کا یہاں تذکرہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔❷

اس ضمن میں ایک خوبصورت قابلِ تحریر بات یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کہ جس کے دل میں ایمان موجود تھا اور ایک ایمان کی طرف مائل تھا دونوں کو الگ الگ انداز میں مخاطب کیا۔ ایک کا تعلق سُراقہ کی مادیت پسندی اور دوسرے کا تعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایمان کے ساتھ ہے۔

جب سراقہ بن مالک رضی اللہ عنہ نے قریش سے انعام لینے کے لئے ہجرت کے وقت رسول اللہ ﷺ کا تعاقب کیا اور آپ تک پہنچ گیا تو آپ نے اس سے یہ بات چھپانے کو کہا اور اس سے ایک ایسے مالی انعام کا ذکر کیا جو اس وقت حقیقت کی نسبت خیال کے زیادہ قریب تھا۔ آپ نے فرمایا: "یوں لگتا ہے کہ میں تمہیں کسریٰ کے کنگن پہنے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔"❸

اس کے مقابلے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا واقعہ دیکھیں رسول اللہ ﷺ کے جسم پر کھجور کی چٹائی کے نشان پڑے ہوئے تھے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپ کے پاس گئے اور رونے لگ گئے، آپ نے پوچھا "کیوں روتے ہو؟" انہوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! کسریٰ و قیصر نعم و ناز میں ہیں اور آپ اللہ کے رسول ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((أَمَا تَرْضَى أَنْ تَكُوْنَ لَهُمُ الدُّنْيَا وَلَنَا الْآخِرَةُ۔))❹

---

❶ احمد: ج:٤ ص:٨٧۔ ابن حبان: ٢٩١١۔ حاکم: ج:١ ص:٣٤٩ ج:٤ ص:٣٧٦، ٣٧٧۔

❷ السیرۃ لابن: ج:٤ ص: ٢٣٠۔ زاد المعاد لابن القیم: ج:٣ ص: ٦٨٨۔

❸ الاصابۃ لابن حجر: ج:٣ ص: ٤١۔ سنن کبری بیہقی: ج:٦ ص: ٣٥٧، ٣٥٨۔

❹ بخاری: ٤٩١٣۔ مسلم: ١٤٧٩۔

''کیا تمہیں یہ بات اچھی نہیں لگتی کہ انہیں دنیا ملے اور ہمیں آخرت۔''

آنحضرت ﷺ نے جو جواب سراقہ رضی اللہ عنہ کو دیا ہے وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دیے گئے جواب سے یکسر مختلف ہے۔ پہلے کو دنیا کا وعدہ دلایا اور دوسرے کو آخرت کا۔ یہ طرزِ تخاطب مختلف کیوں ہے؟ آپ ﷺ نے سراقہ سے یہ کیوں نہیں کہا کہ تم جلدی مسلمان ہو جاؤ گے اور تمہیں جنت ملے گی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے آپ نے یہ کیوں نہیں کہا؟ کہ تم بہت بڑے خلیفہ اور باوقار حکمران ہو گے۔ تم قیصر وکسریٰ کے تخت کے مالک بنو گے۔ یہ سب اس بنا پر ہے کہ رسول اللہ ﷺ دعوت وتبلیغ کے دوران مخاطب کی ایمانی حالت کو پیش نظر رکھتے تھے۔ سراقہ تو رسول اللہ ﷺ کے پیچھے صرف دولت کے لئے گیا تھا اس وقت اس کی اندرونی کیفیت ایمان سے بہرہ ور نہیں تھی، اس وقت وہ ایمان اور جنت کو کچھ نہیں سمجھتا تھا۔ لہٰذا اسے یہ کہنا مناسب نہیں تھا کہ تم ایمان لے آؤ گے، جنت میں چلے جاؤ گے وہ تو محض دنیا دارانہ ذہن رکھتا تھا اور نبی کریم ﷺ کے پیچھے آنے سے اس کا واحد مقصد مادیت کا حصول تھا ایسے میں مناسب ہوا کہ آپ اس سے ایک مادی چیز، کسریٰ کے کنگن، کا وعدہ کرتے جو اس وقت اس کا بنیادی مقصد تھا۔ جبکہ سراقہ بھی رسول اللہ ﷺ کی امانت داری، سچائی اور وعدہ وفائی سے بخوبی آگاہ تھا۔

اس کے برعکس حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایمان کی حالت میں تھے اللہ تعالیٰ کی رضا اور جنت کے مقابلہ میں پوری دنیا ان کے سامنے بے وزن تھی۔ اس لئے آپ ﷺ نے ان کی نفسیات کے مطابق فرمایا ''کیا تمہیں پسند نہیں کہ انہیں دنیا ملے اور ہمیں آخرت۔''

یہ واقعہ گذشتہ بیان کردہ سامعین کی ذاتی ونفسیاتی حالات کے لحاظ کی مثال بن بھی سکتا ہے۔ اسلام سے آشنا ہونے والے نومسلم بھی اسی زمرہ میں آتے ہیں۔ ان کے ساتھ بھی طرزِ تخاطب پہلے سے موجود اہلِ ایمان یا مسلم گھرانوں میں پیدا ہونے والے افراد کی طرح نہیں ہونا چاہیے۔ اس طرح کم سن افراد سے اندازِ گفتگو بڑے حضرات کی طرح نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نوخیز اور نو آمدہ افراد کا ایمان اور علم دیرینہ اہلِ ایمان کی طرح نہیں ہوتا۔ اس کی مثال مدینہ منورہ میں قیامِ اسلام کے اوّلین دور کا واقعہ ہے کہ ماعز نے گناہ کر لیا تو

انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے پاس آ کر اقبالِ جرم کیا تا کہ آپ ﷺ اس پر حد نافذ کر دیں اس وقت مدینہ منورہ میں اسلام نوخیز تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے رُخ پھیر لیا حالانکہ ماعز اس کا واضح اقرار کر چکے تھے۔ ❶

یہ سب ان حالات کے تناظر میں تھا جن میں اسلام گزر رہا تھا اور ان ایمانی حالات و ظروف کے پیش نظر تھا جن کا ایک نووارد مسلمان کو سامنا تھا۔

(۵) مدعوین کی نفسیات، مخصوص حالات اور مجبوریوں کو پیش نظر رکھنا:

(ا)..... داعی کی ایک نمایاں خوبی یہ ہے کہ وہ مدعوین کی نفسیات، وقتی صورت حال اور ان کے باہمی درجاتی تفاوت کا مکمل ادراک رکھتا ہو۔

اگر کہیں زلزلہ آیا ہو یا آگ لگی ہو اور افراتفری کا عالم ہو، عورتیں بے پردگی میں مردوں کے ساتھ رو رہی ہوں تو انہیں بُرا بھلا کہنا کوئی اسلامی طریقہ نہیں ہے۔ کیونکہ وہ تو غیر ارادی طور پر اس حالت میں ہیں نہ ہی ایسے میں داعی انہیں حلال وحرام کی وعظ کرنے لگ جائے جب کہ وہاں موت وحیات کا مسئلہ ہو اور یہ صاحب اس کی طرف توجہ ہی نہ دیں۔

اسی طرح اگر مسلمان کسی دباؤ میں ہوں جیسا کہ لادینی دور میں تھا لہٰذا اسے ان کے حالات کو دیکھنا چاہیے اور انہیں طاقت سے بڑھ کر کام نہیں کہنا چاہیے۔

اللہ رب العزت نے لوگوں کے مخصوص حالات کے پیش نظر ہجرت نہ کرنے کو مجبوری شمار کیا ہے۔ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ ظَالِمِي أَنفُسِهِمْ قَالُوا فِيمَ كُنتُمْ ۖ قَالُوا كُنَّا مُسْتَضْعَفِينَ فِي الْأَرْضِ ۚ قَالُوا أَلَمْ تَكُنْ أَرْضُ اللَّهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوا فِيهَا ۚ فَأُولَٰئِكَ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ ۖ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ﴿٩٧﴾ إِلَّا الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيعُونَ حِيلَةً وَلَا يَهْتَدُونَ سَبِيلًا ﴿٩٨﴾﴾

[النساء: ۹۷ ـ ۹۸]

---

❶ بخاري: ٦٨٢٤ ـ مسلم: ١٦٩٢ ـ

"جن لوگوں کی جان فرشتے، اس حال میں نکالیں گے کہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کر رہے ہوں، وہ ان سے پوچھیں گے کہ تم کس حال میں پڑے رہے، وہ جواب دیں گے ہم تو اس ملک میں بالکل بے بس تھے۔ وہ کہیں گے کہ اللہ کی زمین کشادہ نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کر جاتے۔ یہی لوگ ہیں جن کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ کیا ہی برا ٹھکانہ ہے۔ البتہ وہ بے بس مرد، عورتیں اور بچے جو نہ کوئی تدبیر کر سکے اور نہ کوئی راہ پا رہے ہیں۔"

نیز فرمایا:

﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ آوَوا وَّنَصَرُوا أُولَٰئِكَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۚ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يُهَاجِرُوا...﴾ [الأنفال: ٧٢]

"وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں اپنے جان ومال سے جہاد کیا اور وہ لوگ جنہوں نے پناہ دی اور مدد کی، یہی لوگ باہم ایک دوسرے کے دوست ہیں، رہے وہ لوگ جو ایمان تو لائے لیکن انہوں نے ہجرت نہیں کی......."

یہ سب احکام ومسائل ان کے مخصوص حالات کے پیش نظر ہیں۔ صحیح بخاری میں روایت ہے کہ جب حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ اسلام لائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا: "اپنی قوم میں واپس چلے جاؤ میرے غلبہ کی خبر ملنے تک انہیں بھی تبلیغ کرو۔" ❶

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں گھر میں رہنے اور اس وقت تک ہجرت نہ کرنے کو کہا جب تک آپ غالب آ کر خطۂ ارض میں قوت حاصل نہ کر لیں۔ یہ حکم حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے تھا کیونکہ وہ مکہ کے رہنے والے نہیں تھے اور نہ ہی وہاں ان کا کوئی مددگار تھا۔ مکہ والے انہیں اذیت دیتے تھے اسی لئے آپ نے انہیں ایسا کرنے کو کہا۔

❶ بخاری: ۳۸٦۱۔ مسلم: ۲٤۷٤۔

داعی کو چاہیے کہ وہ لوگوں کے مقام و مرتبہ کا خیال رکھے اس سے غافل نہ ہو۔ حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں: "لوگوں سے ان کے مقام و مرتبہ کے مطابق سلوک کرو۔" ❶

آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے: "صاحبِ حیثیت اور باوقار لوگوں کی ایسی لغزشیں جو حدود میں نہ آتی ہوں، معاف کر دیا کرو۔" ❷

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص نیکی اور تقویٰ میں جانا پہچانا ہے یا اس کا معاشرے میں ایک مقام و مرتبہ ہے، اگر وہ کہیں پھسل جائے تو اس سے درگزر کیا جائے اور اس سے چشم پوشی کی جائے۔

امام شافعی ؒ فرماتے ہیں: "صاحبِ حیثیت لوگ جن کی لغزشیں معاف ہوتی ہیں یہ وہ ہوتے ہیں جو برائی میں مشہور نہ ہوں اور کبھی کبھار پھسل جائیں۔" ❸

لوگوں کے مختلف حالات کا یہ واضح اُصول اور ضابطہ ہے۔

جب حضرت عدی بن حاتم طائی ؓ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے تو آپ نے ان کی میزبانی کی، عزت و تکریم کے طور پر تکیہ پیش کیا کیونکہ وہ ایک مشہور و معزز شخص کے صاحبزادے تھے۔ ❹

مقصد یہ ہے کہ صاحبِ حیثیت، کسی مقام و مرتبہ پر فائز یا صاحبِ اقتدار شخص کا لحاظ رکھا جائے اسے لوگوں کے سامنے نصیحت کرنا ناپسندیدہ ہے بلکہ اسے تنہائی میں بات کہی جائے اور ایسے انداز میں کہی جائے کہ اگر اس کو نصیحت اچھی نہیں لگتی تو وہ اسے انا کا مسئلہ نہ بنائے۔

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

---

❶ مقدمہ صحیح مسلم: ج:۱ ص: ۱۷۰۔

❷ صحیح لغیرہ؛ ابو داؤد: ۴۳۷۵۔ احمد: ج:۶ ص: ۱۸۱۔ سنن کبری بیہقی: ج: ۸ ص: ۳۳۴۔

❸ سنن کبری بیہقی: ج:۳ ص: ۳۳۴۔

❹ سیرۃ ابن ہشام: ج: ۴ ص: ۲۲۳۔ تاریخ ابن عساکر: ج: ۴۰ ص: ۷۷۔ احمد: ج:۴ ص: ۴۰۳۔

((مَنْ أَرَادَ أَنْ يَنْصَحَ لِذِيْ سُلْطَانٍ بِأَمْرٍ فَلَا يُبْدِلَهُ عَلَانِيَةً وَلٰكِنْ لِيَأْخُذْ بِيَدِهِ فَيَخْلُوْ بِهِ، فَإِنْ قَبِلَ مِنْهُ، فَذَاكَ، وَإِلَّا كَانَ قَدْ أَدَّى الَّذِيْ عَلَيْهِ لَهُ.)) ❶

"جو شخص کسی صاحب اقتدار کو کوئی نصیحت کرنا چاہے اسے سر عام نہیں کرنی چاہیے، اسے تنہائی میں لے جائے اگر وہ نصیحت پر عمل کرے تو درست وگرنہ نصیحت کرنے والے کا فرض ادا ہوگیا۔"

ایک دفعہ آنحضرت ﷺ کی رات گزارنے کی باری ایک بیوی کے ہاں تھی کہ کسی دوسری بیوی نے آپ کے پاس کھانا بھیج دیا، جس کی باری تھی، اس نے ملازم کے ہاتھ پر مار کر برتن کو توڑ دیا آپ نے کھانا اکٹھا کیا اور دوسرے برتن میں رکھ دیا اور فرمایا: "غَارَتْ أُمُّكُمْ" "تمہاری ماں غیرت میں آگئی تھی" اور فرمایا: "کھاؤ" کھانے سے فراغت تک ملازم اور برتن کو روکے رکھا، اس کے بعد متبادل برتن دے دیا اور ٹوٹا ہوا رکھ لیا۔ آپ ﷺ نے توڑنے والی کے گھر سے صحیح پیالہ لے کر جس کا پیالہ ٹوٹا تھا اسے بھیج دیا۔" ❷

یہ ایک معمولی سا واقعہ ہے لیکن یہ اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کس قدر بلند اخلاق والے تھے۔ لوگوں کے احوال و ظروف کا کس قدر خیال رکھتے تھے۔ اگر آپ کے سامنے کوئی صاحب علم ایسی حرکت کرتا تو یہ گستاخی اور بے ادبی شمار ہوتی، جبکہ نبی کریم ﷺ نے اس موقع کی نزاکت کو سمجھا کہ ایسے میں عورت کی حمیت اسے عقل و دانش اور حسن تصرف سے محروم کر دیتی ہے۔ لہٰذا اس کے علاوہ کچھ نہیں کہا کہ تمہاری ماں کو غیرت آگئی۔

ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ ایک عورت کے پاس سے گزرے جو اپنے بچے کی وفات پر رو رہی تھی اور فرمایا: "اللہ سے ڈرو، صبر سے کام لو" وہ کہنے لگی دور ہو جاؤ تم پر ایسی مصیبت آئی نہیں، جب کہ اس نے آپ ﷺ کو پہچانا نہیں تھا، جب اسے بتایا گیا کہ یہ نبی کریم ﷺ

---

❶ أحمد ج: ٣ص: ٤٠٣ ـ ٤٠٤ ـ الطبراني في كبير ج: ١٧، ص: ٣٦٧ .

❷ بخاري: ٢٤٨١، ٥٢٢٥ ـ

تھے تو وہ دربارِ رسالت میں آ کر عرض کرنے لگی مجھے آپ کا پتہ نہیں چلا تھا۔ آپ نے فرمایا:

((إِنَّمَا الصَّبْرُ عِنْدَ الصَّدْمَةِ الأُولَى .)) ❶

"صبر تو مصیبت کے آغاز میں کرنا چاہیے۔"

کوئی شک نہیں کہ اگر ہم میں سے کسی کو کہا جاتا "دور ہو جاؤ" تو اسے بڑا دشوار گزرتا چہ جائیکہ رسول اللہ ﷺ کو یہ الفاظ کہے جائیں۔

لیکن آپ تو سید الحکماء تھے، آپ ﷺ نے اس کی موجودہ کیفیت کا ادراک کر لیا تھا۔ دوسرا یہ ہے کہ اس نے آپ کو پہچانا بھی نہیں اس لئے آپ ﷺ نے درگزر کیا اور اسے تعلیم بھی نہیں دی کیونکہ وہ اس حالت میں سمجھنے اور ماننے سے قاصر تھی۔ جب وہ آپ ﷺ کے پاس آئی۔ اور ایک دوسری حالت میں آ گئی تو آپ نے اسے وعظ کیا اور تعلیم دی پھر بھی اسے ڈانٹا نہیں۔

اسی طرح واقعۂ افک کے سلسلہ میں جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بے گناہی کے بارے میں قرآن کی آیات نازل ہوئیں تو ان کی والدہ نے کہا: کھڑی ہو جاؤ اور اللہ کے رسول کا شکریہ ادا کرو۔ وہ کہنے لگیں:

((لَا وَاللّٰهِ ؛ لَا أَقُوْمُ إِلَيْهِ ، وَلَا أَحْمَدُ إِلَّا اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ .)) ❷

"اللہ کی قسم! میں آپ کے سامنے کھڑی نہیں ہوں گی میں تو صرف اللہ عزوجل کی تعریف کروں گی۔"

حالانکہ یہ بات رسول اللہ ﷺ کی شان کے مناسب نہیں تھی اگر ہم میں سے کسی کے ساتھ ایسے ہوتا۔ تو اسے بڑا غصہ آتا لیکن مبلغین کے سردار نبی کریم ﷺ اس کی تہہ تک پہنچ چکے تھے اس لئے آپ نہ صرف ان پر ناراض نہیں ہوئے بلکہ سرزنش تک نہیں کی۔

میرے محترم! رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اس پیش آمدہ واقعہ پر غور کریں اور بلاحظہ

---

❶ بخاري : ۱۲۸۳ ـ مسلم : ۹۲٦ ـ

❷ بخاري : ٤٧٥٠ .

فرمائیں ان میں مخاطب سے بات کرتے ہوئے اس کے احوال وظروف کی کس حکمت سے رعایت کی گئی ہے۔

ایک نوجوان آپ کے پاس آ کر کہنے لگا: مجھے زِنا کرنے کی اجازت دیں، لوگوں نے اس کی طرف متوجہ ہو کر اسے ڈانٹا اور کہنے لگے: ہٹو، ہٹو۔ لیکن آپ ﷺ نے فرمایا: ''نزدیک ہو جاؤ'' وہ نزدیک ہوا اور بیٹھ گیا۔ آپ ﷺ نے اسے کہا: ''کیا تم یہ کام اپنی ماں سے کیا جانا پسند کرو گے'' اس نے کہا: اللہ کی قسم کبھی نہیں، میں آپ پر قربان ہو جاؤں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''لوگ اپنی ماؤں کے ساتھ یہ کام پسند نہیں کرتے'' پھر پوچھا: ''کیا تم اپنی بیٹی کے لئے پسند کرو گے'' اس نے کہا: یارسول اللہ ﷺ میں آپ پر قربان جاؤں، آپ نے فرمایا: ''لوگ اسے اپنی بیٹیوں کے لئے کیسے پسند کریں گے؟'' آپ نے پوچھا: ''کیا تم اسے اپنی بہن کے لئے پسند کرو گے؟'' اس نے کہا: ''اللہ کی قسم ہرگز نہیں'' میں آپ ﷺ پر قربان، آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کی قسم ہے لوگ اسے اپنی بہنوں کے لئے بھی پسند نہیں کریں گے۔'' آپ نے پوچھا کیا تم اسے اپنی پھوپھی کے لئے پسند کرو گے۔ اس نے کہا: ''میں آپ ﷺ پر قربان لوگ اپنی پھوپھیوں کے لئے بھی اسے پسند نہیں کریں گے۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تم اسے اپنی خالہ کے لئے پسند کرو گے؟'' اس نے کہا: ''میں قربان جاؤں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ اسے اپنی خالاؤں کے لئے بھی پسند نہیں کریں گے۔'' پھر آپ ﷺ نے اسے پیار کیا اور فرمایا: ''اے اللہ! اس کی غلطی معاف فرما دے، اس کے دل کو پاکیزگی عطا فرما اور اسے پاک دامن بنا دے۔''[1]

اس کے بعد وہ نوجوان کسی ناجائز کام کی طرف دیکھتا بھی نہیں تھا۔ رسول اللہ ﷺ اس کی نفسیاتی کیفیت بھانپ گئے تھے کہ اس نوجوان کے دل میں بے تحاشا شہوت اور سچے ایمان کی کش مکش ہے اور اسے کوئی حل نظر نہیں آ رہا وہ اس کش مکش کو نبی کریم ﷺ کی عارضی

---

[1] احمد: ج: ۵ ص: ۲۵۶، ۲۵۷۔ معجم کبیر طبرانی: ۷۶۷۹، ۷۷۵۹۔ مسند الشامیین: ۱۵۲۳۔ الهیثمی فی المجمع: ج:۱ ص: ۱۲۹۔ رجاله رجال الصحیح

اجازت کے ذریعے وقتی طور پر ختم کرنا چاہتا ہے اور اس کے بعد شریعت کی طرف واپس آجائے گا۔

یہی وجہ ہے کہ اس نے رسول اللہ ﷺ سے کھلے بندوں زنا کی اجازت چاہی، آپ نے نوجوان کی حالت کا ادراک کر لیا لہٰذا اسے ایمان کے حوالے سے بھی کوئی نصیحت نہیں کی، ڈانٹنا یا زجر و توبیخ تو بعد کی بات ہے۔ نوجوان کا دل ایمان سے معمور تھا اگر صورتِ حال یہ نہ ہوتی تو وہ آپ کی اجازت کے بغیر زنا کر لیتا بلکہ آپ کے علم میں آنے ہی نہ دیتا۔ ایمان ہی نے اسے اجازت لینے کے لئے آمادہ کیا تھا۔ آپ ﷺ نے بھی اسے اس کام کی ایسی اخلاقی خرابی سے آگاہ کیا جسے سلیم الفطرت اور پاک دامن لوگ انتہائی بھیانک اور قبیح سمجھتے ہیں۔ یہاں صرف حرام کام کا مسئلہ نہیں بلکہ اور بھی بہت سی خرابیاں ہیں۔ گویا آپ ﷺ اسے کہہ رہے ہیں کہ اگر میں اللہ تعالیٰ سے تجھے اس کی اجازت لے بھی دوں تو جس سے زنا ہونا ہے اس کے والدین، بہن، بھائی، چچا اور ماموں سے کیسے اجازت لوں۔ اگر میں تجھے اجازت دے بھی دوں تو کیا تم اپنی رشتہ دار عورتوں کے ساتھ انہیں زنا کرنے کی اجازت دو گے؟ جونہی نوجوان کے نہاں خانۂ دل میں یہ بات اتری کہ اجازت کا کوئی راستہ نہیں تو آپ ﷺ نے ایسی دعا کے ذریعے اسے ثابت قدمی کا درس دیا جس سے سینوں کو ٹھنڈک، دلوں کو اطمینان اور روحوں کو سکون حاصل ہو جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا:

((اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ ذَنْبَهُ وَ طَهِّرْ قَلْبَهُ وَ حَصِّنْ فَرْجَهُ .))

"اے اللہ! اس کا گناہ معاف فرما دے، اس کے دل کو پاک کر دے اور شرمگاہ کو پاک دامن رکھ۔" ❶

اگر ہم قرآن و حدیث سے مدعوین کے حالات کا لحاظ کرنے سے متعلق دلائل جمع کرنے لگیں تو مضمون بہت لمبا ہو جائے گا، لہٰذا ہم اسی پر اکتفاء کرتے ہیں۔

---

❶ احمد: ج: ۵ ص: ۲۵۶، ۲۵۷۔ معجم کبیر طبرانی: ۷۶۷۹، ۷۷۵۹۔ مسند الشامیین: ۱۵۲۳۔ الهیثمی فی المجمع: ج:۱ ص: ۱۲۹۔ رجاله رجال الصحیح

(۲) سامعین کی ضروریات کا لحاظ:

ایک سمجھ دار داعی کے لئے ضروری ہے کہ وہ لوگوں کی مجبوریاں، مثلاً: غربت، بیماری اور شادی کا لحاظ رکھے۔ ان کا بغور جائزہ لے۔ ان سے ناواقف نہ رہے۔

ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ گھر سے باہر تشریف لے گئے دیکھا تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راستے میں بھوک سے نڈھال چہرے کے بل گرے ہوئے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "اے ابو ہریرہ! حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے۔ میں نے کہا: "لَبَّيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَسَعْدَيْكَ" وہ کہتے ہیں کہ پھر آپ ﷺ نے مجھے ہاتھ سے پکڑا اور کھڑا کر دیا اور میرا دکھ پہچان کر مجھے گھر لے گئے، دودھ سے بھرا ہوا پیالہ منگوایا جب میں نے کچھ پی لیا تو فرمانے لگے: "ابو ہریرہ دوبارہ پیو۔" ❶

اس واقعہ کا بہت بڑا دعوتی نکتہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حالت کو گہرائی میں جا کر سمجھا اور اس کی ضرورت کو نظر انداز نہیں کیا۔

اسی طرز کا ایک انوکھا واقعہ یہ ہے کہ ایک صحابی نے رمضان المبارک میں اپنی بیوی سے ہم بستری کر لی پھر اس نے رسول اللہ ﷺ سے اس کے بارہ میں پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: "کیا تمہارے پاس آزاد کرنے کے لئے کوئی غلام ہے؟" اس نے کہا: "نہیں۔" آپ ﷺ نے پوچھا: "کیا تم دو ماہ کے روزے رکھ سکتے ہو؟" اس نے اس کا جواب بھی نفی میں دیا تو آپ ﷺ نے دریافت کیا۔ کیا تمہارے پاس ساٹھ مسکینوں کو کھلانے کے لئے کھانا ہے؟ اس نے کہا: "نہیں۔" اس کے بعد آپ ﷺ رک گئے۔ اسی عالم میں تھے کہ آپ ﷺ کے پاس کھجوروں کا ایک ٹوکرا آ گیا، آپ ﷺ نے فرمایا: "مسئلہ پوچھنے والا کہاں ہے؟" اس نے کہا: "میں حاضر ہوں"، آپ ﷺ نے فرمایا: "اسے لے لو اور صدقہ کر دو۔" وہ آدمی کہنے لگا: "یا رسول اللہ ﷺ کیا اپنے سے زیادہ غریب پر صدقہ کروں؟ اللہ کی قسم! ان دو پہاڑوں کے درمیان (یعنی مدینہ کی پوری آبادی میں) ہمارے گھر سے زیادہ غریب کوئی گھر

❶ بخاری: ٥٣٧٥.

نہیں۔" یہ سن کر نبی کریم ﷺ اتنا ہنسے کہ داڑھیں بھی دکھائی دیں۔
پھر فرمایا: "اسے اپنے گھر والوں کو کھلاؤ۔" ❶

آج ہمیں اس فہم وفراست اور مدعوین کے حالات کا لحاظ رکھنے کی کتنی ضرورت ہے۔
دیکھئے! کیسے ایک گناہ اس کی سچائی کی بنا پر انعام میں بدل گیا، کاش کوئی نصیحت حاصل کرلے۔

ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ایک خادم صحابی کی ضرورت نکاح کو محسوس کیا تو فرمانے لگے: "ربیعہ شادی کیوں نہیں کر لیتے؟۔" ❷

ان سب سے مشہور ایک حدیث ہے کہ نبی کریم ﷺ اماموں کو نماز ہلکی پڑھانے کی تلقین کیا کرتے اور اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرماتے:

((يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّكُمْ مُنَفِّرُوْنَ ، فَمَنْ صَلَّى بِالنَّاسِ فَلْيُخَفِّفْ ، فَإِنَّ فِيهِمُ الْمَرِيْضَ وَالضَّعِيْفَ وَذَا الْحَاجَةِ .)) ❸

"لوگو! تم تو متنفر کرنے والے ہو جو شخص نماز پڑھائے ہلکی پڑھائے، پڑھنے والوں میں مریض بھی ہوتا ہے، کمزور بھی اور کام کاج والا بھی۔"

غریب کا علاج، غیر شادی شدہ کی شادی، بھوکے کو شکم سیر کرنا بہت بڑے اور ضروری کام ہیں جن سے داعی کو غفلت نہیں برتنی چاہیے۔

(۷) لوگوں کے احوال و معمولات کا لحاظ:

اس میں چار عنوانات ہیں:

(۱) لوگوں کے عمومی حالات:...... اس سے مراد ان کے دینی، شہری اور لین دین کے معاملات ہیں جو انہیں ورثے میں ملتے ہیں اور وہ ان کے عادی ہو چکے ہوتے ہیں۔ ممکن

---

❶ بخاری: ۱۹۳۶۔ مسلم: ۱۱۱۱۔
❷ أحمد: ج:٤ ص: ٥٨، ٥٩۔ معجم کبیر طبرانی: ج:٥ ص: ٥٩۔
❸ بخاری: ٩٠۔ مسلم: ٤٦٦۔

ہے کہ کچھ لوگ نئے نئے مسلمان ہوئے ہوں اور وہ کسی حرام کام کے عادی ہوں۔ خواہ وہ اس کی حرمت سے آگاہ ہوں یا نہ ہوں۔ انہیں ایک یا دو پہر میں ان کاموں سے ہٹایا نہیں جا سکتا۔

یہ بھی ممکن ہے کہ وہ کمزور ہوں اور اس قدر دباؤ میں ہوں کہ وہ تمام اسلامی شعائر کو اپنا نہ سکتے ہوں، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ طاقت ور ہوں اور ہنگامی حالت میں نہ ہوں، صاحبِ علم ہوں، مُتدیّن ہوں، پھر جاہل ہوں اور بدعمل ہوں۔ بہر کیف ایک داعی کو لوگوں کی حقیقی صورتِ حال سے آشنا ہونا ضروری ہے۔ وہ ان کے موجودہ حالات کے تناظر میں انہیں نبھانا بھی جانتا ہو۔ کیونکہ جہاں لوگوں کے حالات مختلف ہوتے ہیں وہاں ہر حالت کی ایک الگ شرعی حیثیت ہوتی ہے۔

(۳) لوگوں کے معمولات کی تین اقسام:......

(ا)...... لوگوں کے کچھ معمولات ناجائز ہیں لیکن وہ معاشرے میں عام ہو چکے ہیں مثلاً: عورت کی بے پردگی اور مردوں سے اختلاط، موسیقی اور سگریٹ نوشی اور اسی طرح دیگر بہت سے ناجائز کام جو آج بعض اسلامی ممالک میں رائج ہیں۔

(۲)...... ایسے معمولات جن کے بارہ میں شریعت خاموش ہے نہ اسے حرام کہتی ہے اور نہ واجب، مثلاً: مختلف کھانے، ملبوسات، تقریبات اور محفلیں، دوائیں، تعمیراتی طریقے وغیرہ۔

(۳)...... اچھی عادات و خصائل جن کی شریعت نے بلا تخصیص ترغیب دی ہے، مثلاً: جود و سخا، غریبوں کی مدد کرنا، معاشرے کی ضروریات میں باہمی تعاون وغیرہ۔

داعی کو میدانِ دعوت میں اترنے سے پہلے واقعاتی صورت حال اور علمِ شریعت کا ادراک ہونا چاہیے تاکہ وہ معمولات میں حکمت و دانائی اختیار کرے اور مسائل کو پیش آمدہ واقعات پر منطبق کرے تاکہ وہ اپنی دعوت کو کسی رکاوٹ کے سامنے کھڑا نہ کر دے۔

بسا اوقات حکمت و دانائی کے بغیر لوگوں کے معمولات پر تبصرہ کرنے سے بہت سے فتنے برپا ہو جاتے ہیں پھر داعی کو مورد الزام بنا کر اسے معاشرے سے الگ کر دیا جاتا ہے یا

اس کے دعوتی عمل کو روک دیا جاتا ہے۔

لوگوں سے ان کے معمولات ترک کروانا اگرچہ وہ ناجائز ہی کیوں نہ ہوں، آسان نہیں ہے۔ ایک یا دو وعظوں سے ان کا ماننا انتہائی مشکل ہے۔

متذکرہ معمولات کی شرعی حیثیت:

شریعت نے جن معمولات کی ترغیب دلائی ہے، داعی انہیں دیکھ کر لوگوں کی تعریف اور حوصلہ افزائی کرے، ان کی افادیت کا تذکرہ کرے، ان کا ثواب بیان کرے، تاکہ وہ ایسے کام جاری رکھیں اور انہیں ترک نہ کریں۔ کتاب وسنت میں اچھے معمولات کی تعریف کی گئی ہے خواہ انہیں اختیار کرنے والے جاہل کیوں نہ ہوں۔

فرمان الٰہی ہے:

﴿وَمِنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ إِنْ تَأْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُؤَدِّهِ إِلَيْكَ ۚ وَمِنْهُمْ مَنْ إِنْ تَأْمَنْهُ بِدِينَارٍ لَا يُؤَدِّهِ إِلَيْكَ﴾ [آل عمران: ۷۵]

"اور اہلِ کتاب میں ایسے لوگ بھی ہیں کہ اگر ان کے پاس امانت کا ڈھیر بھی رکھو تو مانگنے پر لوٹا دیں گے۔ اور ان میں وہ بھی ہیں کہ اگر تم ان کی امانت میں ایک دینار بھی رکھو تو وہ اسے تمہیں واپس نہیں دیں گے۔"

آنحضرت ﷺ نے دورِ جاہلیت کے کچھ کاموں کی تعریف فرمائی ہے مثلاً: نیک کاموں کے لئے وہ لوگ باہمی حلیف بن جایا کرتے تھے، جیسے "حلف مطیّبین" اور "حلف الفضول" ہے۔ ❶

آپ کا فرمان ہے کہ "میں لڑکپن میں اپنے چچاؤں کے ساتھ "حلف مطیّبین" کے وقت موجود تھا۔ میں اسے توڑنے کے عوض سرخ اونٹ لینے پر بھی خوش نہیں۔" ❷

---

❶ السیرۃ لابن ہشام ج: ۱ ص: ۱۵۰۔

❷ احمد: ج: ۱ ص: ۱۹۰۔ سنن کبری بیہقی: ج: ٦ ص: ۳٦٦۔ حاکم: ج: ۲ ص: ۲۱۹، ۲۲۰۔

مختصر یہ کہ غیر مسلموں کے فلاحی کاموں کو خراج تحسین دینا جائز ہے۔ تاہم ان کی دنیوی رسومات جن سے اسلام نے خاموشی برتی ہے داعی ان پر مثبت یا منفی کسی بھی طرح کا تبصرہ نہ کرے۔ نبی کریم ﷺ نے جب اہل مدینہ کو کھجور کی پیوند کاری کے بارے میں مشورہ دیا تھا تو بعد میں فرمایا تھا کہ یہ میری ذاتی رائے تھی اس کا دین سے کوئی تعلق نہیں بلکہ فرمایا تھا کہ:

((أَنْتُمْ أَعْلَمُ بِأَمْرِ دُنْيَاكُمْ .)) ❶

''تم اپنے دنیاوی کاموں کو بہتر جانتے ہو۔''

لوگوں کے ایسے معمولات جو شریعت کی رو سے ناجائز ہیں لیکن وہ انہیں شک کی نگاہ سے دیکھتے ہیں ان کے عادی ہو چکے ہیں اور معاشرہ میں پھیل چکے ہیں ان سے روکنے کے لئے تین باتوں کا خیال رکھنا چاہیے۔

(۱) ..... ان سب کو بیک وقت سامنے نہ رکھا جائے بلکہ اہمیت کے لحاظ سے درجہ بدرجہ پیش کیا جائے، مثلاً: اگر معاشرے میں خواتین کی بے پردگی کے ساتھ ساتھ مرد وزن میں اختلاط بھی ہو تو دونوں سے بیک وقت روکنا حکمت اور دانائی نہیں ہے، زیادہ مضر یعنی اختلاطِ مرد وزن کو مقدم رکھا جائے اور بے پردگی کے موضوع کو مؤخر کر دیا جائے۔

(۲) ..... دوسری بات یہ ہے کہ لوگوں کے معمول کو زیر بحث لایا جائے نہ یہ کہ ان کی شخصیات کو نشانہ بنا کر ان پر فتویٰ لگایا جائے۔

مذکورہ بالا مسئلہ میں اختلاطِ مرد وزن کی حرمت اور اس سے پیدا ہونے والی خرابیاں بیان کی جائیں، ان کی غیر معین اور عام مثالیں ذکر کی جائیں۔ ایسا کرنے والوں پر فتویٰ لگاتے ہوئے یہ نہ کہا جائے کہ دیوث ہیں، فاسق ہیں یا بد اخلاق ہیں۔ اس سے ان میں نفرت پیدا ہوگی اور یہ فتوے اکثر و بیشتر صحیح بھی نہیں ہوتے۔

(۳) ..... ان کی تبدیلی کے لئے آئندہ بیان کردہ نکتے کو اپنایا جائے، مثلاً: جو ناجائز کام لوگوں میں عام ہے اور وہ اس کے عادی ہو چکے ہوں خواہ اس کی حرمت سے ناواقف

❶ مسلم: ۲۳۶۳۔

ہوں یا قائل نہ ہوں ان سے روکنے کا طریقہ ایسے ناجائز کام سے روکنے سے مختلف ہوگا جسے کچھ لوگ کرتے ہوں اور باقی سب ناپسند کرتے ہوں۔

سنت نبوی اور لوگوں کے معمولات :

اس سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ کا طریقۂ کار قبل از اسلام کے بہت سے معمولات کے بارہ میں اظہر من الشمس ہے۔ اسلام سے پہلے لوگ زنا اور متعہ کرتے تھے۔ اسلام نے زنا کو حرام قرار دے دیا اور متعہ سے پہلے عارضی طور پر خاموشی اختیار کی اور بعد میں اسے حرام کر دیا۔ اس کے بعد مسلمانوں کے وقتی حالات کے پیش نظر ایک دفعہ اسے جائز کیا اور پھر ہمیشہ کے لئے حرام کر دیا۔ [1]

اگرچہ اس کا تعلق چیزوں کو بتدریج حرام کرنے کے ساتھ ہے لیکن اس کا تمام تر دارومدار لوگوں کے مخصوص حالات اور انہیں زندگی میں پیش آمدہ معمولات کی رعایت کے ساتھ ہے اسے وہ آسانی سے چھوڑ نہیں سکتے اس لئے اسلام نے ان کی حالت کا لحاظ رکھا ہے اس سے غفلت نہیں برتی۔

خلاصہ یہ ہے کہ داعی کو مدعوین کے حالات کا خیال رکھنا چاہیے اس سے غافل نہیں رہنا چاہیے کیونکہ دعوت إلی اللہ تبلیغ برائے تبلیغ یا کوئی نظریاتی بات نہیں ہے بلکہ یہ عملی دعوت اور واقعاتی عمل ہے۔ یہ لوگوں کے حالات و ظروف سے اغماض برتنے اور غافل ہونے کی بجائے شریعت مطہرہ کے دائرے اور حکمت و دانائی کے سائے میں رہتے ہوئے ان کے شانہ بشانہ جینے کا نام ہے۔

[1] صحیح مسلم: ۱۴۰۶۔ سنن کبری بیہقی: ج: ۷ ص: ۲۰۴۔

فصل 3

کارِ دعوت میں اُصول پسندی

یہ ایک حقیقت ہے کہ دعوتِ دین کا ایک منہج اور طریقۂ کار ہے جسے مضبوط بنیادوں اور کتاب وسنت کے واضح راستوں پر اُستوار کیا گیا ہے۔ اسے اپنانا فرض ہے۔ نہ یہ لوگوں کے رُجحانات کے تابع ہوتا ہے، نہ ان کی خواہشات سے متأثر ہوتا ہے اور نہ ہی ان کی اشتعال انگیزیوں سے مشتعل ہوتا ہے بلکہ یہ منہج بڑی بصیرت کے ساتھ نقش کیا گیا ہے۔

فرمانِ ربّ العالمین ہے:

﴿قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣعَلٰي بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ۭ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ [یوسف: ۱۰۸]

”کہہ دو: یہ میری راہ ہے میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں پوری بصیرت کے ساتھ میں بھی اور وہ لوگ بھی جنہوں نے میری پیروی کی ہے اور اللہ پاک ہے اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔“

اس طریقِ کار کی پابندی کرنے سے غفلت کے نتیجہ میں مسلمانوں کو المناک مصائب، بڑی مشکلات اور باعثِ افسوس دعوتی پسپائیوں سے دوچار ہونا پڑا ہے۔

اس باب میں جو کچھ بیان ہوا ہے اس کا تعلق داعی کے اوصاف اور مدعوین کے حالات وظروف کی رعایت رکھنے کی ضرورت واہمیت سے تھا۔

لیکن سوال یہ ہے کہ ان حالات کی کیسے رعایت رکھی جائے۔ اس طریقِ کار کے کیا اُصول وقواعد ہیں۔

اس فصل میں انہی میں سے کچھ باتوں کو بیان کیا جائے گا تو آیئے دیکھتے ہیں کہ منہج کسے کہتے ہیں اور اس کا فائدہ کیا ہے؟

منہج سے مراد، دعوت کے وہ اُصول اور ضابطے ہیں جنہیں ایک داعی کے لیے دورانِ دعوت حکمت اور دانائی کی فراہمی کے لئے اپنانا ضروری ہے تا کہ وہ اپنے سفر میں کامیاب ہو اور اس کی دعوت بار آور ہو۔

ان منہجی قواعد وضوابط کا مقصد یہ ہے کہ داعی کو اس کے راستے سے آگاہی ہو، وہ اپنے دعوتی طریقِ کار کو منضبط کرے اور مخاطب حضرات کے حالات کا پورا پورا لحاظ رکھے تا کہ ہر ہر صورتِ حال میں اس کے مطابق طرزِ عمل اختیار کر کے دعوتی حقیقت پسندی کا حق ادا کرے۔ آئندہ صفحات میں آٹھ عنوانات کے ذیل میں ہم ان تمام چیزوں ہی کی وضاحت کریں گے۔

(۱) احکام ومسائل سے پہلے ایمان کی دعوت:

اس میں آٹھ عنوانات ہیں:

الف: مندرجہ بالا اُصول کا معنی:..... اس اُصول کی وضاحت کچھ یوں ہے کہ دعوت دیتے وقت ایمان اور اس کے مبادیات کو مقدم رکھا جائے پھر عبادات ومعاملات، کھانے پینے کی حلال وحرام اشیاء، جائز اور ناجائز لباس وغیرہ کی دعوت دی جائے۔

اس قاعدے کو عملی طور پر اپنانا ہی میدانِ دعوت کی بنیاد ہے بالخصوص ان افراد کے لئے جو یا تو سرے سے ایمان سے محروم ہوں یا ان کے ایمان میں خلل اور کمزوری ہو۔ یہ قاعدہ ہر حالت میں اور ہر جگہ منطبق نہیں ہوگا۔ تعلیم وتفہیم کے میدان کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ ان حالات وظروف کی تفصیل اپنے مقام پر بیان ہوگی۔ اِنْ شَاءَ اللّٰہُ

ب: متذکرہ اُصول میں پوشیدہ حکمت اور اس کے فوائد:..... اس اُصول اور قاعدے کا راز یہ ہے کہ ایمان ہی ایک ایسی چیز ہے جو صاحبِ ایمان کو ماضی اور حال سے متعلق باتوں کی تصدیق، مشکل یا آسان مسئلے پر عمل کی رغبت اور مطلوبہ کام کو چھوڑنے یا اپنانے پر آمادہ کرے گا۔ اسی کے ذریعے وہ اسے آسانی، شوق اور ہوشیاری سے سرانجام دے گا۔

ان سب میں سے اہم ترین عقیدہ اور عبادت ہیں۔ یہ دونوں کام جب ایمان اور حصولِ ثواب کی بنیاد پر ہوں تو مخاطب عقیدے کو ایسے وثوق اور یقین کے ساتھ قبول کرے

گا جس میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہوگی اور عبادت کو ایسے شوق اور اطمینان کے ساتھ ادا کرے گا کہ اسے کوئی بوجھ یا دقت محسوس نہیں ہوگی بلکہ وہ اس سے راحت اور سرور حاصل کرے گا۔

یہ ایک طے شدہ بات ہے کہ ایمان میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے ایمان میں جس قدر کمی آتی ہے اسی قدر عمل کرنا بوجھ محسوس ہوتا ہے۔ انسان اس سے گریز کرتا ہے، ناجائز کاموں کو چھوڑنا اسے مشکل لگتا ہے۔ اور جب ایمان بڑھ جاتا ہے تو مخاطب کے لیے عقیدے کو تسلیم کرنا، احکامات پر عمل پیرا ہونا اور نیکیوں کی طرف متوجہ ہونا آسان لگتا ہے۔ بلکہ وہ اسے غور سے سنتا اور لذت محسوس کرتا ہے۔ داعی کی ہر بات کو پریشانی کے بغیر اپناتا ہے۔

داعی جب ایمان کے اوپر دعوت کی بنیاد کو استوار کرتا ہے تو اسے مدعوین کی طرف سے دعوت کی قبولیت میں پریشانی نہیں دیکھنا پڑتی۔ جبکہ ایمان سے پہلے عمل کی دعوت دینے سے صورتِ حال اس کے برعکس ہوگی۔

آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

((. . . وجُعِلَتْ قُرَّةُ عَيْنِي فِي الصَّلَاةِ))

"نماز میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔"[1]

کیونکہ اس کی بنیاد ایمان، حصولِ ثواب اور تسلیم ورضا پر ہے۔ جب نماز کا وقت ہو جاتا تو آپ ﷺ بلال رضی اللہ عنہ سے کہا کرتے تھے:

((أَرِحْنَا بِهَا يَا بِلَالُ))[2]

"اے بلال! اس کے ذریعے ہمیں سکون پہنچاؤ۔"

غور کیجیے! "اس کے ذریعے سکون پہنچاؤ" اور "اس سے ہمیں فارغ کر کے آرام دلاؤ" میں کتنا فرق ہے جیسا کہ ہر دور میں بہت سے سست اور کاہل لوگوں کی زبان حال کہہ رہی

[1] أحمد: ج: ۳ ص: ۲۸۰۔ نسائي: ج: ۷ ص: ٦١۔ مستدرك حاكم: ج: ۲ ص: ١٦٠۔

[2] أبوداؤد: ٤٩٨٦، ٤٩٨٥۔ معجم كبير طبراني: ج:٦ ص: ۲۷۷۔

ہوتی ہے۔ یہ سب عمل سے پہلے ایمان کے استحکام کا ثمرہ ہے۔ جب ایمان کے بغیر یا کمزور ایمان کے ساتھ عبادت ادا کی جائے تو یہ بھاری لگتی ہے اور وہ اسے ناپسند کرتے ہوئے بلاخشوع ادا کرتا ہے باری تعالیٰ نے منافقوں کے بارے میں فرمایا ہے:

﴿إِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ وَإِذَا قَامُوْٓا إِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ إِلَّا قَلِيْلًا ۝ مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ ۖ لَآ إِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ إِلٰى هٰٓؤُلَآءِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ۝﴾

[النساء: ۱۴۲۔۱۴۳]

”منافقین اللہ تعالیٰ سے چال بازی کرنا چاہتے ہیں حالانکہ چال وہ ان سے چل رہا ہے۔ اور جب یہ نماز کے لئے اٹھتے ہیں تو سست ہو کر اٹھتے ہیں۔ محض لوگوں کو دکھانے کے لئے اور اللہ کو کم ہی یاد کرتے ہیں۔ درمیان ہی میں لٹک رہے ہیں نہ ادھر ہیں نہ اُدھر اور جسے اللہ گمراہ کردے تم ان کے لئے کوئی راہ نہیں پاسکتے۔“

ارشاد ربّ العزت ہے:

﴿وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۚ وَإِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ أَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَأَنَّهُمْ إِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۝﴾ [البقرۃ: ۴۵۔۴۶]

”اور صبر اور نماز کے ذریعے مدد مانگو اور بے شک یہ بھاری چیز ہے مگر ان لوگوں کے لئے جو ڈرنے والے ہیں۔ جو یقین رکھتے ہیں کہ انہیں اپنے ربّ سے ملنا ہے اور وہ اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔“

جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور نماز میں خشوع نہیں اختیار کرتے، ان پر یہ بہت بھاری اور اسے بجا لانا بہت مشکل ہوتا ہے۔ اس کی بڑی وجہ ادا کردہ عبادت پر عدمِ ایمان ہے جیسا کہ منافقوں کی صورتِ حال ہے یا پھر ایمانی کمزوری ہے جیسا کہ سستی کا مظاہرہ کرنے والے مسلمانوں کی کیفیت ہے۔

علاوہ ازیں عمل کی قبولیت کے لئے ایمان شرط ہے۔ اس کے بڑھ جانے سے آدمی کی

توجہ نیک عمل کی طرف ہو جاتی ہے اور وہ برے عمل سے سچے دل سے رُک جاتا ہے۔ ارشادِ خالقِ کائنات ہے:

﴿فَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهٖ ۚ وَ اِنَّا لَهٗ كٰتِبُوْنَ﴾ [الأنبياء: ٩٤]

''جو شخص نیک عمل کرے گا اور وہ ایمان پر بھی ہوگا اس کی محنت کی ناقدری نہیں ہوگی اور ہم اس کے لئے اسے لکھ رکھنے والے ہیں۔''

ہر موقع پر آنحضرت ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ایمان یاد دلاتے ہیں، مثلاً: آپ ﷺ کا فرمان ہے:

((مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِيْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ.)) ❶

''جو شخص ایمان کے ساتھ اور حصولِ ثواب کی نیت سے روزے رکھتا ہے ان کے سابقہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔''

ج: قوی الایمان اور ضعیف الایمان کے ہاں عبادت کا تصور: ..... ایک شخص کمزور ایمان کے ساتھ اور ناپسند کرتے ہوئے عبادت ادا کرے اور دوسرا ایمان سے لبریز ہو کر حصولِ ثواب کی نیت سے عبادت کرے تو ان دونوں کی مثال ایسے ہے جیسے ایک شخص نے ایسی بیوی سے شادی کی ہو جو اسے پسند نہ ہو اور دوسرے نے اپنی بیوی سے محبت کے ساتھ شادی کی ہو۔ پہلا شخص اپنے اہلِ خانہ کے پاس ناپسندیدگی کے ساتھ آتا ہے اسے کوئی خواہش یا لذت نہیں ہوتی اور نہ ہی وہ اطمینان محسوس کرتا ہے۔ وہ بڑے صبر و تحمل کے ساتھ ان سے علیحدہ ہونے کا انتظار کرتا ہے جب وہ ان سے الگ ہوتا ہے تو اسے راحت محسوس ہوتی ہے اسے کوئی حسرت اور دوبارہ آنے کی تمنا نہیں ہوتی۔ اس کے مقابلہ میں جو دل کی چاہت سے شادی کرتا ہے وہ اپنی بیوی سے محبت والفت سے پیش آتا ہے، بڑے شوق کے ساتھ اور

❶ بخاری: ۳۸، ۱۹۰۱۔ مسلم: ۷٦٠۔

متاعِ حیات سمجھ کر اس کے ساتھ رہتا ہے۔ اس سے الگ ہونا پسند نہیں کرتا اگر کبھی الگ ہو جائے تو اسے جدائی کی حسرت اور واپسی کا شوق رہتا ہے۔

بالکل اسی طرح پہلے سے موجود ایمان کے ساتھ جو شخص اطاعت کرتا ہے وہ شوق اور محبت سے کرتا ہے اور نہ چاہتے ہوئے اس سے الگ ہوتا ہے جبکہ ایمان کے بغیر یا کمزور ایمان کے ساتھ اطاعت کرنے والا ناپسند کرتے ہوئے آتا ہے اسے مشقت کے ساتھ ادا کرتا ہے اور جاتے ہوئے خوش ہوتا ہے۔ یہ چیز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین کے شوقِ عبادت سے عیاں ہے۔

ایسے نیک لوگوں کے واقعات بے شمار ہیں، کچھ ایسے بھی تھے جن کا نماز کے دوران آپریشن ہوا۔ ❶

کچھ ایسے تھے کہ نماز کے دوران مسجد گر گئی لیکن انہوں نے محسوس تک نہیں کیا وغیرہ وغیرہ۔ ❷

یہ سب عبادت سے پہلے ایمان کی طاقت کے باعث تھا اس چیز نے انہیں اس پر آمادہ کیا اس کے برعکس منافقوں اور عملی طور سے ان کا سا رویہ اپنانے والوں کے ہاں کوتاہی کا پہلو بھی عیاں ہے اس کی وجہ ایمان کا سرے سے نہ ہونا یا اس کا کمزور ہونا ہے۔

د: عمل سے پہلے ایمان کی دعوت دینے کے دلائل:..... یہ بیان ہو چکا ہے کہ ایمان دل میں قبولیت کا جذبہ اور اطاعت میں سبقت کی رغبت پیدا کرتا ہے۔ اس سے عبادت میں حلاوت اور اللہ تعالیٰ سے راز و نیاز کرنے میں لذّت محسوس ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عمل سے پہلے اسے اختیار کرنے کو کہا ہے۔ اہلِ ایمان کو کوئی بھی کام کرنے یا نہ کرنے کا حکم دینے سے پہلے باری تعالیٰ اس کی یاد دلاتا ہے۔ ارشادِ رب العزت ہے:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي نَزَّلَ عَلَىٰ رَسُولِهِ وَ

❶ سير أعلام النبلاء: ج: ٤ ص: ٤٢٩ .

❷ مجموع الفتاوى: ج: ٢٢ ص: ٦٠٥ .

الْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا﴾ [النساء : ۱۳۶]

''اے ایمان والو! ایمان لاؤ اللہ پر اس کے رسول پر اور اس کتاب پر جو اس نے اپنے رسول پر اتاری اور اس کتاب پر جو اس نے پہلے اتاری اور جو شخص اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں اور روز آخرت کا انکار کرے وہ بہت دور کی گمراہی میں جا پڑا۔''

اس فرمان میں ہر کام سے پہلے ایمان کو اختیار کرنے کا حکم دیا ہے:

﴿قُلْ لِّعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ﴾ [ابراهيم : ۳۱]

''میرے ان بندوں کو جو ایمان لائے ہیں کہہ دو کہ نماز کا اہتمام رکھیں۔''

یعنی چونکہ تم ایمان لا چکے ہو اور دین کی بنیادیں استوار کر چکے ہو لہٰذا تم عمل کرو یہی تمہارے ایمان لانے کا تقاضا ہے۔

قرآن مجید میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ مثلاً: جن مقامات پر اللہ تعالیٰ نے ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا﴾ کہا ہے وہاں ان کے دلوں میں پوشیدہ وصفِ ایمان کو بیدار کرنا ہی مقصود ہے۔ یہی انہیں دیے جانے والے امر و نہی کو اپنانے کا جذبہ پیدا کرے گا۔ اس کی ایک مثال باری تعالیٰ کا یہ فرمان ہے جس میں امر و نہی کے بعد انہیں کہا ہے:

﴿ذٰلِكُمْ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۬﴾ [الطلاق : ۲]

''یہ نصیحت انہیں کی جا رہی جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔''

معلوم ہوا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ اور ایمان بالآخرہ سے بہرہ ور نہیں ہے وہ کسی نصیحت سے متاثر نہیں ہوگا اور کسی مطالبے کو پورا نہیں کرے گا۔

کافروں کی طرف سے انبیاء ﷺ کو ملنے والے درج ذیل جواب کا یہی راز ہے۔

﴿قَالُوْا سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَوَعَظْتَ اَمْ لَمْ تَكُنْ مِّنَ الْوٰعِظِيْنَ﴾

[الشعراء : ۱۳۶]

''انہوں نے جواب دیا ہمارے لئے یکساں ہے، خواہ تم نصیحت کرو یا نصیحت کرنے والوں میں سے نہ بنو۔''

انبیاء علیہم السلام احکام و مسائل کی تعلیم سے پہلے ایمان کی دعوت دیتے تھے۔ ایمان کی چوٹی توحید ہے اس میں وہ سال ہا سال گزار دیتے۔ خود رسول اللہ ﷺ تیرہ سال تک اپنی قوم کو ایمان کی دعوت دیتے رہے، اپنے پیروکاروں کے ایمان میں اضافے کی تربیت کرتے رہے۔ بیشتر احکام و مسائل کو بیان نہیں کیا اور نہ ہی محرمات سے روکا۔ دلوں میں ایمان کے راسخ ہونے سے پہلے کچھ صحابہ جوابازی اور شراب نوشی جیسے گناہ بھی کرتے تھے جنہیں بعد میں کبیرہ شمار کیا گیا۔ آپ ﷺ نے انہیں ان سے منع نہیں کیا۔

جب دلوں میں ایمان پختہ ہو جائے اور وہ خالق کے سامنے جھک جائیں تو انہیں عبادات بجالانے کو کہے پھر معاملات کے مسائل سے آگاہ کرے اور حرام چیزوں سے روکے۔

دیکھئے! شراب کی حرمت کا حکم ہجرتِ مدینہ سے تین سال بعد دیا گیا جب اس کی حرمت کا حکم آیا تو مسلمانوں نے تیزی کے ساتھ اسے قبول کیا کیونکہ اس سے پہلے وہ ایمان کی دولت سے مالا مال ہو چکے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ یہ جو آج کھجوروں کا مشروب پیا جاتا ہے اس کے علاوہ ہمارے ہاں شراب پی جاتی تھی ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ میں ابوطلحہ رضی اللہ عنہ اور اس کے ساتھ دیگر افراد کو شراب پلا رہا تھا کہ ایک آدمی آیا اور کہنے لگا کیا تمہیں نئے مسئلے کا پتہ چل گیا ہے؟ انہوں نے پوچھا وہ کیا ہے؟ اس نے بتایا کہ شراب تو حرام ہو چکی ہے۔ یہ سن کر انہوں نے کہا: انس! یہ برتن انڈیل دو۔ اس آدمی کی اطلاع کے بعد نہ انہوں نے کوئی سوال کیا اور نہ ہی شراب کی طرف ہٹ کر دیکھا۔'' ❶

اسی طرح پردے کا حکم آنے کے بعد انصار کی عورتوں کا واقعہ تو بہت ہی مشہور ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: ''اللہ تعالیٰ پہلی پہلی مہاجر عورتوں پر رحمتیں نازل فرمائے،

❶ بخاری: ٤٦١٧۔ مسلم: ١٩٨٠۔

جب اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل فرمایا:

﴿ وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ ﴾ [النور: ٣١]

''وہ اپنے گریبانوں پر اپنی اوڑھنیاں ڈال دیا کریں۔''

تو انہوں نے اپنی چادریں پھاڑ کر اس کی اوڑھنیاں بنالیں۔ ❶

یہ تمام تر شوق اور رغبت صرف اس وجہ سے ہے کہ انہیں مسائل واحکام سے پہلے ایمان کا درس دیا گیا تھا اگر ایمانی استحکام سے پہلے حرام کاموں سے بچنے کو کہا جاتا تو وہ کبھی اطاعت نہ کرتے۔

لیجیے! ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا اپنا بیان ہے کہ ''قرآنِ مجید میں سے پہلے پہلے مفصل سورتیں نازل ہوئیں جن میں جنت اور دوزخ کا بیان تھا۔ جب لوگ اسلام کی طرف لپک کر آ گئے تو حلال وحرام کے مسائل نازل ہوئے اگر ابتداء ہی میں یہ حکم دے دیا جاتا کہ تم شراب نہ پیو تو لوگ کہتے کہ ہم کبھی شراب نہیں چھوڑیں گے اگر یہ حکم نازل ہوتا کہ تم زنا نہ کرو تو لوگ کہتے ہم کبھی زنا نہیں چھوڑیں گے۔ میں ابھی مکہ مکرمہ میں کم سن لڑکی تھی کہ حضرت محمد ﷺ پر یہ آیت نازل ہوئی:

﴿ بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ أَدْهَىٰ وَأَمَرُّ ﴾ [القمر: ٤٦]

''بلکہ ان سے جو وعدہ ہے اس کے پورا ہونے کا اصلی وقت تو قیامت کا دن ہے، اور قیامت کا دن بڑا ہی سخت اور بڑا ہی کڑوا ہوگا۔''

جب سورت بقرہ اور سورت النساء نازل ہوئی تو میں آپ کے گھر میں آ چکی تھی۔ اس کے بعد انہوں نے مصحف نکال کر اس میں کچھ آیات املاء کرائیں۔'' ❷

دیکھیے! حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس قاعدے کو کیسے خوبصورت انداز میں بیان کیا ہے۔

جب حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے دیکھا کہ لوگ احکام ومسائل سے منہ موڑ لیتے ہیں

---

❶ بخاری: ٤٧٥٨، ٤٧٥٩۔

❷ بخاری: ٤٩٩٣۔

اور قرآن مجید پر عمل نہیں کرتے حالانکہ وہ اسے یاد بھی کرتے ہیں تو انہوں نے اس کی وجہ یہ قرار دی کہ یہ لوگ اس قاعدے کی مخالفت کرتے ہیں۔ ایمان سے پہلے ان کے سامنے مسائل رکھ دیئے گئے ہیں اس لئے وہ ان پر صحیح طور سے عمل نہیں کرتے۔ انہی کا مقولہ ہے "ہم عرصہ دراز تک اسی حالت میں رہے کہ ہمیں قرآن سے پہلے ایمان کی دعوت دی جاتی رہی اس کے بعد محمد ﷺ پر سورت نازل ہوتی جس سے ہم حلال وحرام اور امر ونہی سیکھتے جیسے آج تم لوگ قرآن مجید کے بارہ میں موقف اختیار کرتے ہو اور جیسے تم قرآن سیکھتے ہو، ایسے نہیں ہونا چاہیے۔ آج ایمان سے پہلے قرآن کی دعوت دی جاتی ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ لوگ اسے فاتحہ سے آخر تک پڑھ لیتے ہیں لیکن انہیں کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ اس میں کیا حکم دیا گیا اور کس چیز سے منع کیا گیا ہے وہ اسے ردّی کھجوروں کی طرح بکھیر دیتے ہیں۔ [1]

اس کی وجہ بھی ہے کہ ایمان سے پہلے قرآن کا درس دیا جاتا ہے۔

ھ: متذکرہ اُصول کی عملی صورتیں:...... اس اُصول کو اپنانے کے مختلف مواقع اور مختلف صورتیں ہیں، مثلاً:

(۱)...... اگر مخاطب صاحب ایمان نہ ہو تو اسے عبادات، دینی مسائل اور حرام وحلال کی دعوت سے پہلے ایمان اور اس کے تقاضوں کی طرف بلایا جائے۔ اسے مبادیاتِ اسلام میں سے توحید، فرمانبرداری اور تسلیم ورضا کی دعوت دی جائے۔

اگر یہ دعوت قبول کر لے تو اسے تدریج کے باب میں بیان کردہ طریقے کے مطابق آہستہ آہستہ مسائل واحکام سے آگاہ کیا جائے۔ اس کے ساتھ ساتھ اسے ایمانیات کی ہلکی ہلکی خوراک دی جائے تاکہ اس کے ایمان میں اضافہ ہو۔ اسے اسلامی احکام ومسائل بالخصوص جزئیاتِ دین مثلاً بیوی کے حقوق، پردہ، وراثت کے مسائل بتانا یا ان مسائل کے تحقیقی جائزہ سے دوچار کرنا حکمت سے بالاتر ہوگا۔ کیونکہ وہ تو بنیادی طور پر کافر ہے۔

[1] بیهقی ج: ۳ص: ۱۲۰۔ ابن عساکر ج: ۳۱ص: ۱۶۰۔ حاکم: ج: ۱ ص: ۳۶۔

تاہم بسا اوقات محاسنِ اسلام کے ضمن میں کچھ باتیں بیان کرنا درست ہوگا، مثلاً: اسلام میں وراثت کی عادلانہ تقسیم، عورت کا احترام، پردے کے فوائد، شراب جیسی حرام چیزوں کے نقصان وغیرہ مختصر طور سے بیان کئے جائیں۔

(۲)..... اگر مخاطب مسلمان لیکن جاہل ہو، کوتاہی کرنے والا اور نافرمان ہو تو اس قسم کے لوگوں کو ایمان میں اضافے کی باتیں سنا کر دعوت دی جائے۔ ایمان کے تقاضوں کا تفصیل سے تذکرہ ہو۔ احکام شریعت پر کیسے عمل کرنا ہے، اسے کیسے ماننا ہے انہیں ترغیب و تخویف دلائی جائے۔ پہلے پہل یہ نہ کہا جائے کہ یہ جائز ہے یہ ناجائز ہے کیونکہ ان کی ضرورت مسائل کی لاعلمی نہیں ہے یہ باتیں تو وہ پہلے ہی جانتے ہیں۔ ان کا اصل مسئلہ ایمان کی کمی اور عملی کمزوری ہے اس میں بہتری کا طریقہ صرف کام کی شرعی حیثیت بیان کرکے نہیں آسکتی ہے اس کے لئے اس کے وجوہ و اسباب کو مدنظر رکھنا ہے اور وہ صرف اور صرف ایمان کی کمی ہے۔

ü مسائل و احکام سے پہلے ایمان کی دعوت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ حلال و حرام کی تبلیغ نہ کی جائے:..... اس اُصول کو داعی کے منہج میں بیان کرنے سے یہ مراد نہیں کہ وہ لوگوں کو حلال وحرام نہ بتائے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ وہ میدانِ دعوت میں حلال وحرام پر یقین رکھنے کو پہلے بیان کرے کیونکہ ایمان عمل کی بنیاد ہے۔ جس طرح بنیاد کے بغیر عمارت نہیں بنتی اسی طرح ایمان کے بغیر عمل کا تصور نہیں ہے وگرنہ عمل کرنے والا منافق ہوگا جبکہ عمل کے بغیر ایمان رکھنے والا مُرجئہ (وہ لوگ جو یہ نظریہ رکھتے ہیں کہ ایمان میں عمل شامل نہیں ہے) میں سے ہے۔

یہ اُصول ہر جگہ اور ہر شخص پر کارفرما نہیں ہوگا۔ بسا اوقات ایمان اور عمل ایک ساتھ بیان کرنا دانائی ہوگا۔

کبھی ایسے بھی ہوگا کہ مسائل کو پہلے بیان کرنا ضروری ہوگا یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مدعو جس حرام میں ملوث ہے اسے براہ راست اس سے بچایا جائے۔ تاہم اُصول یہی ہے کہ

لوگوں کو پہلے ایمان کی دعوت دی جائے، انہیں تسلیم و رضا کا قائل کیا جائے اس کے بعد احکام و مسائل ان کے سامنے رکھے جائیں۔

ز: متذکرہ بالا اُصول کی دورِ حاضر میں عملی تطبیق:...... ہمارے اس دور اور عہدِ نبوی کے درمیان چونکہ ایک طویل عرصہ گزر چکا ہے اس دوران اُمتِ مسلمہ کو کئی مصائب اور مشکلات سے گزرنا پڑا ہے۔ وہ غیروں سے متاثر بھی ہوئے ہیں۔ دنیا کے دروازے بھی ان کے لئے بہت زیادہ کھل گئے ہیں اس لئے اکثر مسلمانوں کے ایمان بھی کمزور ہو گئے ہیں جس کے نتیجے میں عبادتیں انہیں بوجھ محسوس ہوتی ہیں اور برائیوں کو چھوڑنا انہیں مشکل لگتا ہے۔ مسلمانوں کی اکثریت دین کو چھوڑ چکی ہے بلکہ وہ کچھ ارکان کو بجالانے سے بھی عاجز ہے۔

اُمتِ مسلمہ میں بدعملی خفیہ اور علانیہ دونوں طرح سے عام ہو چکی ہے۔ اس تمام تر صورت حال کے باوجود کچھ اہلِ علم اور داعی حضرات عوام الناس کے حق میں یا ان کے خلاف فتویٰ بازی سے کام لیتے ہیں گویا کہ لوگ ایمان میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درجہ کو پہنچ چکے ہیں یا یہ داعی عہدہ قضا پر فائز ہیں۔ یوں لگتا ہے کہ یہ حضرات الگ دنیا میں رہتے ہیں اور باقی سب لوگ کسی دوسری دنیا میں رہتے ہیں۔ لوگ ان سے دور جا چکے ہیں اور انہیں معلوم تک نہیں یہ حضرات فتووں کے منبروں پہ اور عدلیہ و قضاء کی پالکیوں پہ شان و شوکت سے رواں دواں ہیں۔

شاید لوگوں کے دین کو نہ ماننے، عبادت کو بوجھ محسوس کرنے اور احکامِ شریعت کو تسلیم نہ کرنے کے پیچھے یہی عنصر کارفرما ہے۔ یہ بات انتہائی ضروری ہے کہ یہ داعی حضرات اپنے انداز پر نظرِ ثانی کریں اور اس حقیقت پسندانہ اُصول پر عمل پیرا ہوں "ایمان کا درجہ احکام و مسائل سے پہلے ہے" تا کہ ایمان کو تقویت مل سکے اور لوگ مسائل کو سنیں اور ان پر عمل کریں۔

ح: ایمان میں اضافے کے طریقے:...... اس اُصول کے اختتام پر مناسب ہوگا کہ کچھ ایسے طریقے بیان کر دیے جائیں جن سے آدمی کے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے اور اس میں للّٰہیت بڑھ جاتی ہے، فرائض بجا لانے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور وہ نافرمانی سے باز آ جاتا ہے۔ داعی کے لئے کارِ دعوت آسان ہو جاتا ہے اور مدعوّین میں جذبہ قبولیت دو

چند ہو جاتا ہے۔

اہل سنت والجماعت کے ہاں قرآن وسنت کی روشنی میں یہ اُصول جانا پہچانا ہے کہ:

((اَلْاِیْمَانُ یَزِیْدُ وَیَنْقُصُ .))

''ایمان بڑھتا بھی ہے اور کم بھی ہوتا ہے۔''

جیسا کہ باری تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَیَزْدَادَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِیْمَانًا﴾ [المدثر: ۳۱]

''اور اہلِ ایمان کا ایمان بڑھ جاتا ہے۔''

نیز فرمایا:

﴿اَلَّذِیْنَ قَالَ لَھُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَکُمْ فَاخْشَوْھُمْ فَزَادَھُمْ اِیْمَانًا ۖ وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ﴾ [آل عمران: ۱۷۳]

''یہ وہ ہیں کہ جنہیں لوگوں نے سنایا کہ دشمن نے تمہارے لئے بڑی طاقت اکٹھی کی ہے اس سے ڈرو تو اس بات نے ان کے ایمان میں اور اضافہ کر دیا۔ اور انہوں نے کہا کہ اللہ ہمارے لئے کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔''

جوں جوں ایمان بڑھے گا آدمی زیادہ نیک ہوتا جائے گا اور اللہ تعالیٰ کی طرف اس کی توجہ بڑھتی جائے گی اور جیسے جیسے اس کا ایمان کمزور ہوگا آدمی برائی کے قریب ہوتا جائے گا اور اللہ تعالیٰ سے دور ہوتا جائے گا۔

ایمان میں اضافہ کے اسباب:

(۱)...... اللہ تعالیٰ کی تمام صفات جن میں جاننا، سننا، دیکھنا اور حکمت والا ہونا وغیرہ شامل ہیں، ان کو بیان کرنے اور ان کا تقاضا ذکر کرنے پر زور دیا جائے۔ ان صفات سے حاصل ہونے والے فوائد، مثلاً: اللہ تعالیٰ کی محبت، اس کا خوف، اس کی حدود کا لحاظ اور ان کے سامنے رک جانے کا تذکرہ کیا جائے۔

فرمانِ الٰہی ہے:

﴿ اَلرَّحْمٰنُ فَسْـَٔلْ بِهٖ خَبِيْرًا ﴾ [الفرقان : ۵۹]

’’وہ رحمان ہے تم اس کی شان باخبر سے پوچھو۔‘‘

نیز فرمایا:

﴿ وَ لِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ۠ وَ ذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْۤ اَسْمَآىِٕهٖ ؕ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴾ [الاعراف : ۱۸۰]

’’اور اللہ کے لئے تو اچھی اچھی صفتیں ہیں، انہی سے اس کو پکارو اور ان لوگوں کو چھوڑ دو جو اس کی صفات کے باب میں کج روی اختیار کر رہے ہیں، وہ جو کچھ کر رہے ہیں عنقریب اس کا بدلہ پائیں گے۔‘‘

اللہ تعالیٰ کے ناموں کے ذریعے ان پر کامل یقین رکھ کر اور ان کے معنی کو سمجھ کر دعا کرنے سے آدمی کو لذّتِ مناجات حاصل ہوتی ہے اور اسے باری تعالیٰ کا مزید قرب حاصل ہوتا ہے۔

(۲)..... فرمانبرداری کے فوائد اور نافرمانی کے نقصانات ذکر کئے جائیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کے ہر کام میں کوئی نہ کوئی مصلحت ہے اور اس کی نافرمانی میں کوئی نہ کوئی نقصان ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ کچھ ہمیں معلوم ہیں اور کچھ نامعلوم۔ جیسا کہ فرمانِ ربّ العزت ہے:

﴿ اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ؕ وَ هُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ﴾ [الملك : ۱٤]

’’کیا وہ نہ جانے گا جس نے پیدا کیا ہے؟ اور وہ تو بڑا ہی باریک بین اور خبر رکھنے والا ہے۔‘‘

اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو اس کے قانون سے باہر نہیں جانا چاہیے خواہ اس کی حکمت معلوم ہو یا معلوم نہ ہو، خواہ اس کا کوئی ظاہری مفاد ہو یا نہ ہو۔

ارشادِ ربّ العالمین ہے:

﴿ وَ مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّ لَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ

الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ ﴾ [الأحزاب: ۳٦]

''اور کسی مومن مرد یا عورت کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملہ کا فیصلہ کر دیں تو ان کے لئے اس میں کوئی اختیار باقی رہ جائے۔ اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا تو وہ کھلی ہوئی گمراہی میں پڑا۔''

نیز فرمایا:

﴿ إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَنْ يَقُولُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴾ [النور: ۵۱]

''اہل ایمان کی بات تو یہ ہوتی ہے کہ جب انہیں اپنے کسی باہمی نزاع کے فیصلے کے لئے اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم نے سنا اور مانا اور یہی وہ لوگ ہیں جو فلاح پانے والے ہیں۔''

(۳)... اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے محبت کی دعوت دینا، ان سے ملاقات کا شوق پیدا کرنا اس کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے انسان پر ہونے والے انعامات اور رسول اللہ ﷺ کی برتری کا تذکرہ کیا جائے۔

ارشاد ربّ العزت ہے:

﴿ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ ﴾ [البقرة: ۱٦۵]

''لیکن جو (اللہ پر) ایمان رکھتے ہیں وہ سب سے زیادہ اللہ سے محبت رکھنے والے ہیں۔''

نیز فرمایا:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ ﴾ [المائدة: ۵٤]

''اے ایمان والو! جو تم میں سے اپنے دین سے پھر جائے گا تو (اللہ کو کوئی پرواہ

نہیں) وہ جلد ایسے لوگوں کو لے آئے گا جن سے وہ محبت کرے گا اور وہ اس سے محبت کریں گے۔"

آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے:

((لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى يَكُونَ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا . . . .))

"تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک ایمان سے بہرہ ور نہیں ہوگا جب تک اسے اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول باقی سب چیزوں سے زیادہ اچھے نہ لگیں۔" ❶

آنحضرت ﷺ کا یہ بھی فرمان ہے:

((مَنْ أَحَبَّ لِقَاءَ اللّٰهِ أَحَبَّ اللّٰهُ لِقَاءَهُ .))

"جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرنا پسند کرتا ہے، اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملنا پسند کرتا ہے۔" ❷

(۴)..... اللہ تعالیٰ کی عام مخلوقات پر بالعموم اور انسان کی تخلیق پر بالخصوص غور وفکر کی دعوت دی جائے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْأَرْضِ وَ اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَ النَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ۝ الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّ قُعُودًا وَّ عَلٰى جُنُوبِهِمْ وَ يَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْأَرْضِ ۚ﴾ [آل عمران:۱۹۰ـ ۱۹۱]

"بے شک آسمانوں اور زمین کی تخلیق اور رات اور دن کی تبدیلی میں اہل عقل کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں۔ ان کے لئے جو کھڑے، بیٹھے اور اپنے پہلوؤں پر اللہ کو یاد کرتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی خلقت پر غور کرتے رہتے ہیں۔"

---

❶ بخاری: ۱٦ـ مسلم: ٤٣ـ

❷ بخاری: ٦٥٠٧ـ مسلم: ٢٦٨٣.

نیز فرمایا:

﴿ وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِّلْمُوقِنِينَ ۝ وَفِي أَنفُسِكُمْ ۚ أَفَلَا تُبْصِرُونَ ۝ ﴾

[الذاریات: ۲۰۔۲۱]

''اور زمین میں بھی نشانیاں ہیں یقین کرنے والوں کے لئے اور خود تمہارے اندر بھی کیا تم دیکھتے نہیں۔''

رحمۃ للعالمین کا فرمان ہے: ''اللہ تعالیٰ کی نشانیوں پر غور وفکر کرو اللہ تعالیٰ کی ذات پر غور وفکر نہ کرو۔ ❶

(۵)......ترغیب وتخویف کا اُسلوب اپنانا، یعنی نیک لوگوں کے لئے تیار کردہ انعامات اور نافرمانوں کی سزا ذکر کرنا۔ قرآنِ مجید اور انبیاء کرام علیہم السلام کی دعوت کا یہی اُسلوب ہے اس میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سرفہرست ہیں اس کی مزید تفصیل منہجِ دعوت اور ترغیب وتخویف میں اعتدال کے مضمون میں آ رہی ہے۔

(۶)......عبادات کی ترغیب دلائی جائے ان کی ادائیگی سے عموماً اور تہجد پڑھنے سے خصوصاً ایمان میں اضافہ ہوتا ہے۔ ایک حدیثِ قدسی میں باری تعالیٰ فرماتے ہیں ''جن جن عبادتوں کے ذریعے میرا بندہ میرا قرب حاصل کرتا ہے ان میں کوئی عبادت مجھے اس عبادت سے زیادہ پسند نہیں جو میں نے اس پر فرض کی ہے اور میرا بندہ نوافل ادا کرتے کرتے اتنا قریب ہو جاتا ہے کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں اور جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو میں اس کا کان بن جاتا ہو جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے اگر وہ مجھ سے مانگے تو میں اسے ضرور دیتا ہوں اور اگر وہ مجھ سے پناہ طلب کرے تو میں اسے ضرور پناہ دیتا ہوں اور مجھے کسی کام میں جسے میں کرنا چاہوں اتنا تردّد نہیں

---

❶ معجم أوسط، طبرانی: ٦٣١٥۔ شعب الایمان، بیہقی ١٢٠۔ السلسلة الصحیحة: ١٧٨٨۔

ہوتا جتنا مومن کی جان نکالنے میں ہوتا ہے وہ موت کو ناپسند کرتا ہے اور مجھے اسے تکلیف دینا ناگوار گزرتا ہے۔'' ❶

(۷)..... قرآن مجید کی تلاوت کرنا، اسے سننا اور اس پر غور وفکر کرنا۔

فرمان الٰہی ہے:

﴿ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ﴾ [الأنفال : ۲]

''مومن تو وہی ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے ان کے دل دہل جائیں اور جب اس کی آیتیں ان کو سنائی جائیں تو وہ ان کے ایمان میں اضافہ کریں اور وہ اپنے رب ہی پر بھروسہ رکھیں۔''

(۸)..... نیک لوگوں کی صحبت اختیار کرنا اور برے لوگوں سے بچنا۔ باقی تمام وسائل کی نسبت یہ وسیلہ ایمان میں اضافہ اور اس میں کمی کے لئے سب سے زیادہ مؤثر ہے۔ اس سلسلہ میں وارد کتاب وسنت کے دلائل کے علاوہ واقعاتی مشاہدہ بھی یہ بتاتا ہے کہ صحبت کا، خاص طور سے نوخیزی میں بہت زیادہ اثر ہوتا ہے۔

ارشاد ذوالجلال والاکرام ہے:

﴿ فَأَغْوَيْنَاكُمْ إِنَّا كُنَّا غَاوِينَ ﴾ [الصافات : ۳۲]

''ہم نے تمہیں گمراہ کیا، ہم خود بھی گمراہ تھے۔''

نیز فرمایا:

﴿ وَمَا أَضَلَّنَا إِلَّا الْمُجْرِمُونَ ﴾ [الشعراء : ۹۹]

''اور ہمیں تو بس مجرموں نے گمراہ کیا۔''

آنحضرت ﷺ کا یہ فرمان بھی ہے:

((اَلْمَرْءُ عَلَى دِيْنِ خَلِيْلِهِ فَلْيَنْظُرْ أَحَدُكُمْ مَنْ يُخَالِلُ))

---

❶ بخاری: ۶۵۰۲۔

"آدمی اپنے دوست کے مذہب پر ہوتا ہے اسے دیکھ بھال کر دوست بنانا چاہئیں۔" ❶

(۹)..... انسان اپنا انجام ذہن میں حاضر رکھے اس سے غافل نہ ہو، آخرت کا دن اور اس میں پیش آمدہ صورتِ حال یاد کرے۔ یہ بہت بڑی نصیحت اور ایمان میں اضافے کا طریقہ ہے۔ قرآنِ مجید میں یہ انداز بکثرت دکھائی دیتا ہے۔ بارہا قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر ایمان لانے کو آخرت پر ایمان لانے کے ساتھ ملا کر ذکر کیا ہے، مثلاً ارشاد فرمایا:

﴿ذَٰلِكَ يُوعَظُ بِهِ مَن كَانَ مِنكُمْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۗ﴾

[البقرة: ۲۳۲]

"یہ نصیحت تم میں سے انہیں کی جا رہی ہے جو اللہ تعالیٰ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔"

اور بارہا آیات کے اختتام پر فرمایا ہے "میرے ہاتھ میں انجام کار ہے" "اللہ تعالیٰ کی طرف ہی واپس جانا ہے۔"

آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے:

((أَكْثِرُوا مِنْ ذِكْرِ هَاذِمِ اللَّذَّاتِ))

"لذتوں کو بھلا دینے والی یعنی موت کو کثرت سے یاد کرو۔" ❷

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے: "موت سب سے بڑا واعظ ہے۔" ❸

ایمان میں اضافے کے اہم طریقے یہی ہیں تاہم ان کے علاوہ اور بھی بہت سے طریقے موجود ہیں اور یہ سرفہرست ہیں۔

(۲) تعلیم و تبلیغ نہ کہ فتویٰ بازی اور محاسبہ:

اس میں چھ مضامین ہیں:

❶ ابو داؤد: ۴۸۳۳۔ ترمذی: ۲۳۷۸۔ السلسلة الصحيحة: ۹۲۷۔

❷ ترمذی: ۲۳۰۷۔ شعب الایمان بیهقی: ۱۰۵۵۹۔ حاکم: ج: ۴ ص: ۳۲۱۔

❸ زهد ابن المبارك: ۱۴۸۔ أحمد في الزهد: ۱۷۶۔ اليقين؛ ابن ابي الدنيا: ۳۰۔

الف: مذکورہ بالا اُصول کا مفہوم اور دلائل:.... اس حقیقت پسندانہ اُصول کا مقصد یہ ہے کہ داعی کو چاہیے کہ وہ لوگوں کو تبلیغ کرے اور دین کی تعلیم دے نہ یہ کہ ان کا محاسبہ کرے اور ان پر فتوے لگائے، پھر احتیاط اور تقوے سے عاری ہوکر ان فتووں کو نافذ کرنے لگ جائے۔

اسلام کا مقصد لوگوں کی راہنمائی کرنا اور انہیں تعلیم دینا ہے نہ کہ ان کا محاسبہ کرنا ان پر فتویٰ بازی اور انہیں نفرت دلانا۔ ارشادِ ربّ العزت ہے:

﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾ [آل عمران: ١٦٤]

"اللہ نے مومنین پر احسان فرمایا ہے کہ ان میں انہی میں سے ایک رسول مبعوث فرمایا، جو ان کو اس کی آیتیں سناتا ہے، ان کو پاک کرتا ہے اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ بے شک یہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔"

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ﴾ [النحل: ٣٥]

"تو رسولوں پر واضح طور پر پہنچا دینے کے سوا اور کوئی ذمہ داری نہیں۔"

اگر وہ بات نہ بھی مانیں تب بھی داعی کی ذمہ داری تبلیغ وتعلیم سے بڑھ کر کچھ نہیں۔

جیسے فرمایا:

﴿فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۭ اِنْ عَلَيْكَ اِلَّا الْبَلٰغُ ۭ﴾ [الشورىٰ: ٤٨]

"اگر وہ اعراض کریں تو ہم نے تمہیں ان پر کوئی داروغہ نہیں مقرر کیا ہے تمہارے اوپر صرف پہنچا دینے کی ذمہ داری ہے۔"

اور فرمایا:

﴿فَإِن تَوَلَّيْتُمْ فَإِنَّمَا عَلَىٰ رَسُولِنَا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ﴾ [التغابن : ۱۲]

''اگر تم اعراض کرو گے تو ہمارے رسولوں پر صرف واضح طور پر پہنچا دینے کی ذمہ داری ہے۔''

اس سے واضح الفاظ میں یوں کہہ لیں کہ داعی کا منصب یہ نہیں ہے کہ وہ لوگوں کی وکالت کرے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا جَعَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظًا ۖ وَمَا أَنتَ عَلَيْهِم بِوَكِيلٍ﴾

[الأنعام : ۱۰۷]

''اور ہم نے تمہیں ان پر نگران نہیں مقرر کیا ہے اور نہ تم ان کے ضامن ہو۔''

اور فرمایا:

﴿إِنَّا أَنزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ ۖ فَمَنِ اهْتَدَىٰ فَلِنَفْسِهِ ۖ وَمَن ضَلَّ فَإِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۖ وَمَا أَنتَ عَلَيْهِم بِوَكِيلٍ﴾ [الزمر : ۴۱]

''اور ہم نے لوگوں کی ہدایت کے لئے تم پر کتاب حق کے ساتھ اتاری ہے جو ہدایت حاصل کرے گا وہ اپنے ہی لئے کرے گا اور جو گمراہ ہوگا تو اس کی گمراہی کا وبال اسی پر پڑے گا اور تم ان کے اوپر کوئی داروغہ نہیں مقرر کئے گئے ہو۔''

اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کارساز ہونے کو اپنی طرف منسوب کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿إِنَّمَا أَنتَ نَذِيرٌ ۚ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ وَكِيلٌ﴾ [هود : ۱۲]

''تم تو بس ایک ہوشیار کر دینے والے ہو اور ہر چیز اللہ کے حوالے ہے۔''

اور فرمایا:

﴿فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ﴾ [الرعد : ۴۰]

''تمہارے اوپر صرف پہنچا دینے کی ذمہ داری ہے، حساب کی ذمہ داری ہم پر ہے۔''

یعنی فتوے اور فیصلے کا کام اللہ رب العزت نے خود لے رکھا ہے۔ رسولوں اور اس کے

بعد داعی و مبلغین کو لوگوں کے لئے کارساز مقرر نہیں کیا گیا، ان کے ذمے تو صرف انہیں دعوت دینا ہے۔ دونوں باتوں میں بہت زیادہ فرق ہے۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ اللّٰهُ حَفِيْظٌ عَلَيْهِمْ ۖ وَ مَاۤ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ۝﴾ [الشوریٰ:٦]

''اور جن لوگوں نے اس کے سوا دوسرے کارساز بنا رکھے ہیں۔ اللہ ان پر نگرانی رکھے ہوئے ہے۔ اور تم ان پر داروغہ نہیں مقرر کیے گئے ہو۔''

نیز فرمایا:

﴿اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ ؕ وَ كَفٰى بِرَبِّكَ وَكِيْلًا۝﴾

[الإسراء:٦٥]

''بے شک میرے اپنے بندوں پر تیرا کوئی زور نہیں چلے گا اور تیرا ربّ کارسازی کے لئے کافی ہے۔''

دعوت و تبلیغ تو بشارت و نذارت کی حد تک محدود ہے۔ اس کا دائرہ کار بات کو پہنچانا اور سکھانا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خود اسے یہاں تک محدود فرمایا ہے انبیاء کی ذمہ داری کی حد بندی کرتے ہوئے فرمایا:

﴿اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّ بَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ۝﴾ [الأعراف:١٨٨]

''میں تو بس ان لوگوں کے لئے ایک ہوشیار کرنے والا اور خوشخبری دینے والا ہوں جو ایمان لائیں۔''

نیز فرمایا:

﴿وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا۝﴾ [الإسراء:١٠٥ / الفرقان:٥٦]

''اور ہم نے تو تمہیں صرف ایک بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے۔''

داعی کی ذمہ داری کی حدود سے متعلق ان آیات کے واضح ہوتے ہوئے بھی کچھ ایسے لوگ ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ اگر سارے انسان ہدایت یافتہ نہ ہوں تو وہ اس کے مسئول اور ذمہ

دار ہیں۔ اگر وہ بات کو نہ مانیں تو ان کا محاسبہ ہونا چاہیے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ان کے بارے میں فیصلہ صادر کرتے ہیں اور پھر اسے نافذ کرنے لگ جاتے ہیں حالانکہ باری تعالیٰ کا یہ واضح فرمان موجود ہے:

﴿إِنَّآ أَرْسَلْنَٰكَ بِٱلْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيرًا ۖ وَلَا تُسْـَٔلُ عَنْ أَصْحَٰبِ ٱلْجَحِيمِ ﴿١١٩﴾﴾

[البقرة: ۱۱۹]

''ہم نے تمھیں حق کے ساتھ بشیر ونذیر بنا کر بھیجا ہے اور تم سے دوزخ میں جانے والوں کے بارے میں کوئی سوال نہیں ہوگا۔''

قرآن وسنت میں کہیں بھی کوئی ایسی آیت یا حدیث نہیں ملے گی جس میں ہر مسلمان کو یہ کہا گیا ہو کہ وہ لوگوں کے بارہ میں فیصلہ سنانے کا پابند ہے اس کے برعکس دعوت دینے کے بارہ میں بہت سی آیات واحادیث ہیں اور وہ اسے لوگوں کے بارہ میں فیصلہ سنانے سے روکتی بھی ہیں اس بارہ میں دوٹوک ہیں کہ یہ صرف اللہ رب العزت کا اختیار ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَٱللَّهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ ٱلْقِيَٰمَةِ فِيمَا كَانُوا۟ فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿١١٣﴾﴾

[البقرة: ۱۱۳]

''اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کے درمیان اس معاملے کا فیصلہ کرے گا جس میں یہ جھگڑ رہے ہیں۔''

ہر داعی کو نصیحت کے طور پر تعلیم وتبلیغ میں لوگوں کے بارے میں فیصلہ سنانے والوں کے لئے یہ واقعہ بیان کرنا موزوں ترین ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک واقعہ سنایا ''بنی اسرائیل میں دو آدمی ایک ساتھ رہتے تھے۔ ایک گنہگار تھا اور دوسرا بہت زیادہ عبادت گزار، یہ عبادت گزار گناہگار کو دیکھتا تو اسے کہتا: گناہ سے باز آجاؤ۔ ایک دن اسے گناہ میں ملوث دیکھا تو اسے کہنے لگا: تم باز آجاؤ۔ اس نے جواب میں کہا: تم میرا معاملہ میرے ربّ کے سپرد کرو تم مجھ پر نگران تو مقرر نہیں ہو، اس عبادت گزار نے کہا: میں حلفاً کہتا ہوں کہ اللہ تمھیں نہیں بخشے

گویا اس نے کہا: تمہیں جنت میں داخل نہیں کرے گا۔ جب وہ دونوں فوت ہو کر باری تعالیٰ کے حضور پیش ہوئے تو باری تعالیٰ نے عبادت گزار سے پوچھا کیا تمہیں معلوم تھا کہ میں کیا سلوک کروں گا۔ اس کے مقابلہ میں گنہگار سے کہا جاؤ میری رحمت کے ذریعے جنت میں داخل ہو جاؤ، دوسرے کے بارے میں کہا: اسے دوزخ میں لے جاؤ۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے اس نے ایک لفظ زبان سے نکال کر اپنی دنیا و آخرت دونوں کو تباہ کر دیا۔" ❶

یہ ہے رب العزت کی طرف سے سرزنش آمیز سزا منہج دعوت کی مخالفت کرنے والے داعی کے لئے جو اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے مقام پر لا کر فتوے صادر کرتے ہوئے کہتا ہے کہ یہ شخص جنت میں نہیں جائے گا۔ اسے اللہ تعالیٰ نہیں بخشے گا اور یہ ایسے ہے اور یہ ایسے ہے اور.........اور۔

کیا نیکیوں کے ختم ہو جانے سے بڑھ کر بھی کوئی سزا ہو سکتی ہے اس اسلامی اُصول کو نظر انداز کر کے بہت سے مبلغین دعوت کی حدوں سے گزر کر لوگوں کا محاسبہ کرنے لگ جاتے ہیں وہ ان پر کافر اور فاسق ہونے کا فتویٰ لگانے لگتے ہیں انہیں بدعتی اور فرقہ پسند کہتے ہیں بلکہ انہیں واجب القتل کہہ دیتے ہیں حالانکہ دنیا و آخرت میں اس کی بہت زیادہ سزا مقرر ہے۔ گویا اس کا بنیادی مقصد یہ ہوتا ہے کہ لغزشوں کی تلاش، غلطیوں کو جمع کرنا پھر تشہیر و رسوائی بالآخر فیصلہ سنانا اور اسے نافذ کرنا۔

انبیاء کرام علیہم السلام اور متذکرہ بالا اُصول:

انبیاء کرام علیہم السلام کا طریق کار بھی اس اُصول وضابطے سے ہٹ کر نہیں تھا۔ حضرت نوح علیہ السلام عرصہ دراز تک تبلیغ کرتے رہے لیکن اس کے باوجود وہ بشارت و نذارت اور ایمان لانے والوں کو تعلیم دینے اور راہِ راست دکھانے سے آگے نہیں بڑھے۔

دیکھئے! حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے ماننے والوں اور ساز و سامان کے باوجود فرعون کے معاملہ میں آگے نہیں بڑھے۔ وہ چپکے سے اپنی قوم کو لے کر چلے گئے انہوں نے ان پر فتوے

❶ أبو داؤد: ٤٩٠١۔ أحمد: ج:٢ ص:٣٢٣۔

نہیں لگائے نعوذ باللہ کیا وہ جاہل تھے یا بزدل تھے؟ اے اللہ! ہمیں انبیاء علیہم السلام کا طریقہ اپنانے کی توفیق نصیب فرما۔

ہمارے پیارے پیغمبر حضرت محمد ﷺ تو حسبِ معمول ایک قابلِ تقلید نمونہ بنے رہے خواہ ان کے سامنے مسلمان ہوں یا غیر مسلم۔ مکہ مکرمہ میں ہوتے ہوئے آپ نے کسی مسلمان یا غیر مسلم پر کوئی فتویٰ جاری نہیں کیا کیونکہ دورِ مکی دعوت کا دور تھا۔ اقتدار یا عدلیہ وقضاء کا دور نہیں تھا۔ جب آپ مکہ مکرمہ میں عمرہ قضاء ادا کرنے گئے تو آپ نے ذرا تبدیلی نہیں کی کسی چیز کو ہلایا تک نہیں کسی بت کو اپنی جگہ سے نہیں ہٹایا بلکہ مدینہ منورہ میں بھی جب آپ خلافت اور اقتدار پر براجمان ہو گئے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ دعوت وتبلیغ کے معاملہ میں اس اُصول کے اثرات ان پر نمایاں رہے۔ اس سلسلہ میں مسجد میں پیشاب کرنے والے کا واقعہ مشہور ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اسے پکڑ کر سزا دینے کے لئے تیار ہو گئے جبکہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں منع فرمایا پھر اس آدمی کو ڈانٹنے کی بجائے تعلیم دینے لگے۔ اس پر فتویٰ لگانے کی بجائے اس کی راہنمائی کرنے لگے حالانکہ اس نے مسجد میں نجاست بھی پھیلائی اور برہنہ بھی ہوا تھا۔ ❶

معاویہ بن حکم سلمی رضی اللہ عنہ نے نماز کے دوران باتیں کیں تو آپ ﷺ سلام پھیرنے کے بعد اس کی طرف متوجہ ہو کر اسے تعلیم دینے لگے، آپ نے فرمایا: دیکھئے! نماز میں کوئی بات کرنا صحیح نہیں ہے۔ ❷

اس ساری گفتگو سے ہماری منشا یہ نہیں کہ جو شخص غیر مسلم ہے اسے کافر نہ کہا جائے یا گمراہ کو کچھ نہ کہا جائے یہ تو ایک دوسرا مسئلہ ہے۔ اس سے یہ بات واضح کرنا مقصود ہے کہ داعی حضرات کا اصل کام تبلیغ وتعلیم ہے نہ کہ فتویٰ بازی، محاسبہ اور قانون کا نفاذ۔

دورِ حاضر میں سابقہ اُصول کی تطبیق:

گذشتہ ادوار میں مسلمانوں کو مختلف حالات کا سامنا رہا ہے اس لئے وہ عقائد، عبادات

❶ أحمد: ج ۲ ص: ۲۳۹۔ أبو داود: ۳۸۰۔ ترمذی: ۱۴۷۔

❷ مسلم: ۵۳۷۔

اور احکام و مسائل میں جہالت کا شکار ہو گئے ہیں اور اس جہالت کی وجہ سے وہ شرک و بدعت میں پڑ چکے ہیں۔ ناجائز کاموں اور ذاتی اغراض نے انہیں اپنی آغوش میں لے لیا ہے۔

آج انہیں کسی بھی چیز سے بڑھ کر تعلیم دینے کی زیادہ ضرورت ہے۔ کچھ داعی حضرات نادان اور جاہل مسلمانوں کو تعلیم دینے اور حجت قائم کرنے کی بجائے ان پر کفر، شرک اور بدعت کا فتویٰ لگانے لگ جاتے ہیں۔ ان کی دلیل یہ ہوتی ہے کہ وہ مسلم ممالک میں رہتے ہیں یہاں رہتے ہوئے ان پر حجت قائم کرنے کی ضرورت نہیں ہے جب کہ اس بات کا حکمت و دانائی سے کوئی تعلق نہیں۔ لوگوں پر فتویٰ لگانے والوں کو معلوم نہیں کہ ایسے بہت سے داعیوں نے ہی انہیں جہالت زدہ کیا ہے۔ شرک کو توحید اور بدعت کو عبادت بنا ڈالا ہے۔

قرآن وسنت کے دلائل کی روشنی میں بیان کردہ اُصول "پہلے تعلیم دیں پھر فتویٰ لگائیں" کے مطابق عمل کرنا داعی حضرات کے لئے انتہائی ضروری ہے۔

مذکورہ اُصول پر عمل نہ کرنے کے نقصانات:

اس اُصول سے انحراف بہت سی خرابیوں کا باعث بنتا ہے:

1: داعی اور نوجوان تعلیم و تعلم سے ہٹ کر فتویٰ بازی میں مصروف ہو جاتا ہے۔

2: قیل و قال اور اخذ و رد میں مصروف ہو کر اس کی جہالت، سخت دلی، درشت مزاجی اور بدزبانی میں اضافہ ہو جاتا ہے، لوگوں کی راہنمائی کے لحاظ سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔

3: مدعوین متنفر ہو جاتے ہیں کیونکہ مخصوص افراد پر فتویٰ بازی انہیں متنفر کر دیتی ہے جبکہ تعلیم و تبلیغ کے ذریعے وہ داعی اور دعوت دونوں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

4: اس فتویٰ بازی کا اللہ تعالیٰ کے حضور حساب بھی دینا ہوگا۔ دینِ اسلام کا یہ طے شدہ اُصول ہے کہ جس شخص سے کوئی قول و فعل صادر ہوگا اسے اس کا حساب دینا ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿مَا يَلْفِظُ مِن قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ﴾ [ق:۱۸]

"وہ جو لفظ بھی بولتا ہے اس کے پاس ایک مستعد نگران موجود ہوتا ہے۔"

نیز فرمایا:

﴿وَقِفُوهُمْ إِنَّهُمْ مَّسْئُولُونَ﴾ [الصافات: ٢٤]

''اور انہیں ذرا روکو، ان سے کچھ پوچھنا بھی ہے۔''

داعی کی بنیادی ذمہ داریاں:

سابقہ گفتگو سے یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ ایک داعی کا بنیادی فریضہ پانچ مختصر عبارتوں میں اس طرح ہے۔

1: تبلیغ ہو فتویٰ بازی نہ ہو۔

2: اِصلاح کی جائے ہتک پاشی نہ کی جائے۔

3: تعلیم دی جائے فیصلہ نہ سنایا جائے۔

4: دعوت ہو محاسبہ نہ ہو۔

5: نصیحت ہو فضیحت نہ ہو۔

یہ ہیں وہ نکات جن کا داعی کو اہتمام کرنا چاہیے اور ان کی مخالفت سے بچنا چاہیے۔

داعی کی بنیادی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ سامع کی حالت معلوم کرے نہ یہ کہ اپنی زبان اور قلم کا رُخ اس کی طرف کرنے کے لئے اس کی شرعی حیثیت کا تعین کرے۔ چونکہ داعی کا یہ کام نہیں ہے کہ وہ مدعوین پر فتویٰ لگائے لہٰذا ایسا کرنا جرم اور گناہ ہوگا، اگر وہ ایسے کرے گا تو بہت بڑی غلطی ہوگی۔

باری تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ﴾ [الرعد: ٤٠]

''تمہارے اوپر صرف پہنچا دینے کی ذمہ داری ہے، حساب کی ذمہ داری ہم پر ہے۔''

اس سلسلہ میں داعی حضرات کی خیر خواہی کے لئے کچھ اُصول وضوابط پیش خدمت ہیں۔

(1)..... اگر تم فتویٰ بازی کرو گے تو مسئول ہو گے، اگر سکھو گے تو راہنمائی اور ہدایت حاصل ہوگی، اگر دعوت دو گے تو ثواب ملے گا۔

اس کی وضاحت وتشریح یہ ہے کہ جب آپ کسی بھی شخص کے بارہ میں کوئی بات کریں گے تو اللہ تعالیٰ کے سامنے آپ کو اس کا جواب دینا ہوگا۔ اگر علم حاصل کرو گے تو ہدایت ملے گی اور اگر دعوت دو گے تو اجر وثواب ہوگا۔ بشرطیکہ دعوت کی تمام شرائط ملحوظ رہیں۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہ ہونے اور اجر وثواب حاصل کرنے میں بہت زیادہ فرق ہے۔

(۲) ..... دوسرا اُصول یہ ہے کہ ''اِصلاح کریں نہ کہ زخم لگائیں'' داعی کو چاہیے کہ وہ لوگوں کی غلطیوں کی اِصلاح اور ان کا حل تلاش کرنے کی کوشش کرے یہ نہیں کہ کچھ افراد کو نشانہ بنائے اور انہیں بدنام کرے خاص طور سے اگر وہ افراد باعمل عالم ہوں یا مسلم حکمران ہوں، اگر وہ غلطی بھی کریں تب بھی تو ان کو نشانہ بنانے سے بہت زیادہ نقصان ہوگا، فتنے برپا ہوں گے اور یہ بنیادی مقصد سے ہٹنے کا باعث ہوگا۔

ایک اچھے داعی کا شعار ہونا چاہیے:

تبلیغ ...... نہ کہ فتویٰ بازی

علاج ...... نہ کہ زخم کاری

تعلیم ...... نہ کہ قانون کا نفاذ

دعوت ...... نہ کہ محاسبہ

نصیحت ...... نہ کہ فضیحت

فتویٰ بازی اور لوگوں کو مختلف قسموں میں تقسیم کرنے، انہیں نشانہ بنانے اور نام لے کر ان کا تذکرہ کرنے اس کے کچھ اور مواقع ہیں نیز اس کام کے لئے اہلِ علم اور حکمران طبقہ موجود ہے۔

(٦) متذکرہ بالا اُصول کی حکمت اور اس کا خلاصہ:

اگر آپ اس اُصول کی حکمت معلوم کرنا چاہیں تو یوں سمجھیں کہ غلطی کرنے والا اور شریعت کا نافرمان شخص تین حالات سے خالی نہیں ہوگا۔

یا تو وہ مجتہد ہوگا یا کوئی عام مسلمان جس سے لغزش ہوگی جبکہ اس کی نیت درست ہے،

عقیدہ صحیح ہے اور وہ صحیح منہج کا حامل ہے یا وہ سست اور جاہل ہوگا یا وہ سخت دل اور ہٹ دھرم ہوگا۔ ان میں سے کسی کو بھی تبلیغ، فتویٰ لگانے، رُسوا کرنے، نشانہ بنانے اور بدنام کرنے سے نہیں ہوگی۔

مجتہد کو لے لیں اس کی غلطی کتنی بڑی کیوں نہ ہو اس کے بارہ میں زبان دراز کرنا ظلم ہے۔ ہاں اگر اس کے اجتہاد کی بنیاد کوئی خاص مذہب یا باطل گروہ ہو تو الگ بات ہے۔ اور غلطی کرنے والے عام مسلمان کا معاملہ تو جانا پہچانا ہے۔

جاہل اور ناواقف کو تعلیم دینے اور مسئلہ سے آگاہ کرنے سے پہلے اس پر فتویٰ لگانا بھی ظلم ہے کیونکہ اسے تو معلوم نہیں ہے کہ شریعت کی مخالفت سے اس کی کیا حیثیت ہوگی۔ ایک دوسری بات یہ ہے کہ جاہل پر جب فتویٰ لگایا جائے گا، جبکہ اسے تو علم نہیں، یہ اسے دعوت سے متنفر کرے گا وہ تو اپنے آپ کو ہدایت یافتہ سمجھ رہا ہو اور اچانک اسے کافر، فاسق اور بدعتی کہہ دیا جائے۔ بات کو پہنچانے اور اس کی وضاحت کرنے سے وہ شخص پہلے خاموشی اختیار کرے گا پھر اسے معلوم کرے گا پھر اللہ کی توفیق سے ہدایت پر آئے گا۔

جہاں تک سخت دل اور ضدی وہٹ دھرم لوگ ہیں تو انہیں فاسق وفاجر اور بدعتی کہنے سے ان کا عناد اور نفرت مزید بڑھ جاتے ہیں۔ تعلیم دینے سے ان کا سینہ کھلے گا اور تبلیغ ان کی ہٹ دھرمی ختم کرے گی۔ اس واقعاتی صورتِ حال اور بیان کردہ دلائل سے اس اُصول کی دُوررَس حکمت کھل کر سامنے آجاتی ہے۔

کسی کو فاسق وفاجر یا بدعتی کہنے سے نہ تو اس کی جہالت ختم ہوتی ہے اور نہ کوئی گمراہ ہدایت پاتا ہے۔ تبلیغ وتعلیم ہی دو ایسے کام ہیں جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے حکم سے گمراہ ہدایت پر آتا ہے۔ کاش کوئی عبرت حاصل کرے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ داعی کو لوگوں پر فاسق، کافر اور بدعتی کا فتویٰ لگانے اور اس کا محاسبہ کرنے کی بجائے تعلیم وتعلم میں مصروف رہنا چاہیے۔

تعلیم وتعلم اور دعوت میں سراسر بھلائی ہے اور لوگوں پر فتویٰ لگانا اور ان کا محاسبہ کرنا

انبیاء کرام ﷺ کے طریقۂ کار سے انحراف ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ ہماری مدد فرمائے۔ (آمین)

یہاں یہ بات ذکر کرنا مناسب ہوگا کہ متذکرہ بالا اُصول کا یہ مطلب نہیں کہ اسلام میں لوگوں کے بارہ میں رائے دینے کا تصور نہیں یا رسولوں نے اپنے مخالفین کے بارہ میں ایسا فیصلہ نہیں کیا۔ اسلام میں ایسے فیصلے اور ان کا نفاذ بھی موجود ہے یہاں یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ داعی لوگوں پر فتوی بازی سے دعوت کا آغاز نہ کرے اور نہ ہی ایسا ہو کہ یہ اس کا مشن بن جائے کیونکہ یہ اس کی بجائے اہلِ علم، شرعی جج اور مسلم حکمرانوں کا کام ہے۔ اسے تو تعلیم، دعوت اور تبلیغ میں مصروف رہنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں راہِ راست پر قائم رکھے۔

(۳) فروع اور جزوی مسائل سے پہلے اُصول اور عقائد کے ذریعے بنیاد سازی کرنا:

اس میں پانچ عنوانات ہیں:

الف: دعوت کے اس حقیقت پسندانہ قاعدے کی وضاحت:...... دعوتی منہج کا یہ تیسرا اُصول ہے اور یہ بڑا مفید اور انتہائی مؤثر ہے۔ بنیادی مسائل سے مراد یہ ہے کہ ایمان کے ارکان، دین کے ضابطے، قاعدے کلیے، جامع اُصول مثلاً: توحیدِ ربوبیت، توحیدِ اُلوہیت، اللہ ربّ العزت کی صفات، شرک اور عبادت کا مفہوم، سنت، اتباعِ سنت اور بدعت میں فرق، ان اُصولوں کے تقاضے، ان کی شرائط اور ان کے منافی کام بیان کیے جائیں۔ بنیاد سازی سے مراد یہ ہے کہ لوگوں کو ان چیزوں کی تعلیم دی جائے، ان کی تربیت کی جائے تا کہ ان کی زندگی کی عمارت ٹھوس اور مضبوط بنیادوں پر قائم ہو۔

جبکہ فروع سے مراد ہیں چھوٹے چھوٹے ذیلی مسائل خواہ ان کا تعلق عقیدے اور پیش آمدہ واقعات کے ساتھ ہو یا لوگوں کے حالات اور اہلِ سنت کے باہمی فقہی اور اعتقادی اختلافات کے ساتھ اور اس جیسے دیگر مسائل مثلاً: معراج کی رات باری تعالیٰ کا دیدار حقیقی تھا یا خواب تھا؟

کچھ مسائل کے بارے میں ان کے سنت یا بدعت ہونے کا تذکرہ مثلاً: رکعات تراویح کی تعداد اور نمازِ تسبیح وغیرہ۔

جزوی مسائل سے مراد مختلف ضابطوں اور اُصولوں کو اپنانے سے پیش آمدہ عملوں کی شرعی حیثیت ہے۔

اس اُصول کا مقصد و مدعا یہ ہے کہ داعی کو اپنی دعوت کا آغاز دین کے اُصول وقواعد اور ضابطوں سے کرنا چاہیے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ انہیں جزوی مسائل بتائے اور لوگوں کے کاموں پر جائز وناجائز ہونے کا فتویٰ صادر کرنے لگ جائے جبکہ انہیں عقائد کا علم تک نہ ہو۔ مثلاً کوئی شخص یہ مسئلہ شروع کر دے کہ مخلوق کی ابتداء میں کیا چیز پہلے تھی، عرش تھا یا کرسی؟ فرشتے افضل ہیں یا کہ انسان؟ جب کہ انہیں شرک کا پتہ نہ ہو اور وہ دین کے بنیادی ارکان وفرائض تک نہ جانتے ہوں یا وہ انہیں خلاف شریعت مسائل بتلانے لگے جبکہ وہ ان کے اُصولوں سے ناواقف ہوں۔ مثلاً: یہ بتایا جائے کہ نماز کے بعد مصافحہ کرنا اور ''اللہ تعالیٰ قبول فرمائے'' کہنا بدعت ہے جبکہ وہ بدعت کے معنی ومفہوم اور اس کے سنگین ہونے سے ناآشنا ہوں۔

ب: متذکرہ بالا اُصول کی اہمیت اور دلائل:...... ایک ضابطہ اور اُصول اپنی مثالوں اور فروع کے لئے وہی اہمیت رکھتا ہے جو مکان کی بنیاد کو اس کی دیواروں اور چھت کے لئے حاصل ہے۔ بنیاد کے بغیر نہ دیواریں کھڑی ہوسکتی ہیں نہ اس کی آرائش وزیبائش ہو سکتی ہے اور نہ اس میں سامان رکھا جاسکتا ہے۔ بنیاد کے بغیر عمارت کے گرنے کے علاوہ کچھ حاصل نہیں ہوگا۔

فرمانِ رب العزت ہے:

﴿ اَلَمۡ تَرَ كَيۡفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصۡلُهَا ثَابِتٌ وَّ فَرۡعُهَا فِى السَّمَآءِ ۝ تُؤۡتِىۡۤ اُكُلَهَا كُلَّ حِيۡنٍۢ بِاِذۡنِ رَبِّهَا ؕ وَيَضۡرِبُ اللّٰهُ الۡاَمۡثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمۡ يَتَذَكَّرُوۡنَ ۝ ﴾ [ابراهيم: ٢٤ـ ٢٥]

"کیا تم نے غور نہیں کیا اللہ تعالیٰ نے کلمہ طیبہ کی کس طرح مثال بیان فرمائی ہے؟ وہ ایک شجر طیبہ کے مانند ہے جس کی جڑ (زمین میں) ہے اور جس کی شاخیں فضا میں (پھیلی ہوئی ہیں) وہ اپنا پھل ہر موسم میں اپنے ربّ کے حکم سے دیتا رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ لوگوں کے لئے مثالیں بیان کرتا ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔"

رسول اللہ ﷺ کی عملی سیرت سے یہ بات واضح ہے کہ آپ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو احکام و مسائل سے پہلے عقائد کی دعوت دیتے تھے۔ شرک سے متعلق رسول اللہ ﷺ نے ایک واضح اُصول بیان فرمایا ہے جب آپ سے کبیرہ گناہ کے بارہ میں پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((أَنْ تَجْعَلَ لِلّٰهِ نِدًّا وَهُوَ خَلَقَكَ .)) ❶

"کبیرہ ترین گناہ یہ ہے کہ تم کسی کو اللہ تعالیٰ کے برابر سمجھو حالانکہ اس نے تمہیں پیدا کیا ہے۔"

گناہ کی یہ تعریف کئی صفحات لکھنے سے بے نیاز کر دیتی ہے۔

بدعت کے متعلق بھی رسول اللہ ﷺ نے ایک بہت بڑا اُصول بیان فرمایا ہے کہ:

((مَنْ أَحْدَثَ فِيْ أَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ .)) ❷

"جو شخص ہمارے دین میں ایسی چیز ایجاد کرے جس کا اس سے کوئی تعلق نہ ہو وہ ناقابلِ قبول ہے۔"

کسی بھی کام کو بدعت کہنے سے پہلے یہ اُصول پیشِ نظر رہنا چاہیے۔

شہید کے بارہ میں آپ ﷺ سے پوچھا گیا تو آپ نے ایک خوبصورت ضابطہ بتادیا اور فرمایا:

((مَنْ قَاتَلَ لِتَكُوْنَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا ، فَهُوَ فِيْ سَبِيْلِ

---

❶ بخاری: ٤٧٦١، ٤٤٧٧، ٦٠٠١، ٦٨١١۔ مسلم: ٨٦۔

❷ بخاری: ٢٦٩٧۔ مسلم: ١٧١٨۔

اللّٰہِ .)) ❶

''جو شخص اللہ کا حکم بلند کرنے کے لئے قتال کرے گا وہ اللہ کی راہ میں شمار ہوگا۔''

شراب کے لئے ضابطہ بناتے ہوئے فرمایا: ''ہر نشہ آور چیز شراب ہے اور ہر شراب حرام ہے۔'' ❷

شراب بنانے کے طریقے جس قدر بھی بڑھ جائیں اور اس کے اجزاء جتنے کثیر التعداد ہو جائیں سب کے لئے یہی عظیم اُصول ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جب عقیدہ، عبادات اور محرمات کے بنیادی مسائل مکمل طور سیکھ لئے تو ان کے لئے کسی بھی موقعہ پر کسی شخص کے ساتھ کسی بھی نوعیت کا مسئلہ درپیش ہونے پر اس کے متعلق فیصلہ کرنا آسان ہوگیا۔

ج: عقائد ذہن نشین کرنے کے فوائد وثمرات:...... سابقہ گفتگو سے یہ بات واضح ہوئی کہ اُصول وقواعد بیان کرنے کے کئی فوائد ہیں۔

(۱)...... اس سے سننے والے کو فقہی ملکہ حاصل ہو جائے گا جس سے وہ کئی مثالیں خود پہچان لے گا مثلاً: جو شخص ''بدعت'' کی تعریف کی تہہ تک پہنچ جائے گا وہ مزید توضیحات وتشریحات کے بغیر کئی بدعات کو خود معلوم کر لے گا، ہر قاعدے کی یہی صورتِ حال ہے۔

(۲)...... قاعدے کو پیش کرنے اور عمدہ انداز میں اس کی وضاحت خود داعی کے لئے بھی بعد میں بہت سے ایسے مسائل میں دوٹوک فیصلہ دینے میں آسانی پیدا کرے گی جنہیں لوگ شریعت کے خلاف سرانجام دیتے ہیں۔ جب وہ مثال کی روشنی میں مسائل سنیں گے تو وہ انہیں بہتر انداز میں قبول کریں گے۔

(۳)...... اُصول وقواعد کی دعوت میں ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اس پر اس طرح اعتراض نہیں کیا جاتا جس طرح دیگر مسائل کو بیان کرنے میں کیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اُصول و

---

❶ بخاری: ۱۲۳، ۳۱۲٦، ۷٤٥۸۔ مسلم: ۱۹۰٤۔

❷ مسلم: ۲۰۰۳۔

قواعد کی تبلیغ داعی کے لئے نسبتاً آسان بھی ہے اور اعتراضات اور مقابلے سے بعید بھی۔

(۴)..... مختلف پیش آمدہ واقعات کا سلسلہ لا متناہی ہے۔ ہر پل کوئی نیا واقعہ سامنے آتا رہتا ہے اور ہر روز نئے مسائل درپیش ہوتے ہیں اور ہر معاشرے کی الگ روایات ہیں اگر داعی ان سب کو لے کر چلے گا تو مسائل اُلجھ کر رہ جائیں گے۔

جبکہ اُصول وقاعدہ کی دعوت کا مطلب ہے تمام تر پیش آمدہ واقعات کے متعلق کلیات اور قواعد سکھانا۔ اس سے وقت بچتا ہے اور محنت بھی کم پڑتی ہے۔ اُصول وقواعد سیکھنے سے کسی واقعہ پر اسے منطبق کرنا آسان ہو جاتا ہے جبکہ اس کے نتائج بھی اس کے برعکس ہیں۔

د: دورِ حاضر اور متذکرہ بالا اُصول: ..... آج کے حالات عہدِ نبوی کے حالات سے بالکل مختلف ہیں۔ نبی کریم ﷺ جب صحابہ کرام ﷺ کو بتاتے کہ یہ کام شرک ہے یا بدعت ہے، صحابہ کو شرک کی حقیقت اور اس کی شرعی حیثیت معلوم ہوتی تھی وہ بدعت کے معنی اور اس کی شرعی حیثیت سے واقف تھے، انہیں دلیل کی بھی ضرورت نہیں تھی کہ کلامِ نبی بذات خود دلیل ہے۔ ہمارے دور میں نہ تو داعی نبی ہے اور نہ سامعین صحابہ ہیں جن کا علم وادراک، فہم وفراست اور اُصول فہمی میں ایک مقام تھا۔

آج کے لوگ صحابہ کرام ﷺ سے دو چیزوں میں مختلف ہیں۔

(۱)..... اکثر لوگوں کو بات ہی سمجھ نہیں آتی کیونکہ انہیں بہت سی اصطلاحات کا معنی اور ان کا شرعی حکم معلوم نہیں ہوتا، مثلاً: اُلوہیت، شرک اور بدعت وغیرہ لہٰذا ایک شخص خود شرک کر رہا ہوتا ہے اور مشرکوں کو لعنتی بھی کہہ رہا ہوتا ہے۔

(۲)..... سالہا سال مختلف بدعات کرتے رہنا اور اچانک یہ بتانا کہ یہ کام شریعت کے خلاف ہیں، ایسا کرنے سے سامعین کی صورتِ حال یہ ہوتی ہے کہ اگر وہ کبھی جانے والی بات سمجھ بھی لیں تو وہ سمجھتے ہیں کہ یہ صحیح نہیں ہے لہٰذا وہ اس کے قائل نہیں ہوتے۔

علاوہ ازیں وہ پیش کردہ دلائل ہی میں شک کرتے ہیں پھر انہیں سمجھنے میں شک کرتے ہیں۔

علمائے سوء اور بدعت کے داعی بھی ان کی مدد کر رہے ہوتے ہیں۔ جب تک داعی اس

بات سے آگاہ نہ ہو وہ فتنے بوئے گا اور رکاوٹیں کھڑی کرے گا۔

لہٰذا ہمارے دور میں جبکہ لوگ بنیادی اُصول نہ سمجھتے ہوں اور نہ ہی دی جانے والی مثال پر مطمئن ہوں تو انہیں ایسے کام سے منع کرنا غلط ہے۔

مثلاً: کچھ لوگ شرکیہ کاموں سے روکتے ہیں اور ایسے کام کرنے والے کو "مشرک" کہتے ہیں یا بدعت سے روکتے ہیں اور کرنے والے کو بدعتی کہتے ہیں۔ جبکہ جنہیں بتایا جاتا ہے وہ شرک و بدعت کا معنی ہی نہیں سمجھتے بلکہ وہ شرک و بدعت کرنے کے باوجود یہ سمجھتے ہیں کہ وہ اللہ کا قرب حاصل کر رہے ہیں نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ داعی کے عمل سے لوگ مزید متنفر ہو جاتے ہیں۔

صحیح طریقہ یہ ہے کہ داعی مسئلہ بیان کرنے سے پہلے بطورِ تمہید متعلقہ اُصول کی وضاحت کرے تاکہ وہ مدعوین کو مرحلہ وار اصل بات کی طرف منتقل کر سکے۔

ھ۔ اُصول و عقائد کی وضاحت کرتے وقت کن باتوں کا لحاظ رکھنا ضروری ہے:...... اس اُصول کو اپنانے کے لئے داعی کو مندرجہ ذیل باتوں کا خیال رکھنا چاہیے۔

(۱)...... پیش کرنے میں سہل انداز اور عام فہم عبارت سامعین کے لئے سمجھنے میں آسانی پیدا کرتی ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ لاعلمی کا خاتمہ ہو اور حجت قائم ہو جائے اور جذبہ قبولیت پیدا ہو۔ جب کہ ہمارے دور میں اُصول و قواعد کو مشکل انداز میں ڈھال دیا گیا ہے۔

(۲)...... دوسرا اُصول یہ ہے کہ وہ کتاب و سنت سے دلائل لینے پر زور دے، ائمہ کرام کی آراء میں سے شواہد پیش کرے۔ دلائل کے بغیر ان کی آراء پیش کرنے سے گریز کرے وگرنہ سامعین داعی کے فہم میں شک کرنے لگ جائیں گے اور اس کے علم پر عدم اطمینان کا اظہار کریں گے۔ عوام الناس کے دلوں میں کتاب و سنت سے دلائل دینے کا گہرا اثر ہوتا ہے اس کے بعد اہل علم کی آراء کی باری آتی ہے اس سے سامعین کو داعی کی فہم پر اطمینان ہو جاتا ہے۔

(۳)...... قاعدے اور اُصول کی تشریح کے لئے پہلے اسلام کے ابتدائی دور کی مثالیں بیان کرے، پھر اس کے بعد والے ادوار کی مثالیں ذکر کرے، جب سامعین قاعدے کے

مفہوم کو اچھی طرح سمجھ لیں تو ان کے سامنے دور حاضر کی مثال رکھ دیں اگر وہ ابتداء ہی دور حاضر کی مثالوں سے کرے گا تو وہ متنفر ہو جائیں گے۔

رسول اکرم ﷺ بھی ایسے ہی کیا کرتے تھے۔ احادیث میں گذشتہ اقوام کی بہت سی مثالیں یہ کہہ کر بیان ہوئی ہیں ''تم سے پہلے دور میں ایک آدمی تھا وہ.........۔'' ❶

بطور مثال اگر مدعوین بدعات وخرافات میں مبتلا ہوں تو انہیں اُصول وقاعدہ کی تعلیم دے اور بدعت کے مفہوم اور اس کے نقصانات سے آگاہ کرے جب وہ اس چیز سے مطمئن ہو جائے کہ وہ اسے سمجھ چکے ہیں اور اس سے مانوس ہو چکے ہیں تو ان کے سامنے عہد نبوی میں پیش آمدہ کوئی واقعہ سنائے، مثلاً: وہ تین صحابہ ﷺ جنہوں نے اپنے لئے شادی کرنا، رات کو سونا حرام کر لیا تھا اور زندگی بھر روزہ رکھنا ضروری قرار دے دیا تھا۔ ❷

ان کا واقعہ بیان کرے، جب وہ سمجھے کہ مخاطب اسے سمجھ چکے ہیں تو ان کے سامنے دور حاضر کی مثالیں بیان کرے۔

(۴)..... داعی کی گفتگو شرعی مسائل وعقائد بیان کرنے کی حد تک ہو بحیثیت داعی اسے اشخاص کو نشانہ نہیں بنانا چاہیے۔ مبادا وہ انہیں جذبات میں لے آئے اور مسائل کو سمجھنے اور ماننے سے رکاوٹ بن جائے۔

(۵)..... داعی کے لئے جائز بلکہ کبھی کبھی ضروری ہوتا ہے کہ جب وہ مناسب سمجھے تو مثال سے بات شروع کرے اور اس کا ضابطہ بھی ساتھ ساتھ بیان کر دے۔ وضاحت کو ضرورت کے موقعہ سے مؤخر کرنا جائز نہیں۔

لیکن ایک بڑی مثال پر حکم لگاتے ہوئے بڑی حکمت سے کام لے۔

ارباب دعوت نے اس اُصول سے غفلت برتنے کی بنا پر بہت سے سامعین کو متنفر کر دیا ہے یا تو وہ ان کی بات نہیں سمجھتے یا پھر انہیں ارباب دعوت پر شک ہے، کچھ سامعین مختلف

❶ أحمد: ج:۲ ص: ٤١٣۔ بخاري: ٦٤٨٠۔ مسلم: ٢٠٨٨ ۔

❷ بخاري: ٥٠٦٣۔ مسلم: ١٤٠١۔

آراء کی وجہ سے حیرت زدہ ہو جاتے ہیں کیونکہ انہیں وہ قواعد معلوم نہیں جن کے ذریعے وہ مختلف آراء میں سے کسی کو ترجیح دے سکیں۔

ہم جانتے ہیں کہ اسلامی معاشرے میں مختلف اور متضاد قسم کے لوگ ہیں۔ ایک شخص ایک کام کو شرک کہتا ہے تو دوسرا اسی کام کو جائز کہہ دیتا ہے، ایک شخص ایک کام کو بدعت کہتا ہے اور دوسرا اسی کام کو سنت کہہ دیتا ہے۔ ایسی صورت میں صلاحیت نہ رکھنے والے سامعین کی کیا پوزیشن ہوگی۔ ان کا معاملہ تو پھر اللہ کے سپرد ہے۔

بنیاد سازی کی دعوت اس تضاد کا سدِّ باب ہوگی اور اختلافی مسائل میں حق کو واضح کرے گی۔ اس طرح دعوت کا کام آسان ہوگا اور مدعوین کو راہنمائی ملے گی۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ ہماری مدد فرمائے۔ آمین

(۴) میدانِ دعوت میں ترغیب وتخویف میں اعتدال:

اس میں چار عنوانات ہیں:

الف: متذکرہ بالا اُصول کا مفہوم:...... جس طرح خوف انسانی فطرت میں موجود ہے اسی طرح اُمید بھی موجود ہے۔ ان خوابیدہ فطری جذبوں کو ابھارنا اور انہیں دعوتی خطابت کے پہلو بہ پہلو لے کر چلنا دعوتِ دین کی اُصول پسندی کا حصہ ہے۔ اہم بات یہ ہے کہ ایک جانب دوسری پر غالب نہ آئے بلکہ ایسا ہونا باعثِ خطر ہے۔ ایک داعی کی ذمہ داری ہے کہ وہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کا خوف دلانے، دنیا وآخرت میں گناہوں کے انجام اور عذاب سے ڈرانے کے ساتھ ساتھ انہیں اللہ تعالیٰ کے ہاں موجود اجرِ عظیم، دائمی انعامات، دنیا میں خیر وبرکت، نصرت وتائید اور اقتدار کے حصول جیسی باتوں کی ترغیب وتشویق بھی دلائے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ سے دل لگانے اس کی اطاعت وفرمانبرداری اور محبت کے لئے کوشاں ہوں۔ داعی کو صرف ایک پہلو پر اکتفا نہیں کرنا چاہیے اگر وہ ترہیب وتخویف سے آغاز کرے تو اختتام ترغیب وتشویق پر ہو اسی طرح اس کے برعکس کرے۔

ب: متذکرہ بالا اُصول اور قرآنِ مجید:...... قرآنِ مجید کے مطالعہ سے یہ اُسلوب

واضح نظر آتا ہے کہ جہاں جنت کا ذکر ہے وہاں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے دوزخ کا ذکر بھی کیا ہے اس طرح جہاں عذاب کا بیان ہے وہاں رحمتِ الٰہی اور انعامات کا تذکرہ بھی ہوا ہے کہیں تو یہ ایک کے بعد دوسری آیات میں ہے اور کہیں ایک ہی آیت میں۔

مثلاً: سورت محمد میں اللہ ربّ العزت نے فرمایا:

﴿مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِي وُعِدَ الْمُتَّقُونَ ۖ فِيهَا أَنْهَارٌ مِّن مَّاءٍ غَيْرِ آسِنٍ وَأَنْهَارٌ مِّن لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهُ وَأَنْهَارٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشَّارِبِينَ وَأَنْهَارٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى ۖ وَلَهُمْ فِيهَا مِن كُلِّ الثَّمَرَاتِ وَمَغْفِرَةٌ مِّن رَّبِّهِمْ ۖ﴾

[محمد : ۱۵]

”اس جنت کی مثال جس کا متقیوں سے وعدہ کیا گیا ہے یہ ہے کہ اس میں پانی کی نہریں ہوں گی جس میں ذرا بھی تغیر نہ ہوا ہوگا، اور دودھ کی نہریں ہوں گی جس کا ذائقہ تبدیل نہ ہوا ہوگا اور شراب کی نہریں ہوں گی جو پینے والوں کے لئے یکسر لذت ہوگی اور صاف شفاف شہد کی نہریں ہوں گی اور اس میں ان کے لئے ہر قسم کے پھل بھی ہوں گے اور ان کے ربّ کی طرف سے مغفرت بھی۔“

اس ترغیب وتحریض کے بعد دلوں کو خوف دلانے اور مرعوب کرنے کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

﴿كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ وَسُقُوا مَاءً حَمِيمًا فَقَطَّعَ أَمْعَاءَهُمْ ﴿١٥﴾﴾

[محمد : ۱۵]

”کیا یہ ان لوگوں کے مانند ہوں گے جو ہمیشہ دوزخ میں رہنے والے ہیں اور جنہیں اس میں گرم پانی پلایا جائے گا پھر وہ ان کی آنتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کرکے رکھ دے گا۔“

سورۂ حج میں شدید عذاب کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

﴿هَٰذَانِ خَصْمَانِ اخْتَصَمُوا فِي رَبِّهِمْ ۖ فَالَّذِينَ كَفَرُوا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّن نَّارٍ يُصَبُّ مِن فَوْقِ رُءُوسِهِمُ الْحَمِيمُ ﴿١٩﴾ يُصْهَرُ بِهِ مَا فِي بُطُونِهِمْ وَ

الْجُلُوْدُ ۝ وَلَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ حَدِيْدٍ ۝﴾ [الحج: ١٩۔٢٢]

"یہ دو فریق ہیں جنہوں نے اپنے رب کے بارے میں اختلاف کیا، جنہوں نے کفر کیا ان کے لئے آگ کے جامے تراشے جائیں گے ان کے سروں کے اوپر کھولتا پانی بہایا جائے گا، اس سے جو کچھ ان کے پیٹوں میں ہوگا اور ان کی کھالیں سب پگھل جائے گا اور ان کی (سرکوبی) کے لئے لوہے کے ہتھوڑے ہوں گے۔ جب وہ اس میں سے کسی عذاب سے نکلنے کی کوشش کریں گے انہیں اسی میں دھکیل دیا جائے گا کہ چکھو اب جلنے کا عذاب۔"

جہاں پر اللہ تعالیٰ نے اپنی کسی رحمت کی صفت کا ذکر کیا ہے اس کے بعد ترہیب اور عذاب کی نشاندہی کرنے والی صفت بھی ذکر کی ہے، مثلاً: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿نَبِّئْ عِبَادِيْ أَنِّيْ أَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ وَأَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الْأَلِيْمُ ۝﴾

[الحجر: ٤٩۔ ٥٠]

"میرے بندوں کو آگاہ کر دو کہ بے شک میں بڑا ہی بخشنے والا مہربان ہوں اور بے شک میرا عذاب بھی بڑا ہی دردناک ہے۔"

ج: مذکورہ بالا اُصول سنتِ مطہرہ کی روشنی میں: ..... رسول اللہ ﷺ کا اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ تعلق ترغیب وتخویف دونوں پر مشتمل تھا حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے "نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میرے سامنے اس دیوار کے عرض میں ابھی ابھی جنت اور دوزخ دونوں کو پیش کیا گیا تھا......" ❶

آپ ﷺ نے فرمایا: میں نے اپنی اس نماز میں ہر اس چیز کو دیکھا ہے جس کی بھی تمہیں وعید سنائی جاتی ہے۔ جب تم نے مجھے دیکھا کہ میں پیچھے ہٹ رہا تھا تو میرے سامنے جہنم کو بلایا گیا مبادا مجھے اس کی لو لگ جائے۔ میں نے اس میں ایک کھونٹی والے کو دیکھا جو دوزخ میں اپنی آنتیں گھسیٹ رہا تھا کیونکہ وہ اس کے ذریعے حاجیوں کی چیزیں چراتا تھا اگر پتہ چل

❶ بخاری: ٥٤٠، ٧٢٩٤۔ مسلم: ٢٣٥٩۔

جاتا تو وہ کہتا کہ یہ از خود چمٹ گئی ہے اور اگر پتہ نہ چلتا تو وہ اسے لے جاتا۔ میں نے اس میں ایک عورت کو دیکھا جس نے ایک بلی کو باندھ دیا تھا اسے نہ کھانے کو کچھ دیا اور نہ اسے چھوڑا کہ وہ گھاس کھا کر گزارا کرے حتیٰ کہ وہ بھوک سے مرگئی۔ جب تم نے مجھے دیکھا تھا کہ میں اپنی جگہ سے آگے بڑھ رہا ہوں تو میرے سامنے جنت کو لایا گیا میں نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا میں چاہتا تھا کہ اس کا کوئی پھل لے لوں تاکہ تم اسے دیکھ لو پھر مجھے خیال آیا کہ میں ایسے نہ کروں، جس جس چیز کا بھی تم سے وعدہ کیا جاتا ہے میں نے اسے اپنی اس نماز میں دیکھ لیا ہے۔'' ❶

ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو وعظ کیا اس میں انہیں بہت خوف دلایا اللہ تعالیٰ نے فرمایا: دوبارہ وعظ کر کے انہیں شوق اور رغبت بھی دلاؤ۔ ❷

و: ترغیب اور تخویف میں اعتدال کی حکمت: ...... اس اعتدال کو انسانی افراد کے لئے ملحوظ رکھنے کا راز یہ ہے کہ انسان کا مزاج کچھ اس طرح واقع ہوا ہے کہ وہ ایک طرف خوف و ہراس سے متاثر ہوتا ہے تو دوسری طرف ترغیب و تشویق کو قبول کرنے پر آمادہ ہوتا ہے۔ اس لئے اس طریقہ کار کا انسانی افراد پر بہت گہرا اثر ہوتا ہے۔ جب کوئی شخص گناہ کر کے اللہ تعالیٰ سے ڈر جائے تو وہ اپنے گریبان میں جھانکتا ہے اور نکلنے کی راہ ڈھونڈتا ہے جب اسے توبہ کا دروازہ کھلا نظر آتا ہے تو وہ اپنے رب کی طرف متوجہ ہو کر گناہ سے توبہ کر لیتا ہے۔

نیک آدمی جب نافرمانی کی سزا یا نیکی کی ترغیب سنتا ہے تو وہ مزید فرمانبردار بن جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں موجود انعامات اور جنتوں کی اُمید بڑھا لیتا ہے، اس طرح اس میں اعتدال پیدا ہوتا ہے۔ تخویف و انذار کے سلسلہ میں باری تعالیٰ کے اس فرمان پر غور کریں۔

فرمان الٰہی ہے:

---

❶ مسلم: ٩٠٤۔

❷ بخاری: ٢٥٤۔ ابن حبان: ١١٣۔ السلسلة الصحيحة: ٣١٥٣۔

﴿ وَ مَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ يَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا وَ لَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴾ [النساء : ١٤]

”اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کریں گے اور اس کی مقرر کردہ حدود سے تجاوز کریں گے وہ انہیں ایسی آگ میں داخل کرے گا جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور ان کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب ہے۔“

یہ فرمان بھی سامنے رکھیں:

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِيْهِمْ نَارًا ؕ كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴾

[النساء : ٥٦]

”اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کا انکار کیا ہم ان کو ایک سخت آگ میں جھونک دیں گے۔ جب ان کی کھالیں پک جائیں گی ہم انہیں دوسری کھالوں سے بدل دیں گے تاکہ یہ عذاب کا مزا خوب چکھ لیں بے شک اللہ غالب حکمت والا ہے۔“

یہ ارشاد بھی ملاحظہ ہو:

﴿ يَوْمَ يُسْحَبُوْنَ فِي النَّارِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ ؕ ذُوْقُوْا مَسَّ سَقَرَ ﴾ [القمر : ٤٨]

” اس دن (کو یاد رکھیں جب) یہ اپنے چہروں کے بل آگ میں گھسیٹے جائیں گے۔ (انہیں کہا جائے گا) دوزخ کی لپیٹ کا مزا چکھو۔“

اگر داعی انذار و تخویف والی آیات ہی پر اکتفا کرے تو مخاطب مایوس ہو جائیں گے اور مایوسی شیطان کا دروازہ ہے وہ لوگوں کو فسق و فجور میں بڑھاتا ہے یا پھر اللہ کی رحمت سے مایوس کرتا ہے، داعی اور دعوت سے نفرت بھی ہوگی ان میں سے ہر صورت شر سے لبریز ہے۔

باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ اِنَّهٗ لَا يَايْـَٔسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴾ [یوسف : ٨٧]

"اللہ کی رحمت سے مایوس تو بس کافر ہی ہوتے ہیں۔"

ترغیب وتشویق کے لئے اس فرمان پر غور کریں:

﴿قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ﴾

[الزمر: ۵۳]

"کہہ دو: اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے، اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہوں۔"

نیز فرمایا:

﴿اِلَّا مَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا﴾ [الفرقان: ۷۰]

"مگر وہ جو توبہ کرلیں اور ایمان لے آئیں اور عمل صالح کرنے لگیں تو اللہ ان کی برائیوں کو بھلائیوں سے بدل دے گا اور اللہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔"

اگر داعی صرف ترغیبی انداز اختیار کرے تو مدعوین رحمتِ باری تعالیٰ پر اعتماد کر کے بیٹھے رہیں گے۔ انہیں عذاب کا ڈر کم ہو جائے گا وہ نافرمانی میں بڑھتے جائیں گے، توبہ سے دور رہیں گے اپنی کرتوتوں پر اصرار کریں گے اور یہ ساری صورتِ حال خطرناک ہے۔

اللہ رب العزت کا فرمان ہے:

﴿وَ الَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۪ وَ مَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۪۟ وَ لَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَ هُمْ يَعْلَمُوْنَ﴾ [آل عمران: ۱۳۵]

"یہ لوگ جب کسی کھلی برائی کا ارتکاب یا اپنی جان پر کوئی ظلم کر بیٹھتے ہیں تو اللہ کو یاد کر کے اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہیں اور اللہ کے سوا کون ہے جو گناہوں کو بخشے؟ اور یہ جانتے بوجھتے اپنے کئے پر اصرار نہیں کرتے۔"

حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ ترغیب اور تخویف دونوں کو ایک ساتھ رکھا جائے اور دونوں

میں اعتدال کی راہ اختیار کی جائے۔ اس سے یہ ہوگا کہ آدمی اُمید اور خوف کے درمیان رہ کر زندگی گزارے گا جب وہ اس حالت میں رہے گا تو نہ وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہوگا اور نہ اس پر اعتماد کر کے بیٹھ رہے گا اس طرح اس کی اِصلاح ہوگی۔

داعی کو ترغیب وتخویف میں توازن برقرار رکھنا چاہیے۔ ایک ہی طرف زور نہ دیتا رہے۔ ایک داعی جب اس اُصول کو چھوڑتا ہے تو لوگ یا تو نا اُمید ہو جاتے ہیں یا متنفر یا اُمید لگاتے لگاتے عمل کرنا چھوڑ دیتے ہیں حالانکہ یہ تمام صورتیں نقصان دہ ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ سے نیکی کی توفیق کے لئے دعا گو ہیں۔

(۵) لوگوں سے بامقصد، ان کے حالات کی روشنی میں، ان کے لئے مفید اور ان کی استطاعت کے مطابق بات کی جائے:

اس میں چار عنوانات ہیں

الف: مذکورہ بالا اُصول کی وضاحت:..... یہ بات دعوت إلی اللہ کی منہج پسندی اور مدعوین کے حالات کی رعایت دونوں پر مشتمل ہے۔ اگرچہ گزشتہ فصل میں اس کا ذکر ہو چکا ہے تاہم یہاں اسے دونوں کی مناسبت کے پیشِ نظر کچھ تفصیل سے پیش کیا جا رہا ہے اور یہ تکرار فائدے سے خالی نہیں ہوگا۔

دعوت إلی اللہ کے طرز واسلوب کا اعلیٰ ترین اُصول یہ ہے کہ اس میں لوگوں سے تخاطب کے وقت ذیل میں بیان کردہ چیزوں کا خیال رکھا جائے۔

(ا) لوگوں کی ضرورت کا لحاظ:..... لوگوں کو دعوت دین دینے سے پہلے داعی کے لئے ضروری ہے کہ وہ پہلے ان کی ضروریات کا تعین کرے پھر ان سے مخاطب ہو، ہر کی ایک دینی ضرورت ہوتی ہے، کچھ کو عقیدے کی تفصیل درکار ہوتی ہے، کچھ عبادات کی تفصیل چاہتے ہیں، کچھ کو معاشرتی مسائل کی ضرورت ہوتی ہے اور کچھ وعظ وارشاد کے طالب ہوتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

یہ کوئی عقلمندی نہیں کہ لوگوں کے سامنے ایسی چیز بیان کی جائے جس کی انہیں ضرورت

نہ ہو اور جس سے انہیں کوئی سروکار نہ ہو مثلاً: وہ تو عقیدہ سے عاری اور عبادات سے ناواقف ہوں اور داعی انہیں سیاسی مسائل بتانا شروع کر دے۔ وہ تو ذاتی احوال کی درستگی کے قابل ہوں اور داعی انہیں اسلامی طرزِ سیاست اور حکومتی معاملات کی طرف لے جائے، عوام الناس کو حکومتی مسائل اور اسلامی ریاست کی داخلہ و خارجہ پالیسی سے کیا سروکار ہے۔

کیا آج عوام کو اسلامی حکومت سے مقابلہ بازی کی ضرورت ہے؟ اس سے تو فتنے اور بے راہ روی جنم لے گی۔ یہ اربابِ حکومت اور اہلِ اقتدار کا کام ہے ہر زید بکر کا کام نہیں ہے۔

اگر داعی کے مخاطب کافر ہیں تو وہ انہیں ایمان اور ہدایت کی دعوت دے۔

اگر گناہوں میں مبتلا مسلمان سامنے ہوں تو وہ انہیں توبہ و استغفار کی طرف بلائے۔ اگر شرک میں مبتلا لوگوں سے مخاطب ہو تو انہیں اصلاحِ عقیدہ کے لئے کہے اور توحید کی پختگی کی ترغیب دے۔ جو لوگ عبادات کو بہتر طور سے انجام نہ دے رہے ہوں انہیں اس کا طریقہ سکھائے، کفر سے آزاد ہو کر آنے والوں کو ایمانیات سے آشنا کرے اور ارکانِ اسلام سے آگاہ کرے۔

عقل پسندوں اور تجدد کے دعوے داروں کو اسلام کے امتیازات سے روشناس کرائے کہ یہ کیسا جامع اور کامل مذہب ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بتائی ہوئی باتوں کو تسلیم کرنا اور اس کے احکامات کے سامنے مجسم تسلیم و رضا بن جانا ہی اس کی اساس ہے۔ اہلِ بدعت کو اتباعِ سنت کی اہمیت اور بدعت کے خطرات سے آگاہ کرے۔ مدعوین کے حالات و ضروریات کی رعایت اور اس کا لحاظ ہی ایک عقل مند داعی کا امتیاز اور خوبی ہے۔

ب: لوگوں سے ان کی عقلی، ثقافتی اور علمی معیار کے مطابق گفتگو کرنا:...... ہر شخص کا عقلی اور علمی معیار ہوتا ہے، بعض معاشروں میں لوگ علم اور سوچ و بچار کے لحاظ سے تقریباً ایک ہی معیار کے ہوتے ہیں۔ ایک داعی کو چاہیے کہ وہ ان کے معیار کو ملحوظ رکھ کر اس کے مطابق گفتگو کرے۔

مثلاً: مسجد میں عوام الناس کے سامنے ایٹم کی تفصیلات کو اس بنا پر ذکر کرنا کہ قرآن حکیم

میں اس کا اشارہ موجود ہے یا محض عقل، فلسفہ اور علمِ کلام کو زیرِ بحث لانا یا ان کے معیار سے بلند تر مسائل بیان کرنا جنہیں وہ سمجھ ہی نہ سکیں جیسے اسم اور مسمّٰی میں، عدد اور معدود میں کیا فرق ہے؟ یا عقیدے سے متعلق مسائل میں اہلِ علم کے اختلافات یا تجارت کے دقیق مسائل، یا شادی کے مسائل کی کچھ پیچیدہ صورتیں، اس قسم کے جو بھی مسائل بیان ہوتے ہیں ان پر نظرِ ثانی کی ضرورت ہے کیونکہ یہ حکمت و دانائی سے بہت دور ہیں۔

داعی کو چاہیے کہ وہ تمام سامعین اور حاضرین کے مطابق ان سے گفتگو کرے۔ بنیادی اور جامع آیات کی تشریح کرے یا قرآنی واقعات پر تبصرہ کرے یا جامع قسم کی احادیث کی تشریح کرے یا کلی قواعد و مسائل بیان کرے تاکہ اس کی گفتگو تمام سامعین کے معیار کے مطابق ہو۔

ج: لوگوں کو ان کے لئے مفید اور ایسی باتیں بتائی جائیں جو ان کی استطاعت میں ہوں اور جو ان پر فرض ہیں:...... اس عنوان سے مراد یہ ہے کہ مسلمانوں کو فائدہ مند باتیں بتائی جائیں جو وہ کر سکتے ہوں اور جنہیں کرنا اللہ تعالیٰ نے ان پر فرض کیا ہے۔

لوگوں کو ایسی بات نہ بتائی جائے جس کا انہیں دینی یا دنیوی کوئی بھی فائدہ نہ ہو یا وہ اسے کر ہی نہ سکتے ہوں۔ مثلاً: لونڈیوں کے مسائل کی تفصیل، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے باہمی اختلافات پر گفتگو کرنا اور ان کے بعد اہلِ ایمان کی چپقلش وغیرہ کا تذکرہ کیونکہ اس سے فتنے جنم لیں گے۔ گذشتہ دور کے کسی فردِ معیّن پر فتویٰ لگانا مثلاً: حضرت علی و معاویہ رضی اللہ عنہما کے اختلافات کے بارہ میں فتوی بازی، اس طرح حجاج بن یوسف یا یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ کے مسائل میں بحث وغیرہ یہ کسی سابقہ حکمران یا بادشاہ کے حالات کی تفصیل میں جانا جس کا عقیدے اور علم و عمل کسی لحاظ سے بھی فائدہ نہ ہو۔ مسئلہ خلقِ قرآن جیسے خوابیدہ فتنوں کو ابھارنا اور بے بنیاد واقعات بیان کرنا یا پھر گمراہ فرقوں کے شکوک و شبہات کی تفصیل پھر ان کی تردید کرنا درست نہیں ہے کیونکہ یہ سارے مسائل ختم ہو چکے ہیں۔

د: مسلمانوں کے اصلاحِ احوال کا تفصیلی تذکرہ کیا جائے اور کافروں کی

کارگزاریوں کو مختصر ذکر کیا جائے: ...... یہ بات ایک داعی کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے توفیق کی علامت ہے کہ وہ مسلمانوں کی اصلاح، ان کی خرابیوں کا ازالہ ہر ہر خامی کے مطابق کرے۔

جب وہ کافروں اور ان کی سازشوں کا تذکرہ کرے تو اختصار سے کام لے۔ قرآن و سنت میں یہی راہِ اعتدال ہے۔ کافروں کے معاملات میں کوئی تفصیلی گفتگو، ان کی طرف سے مسلمانوں کو پہنچنے والی ہر ہر اذیت پر تفصیلی تبصرہ نہیں ہے اور نہ ہی ان کے مکروفریب سے بالکل غفلت برتی گئی ہے۔ کافروں کی کاروائیوں اور سازشوں سے مکمل غفلت برتنا بھی قرآنی اُسلوب کے خلاف ہے۔

ارشادِ ربّ العالمین ہے:

﴿وَ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَ لِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ﴾ [الأنعام: ۵۵]

''اور اسی طرح ہم اپنی آیات تفصیل سے بیان کرتے ہیں تاکہ (اہلِ ایمان کی روش بھی واضح ہوجائے) اور مجرموں کا رویّہ بھی بے نقاب ہوجائے۔''

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں کافروں کی سازشیں اور کاروائیاں بیان کی ہیں لیکن اختصار کے ساتھ۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا ۝ وَّ اَكِيْدُ كَيْدًا ۝ فَمَهِّلِ الْكٰفِرِيْنَ اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا ۝﴾

[الطارق: ۱۵۔ ۱۷]

''بے شک وہ ایک چال چل رہے ہیں اور میں بھی ایک طریقہ اختیار کررہا ہوں۔ آپ ان کافروں کو کچھ دیر مہلت دیں۔''

اللہ ربّ العزت کا فرمان ہے:

﴿وَ اللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْكُمْ وَ يُرِيْدُ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ اَنْ تَمِيْلُوْا مَيْلًا عَظِيْمًا ۝﴾ [النساء: ۲۷]

''اللہ تو یہ چاہتا ہے کہ تم پر رحمت کی نگاہ کرے اور وہ لوگ جو اپنی شہوات کی پیروی کر رہے ہیں یہ چاہتے ہیں کہ تم راہ حق سے بالکل ہی بھٹک کر رہ جاؤ۔''

فرمان الٰہی ہے:

﴿یَسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَ لَا یَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ وَ هُوَ مَعَهُمْ اِذْ یُبَیِّتُوْنَ مَا لَا یَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ بِمَا یَعْمَلُوْنَ مُحِیْطًا۝﴾ [النساء: ۱۰۸]

''یہ لوگوں سے تو چھپتے ہیں اور اللہ سے نہیں چھپتے حالانکہ وہ ان کے ساتھ ہوتا ہے جبکہ وہ ناپسندیدہ سرگوشیاں کرتے ہیں اور وہ جو کچھ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ سب کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔''

یہ اور اس جیسی دوسری کئی آیات میں دشمنانِ اسلام اور ان کے مکر وفریب کو بیان تو کیا گیا ہے لیکن اس میں کوئی تفصیل ہے نہ تخویف، بلکہ اسے بیان کرنے کے بعد تقویٰ اور صبر کے ذریعے اس کا مقابلہ کرنے کا درس دیا گیا ہے۔

ھ: دشمن سے متعلق طویل گفتگو کی نزاکت:...... دشمن کے مکر وفریب کی تفصیلات بیان کرنا، امت مسلمہ کے لئے ایک نازک کام ہے۔ اکثر مسلمان عقیدے میں کمزور اور مذہب سے ناواقف ہوتے ہیں۔ ان میں اتنا مضبوط ایمان اور معیاری توکل نہیں ہوتا کہ وہ دشمن کے شر کا مقابلہ کر سکیں، اور نہ ہی اتنی مادی قوت ہوتی ہے کہ جس سے انہیں دشمن کا مقابلہ کرنے کے لئے فکری پختگی حاصل ہو سکے۔

اس لئے تفصیلی گفتگو انہیں مزید کمزور کر دیتی ہے، اکثر مسلمانوں کی زبان پر یہ الفاظ ہوتے ہیں کہ ہم دشمنوں پر کیسے غالب آ سکتے ہیں، ہم اتنے کمزور ہیں اور وہ اتنے طاقتور؟

داعی کو چاہیے کہ وہ دشمنوں کے مکر وفریب کے خاتمہ کے لئے مسلمانوں کی اصلاح سے آغاز کرے۔ ان میں فکری اہلیت پیدا کرے، اس کا طریقہ یہ ہے کہ وہ ان کے اصلاحِ احوال کے لئے ان میں ایمانی قوت پیدا کرے اور ان کی خامیوں کا علاج کرے، توکل علی اللہ کو مضبوطی سے اختیار کرنے، انہیں متحد ہونے اور سیسہ پلائی دیوار بننے کا درس دے۔ یہی

چیز ان کے لئے فائدہ مند اور باعثِ استقامت ہے اور یہی انہیں اللہ تعالیٰ کی سرزمین پر اقتدار اور دشمن کے خلاف مدد فراہم کرے گی۔ دشمن جتنا بھی طاقتور کیوں نہ ہو کامیابی کے یہی بنیادی عناصر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے دشمن کو برا بھلا کہنے سے بچنے کی بہت تلقین فرمائی ہے۔ جب میدانِ اُحد میں مسلمان شکست خوردہ ہوئے اور اللہ کے رسول دورانِ نماز قنوت کر کے کافروں پر لعنت کرنے لگے تو اللہ رب العزت نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ ﴾ [آل عمران: ۱۲۸]

"معاملہ آپ کے اختیار میں نہیں ہے۔"

اس کے نازل ہوتے ہی آپ قنوت نازلہ پڑھنے سے رک گئے۔ مسلمانوں کو پہنچنے والی تکلیفوں کو محض اپنے دشمن کے ساتھ جوڑ دینے سے خود ان کی اپنی طرزِ فکر پر برے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ دوسری طرف یہ قرآنِ مجید کے اس اُصول کے بھی خلاف ہے کہ مسلمانوں پر آنے والی مصیبت ان کی اپنی کاروائی کا نتیجہ ہوتی ہے۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَمَآ أَصَابَكُم مِّن مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُوا عَن كَثِيرٍ ﴾

[الشوریٰ: ۳۰]

"اور جو مصیبت بھی تمہیں پہنچتی ہے تمہاری کرتوتوں ہی کی وجہ سے ہوتی ہے اور (تمہاری) بہت سی (برائیوں) سے وہ درگزر بھی فرماتا ہے۔"

نیز فرمایا:

﴿ أَوَلَمَّآ أَصَابَتْكُم مُّصِيبَةٌ قَدْ أَصَبْتُم مِّثْلَيْهَا قُلْتُمْ أَنَّىٰ هَٰذَا ۖ قُلْ هُوَ مِنْ عِندِ أَنفُسِكُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴾ [آل عمران: ۱٦۵]

"اور کیا جب تمہیں ایک مصیبت پہنچی جس سے دوگناہ مصیبت تم نے پہنچائی تو تم نے کہا کہ یہ کہاں سے آ گئی؟ کہہ دو: یہ تمہارے اپنے ہی پاس سے تھی، بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔"

۷: بدزبانی نہ تو دشمن کو روک سکتی ہے اور نہ ہی یہ مسلمانوں کی مشکل کا حل

ہے!..... کچھ داعی گالی گلوچ، لعن طعن اور واویلا کرنے لگ جاتے ہیں وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اس طرح مسلمان دشمنوں کا مقابلہ کرنے لگیں گے یا انہیں سرزنش کریں گے جبکہ وہ یہ نہیں سمجھ رہے ہوتے کہ اس سے نہ دشمن کو کوئی نقصان پہنچتا ہے اور نہ ہی مسلمانوں کی اصلاح ہوتی ہے۔

مختصر یہ ہے کہ یہ ایک اُصولی بات ہے اسے مبلغین کو سنجیدہ اور تعمیری پہلو سے لینا چاہیے۔ اس اُصول پسندی کا خلاصہ یہ ہے کہ:

(۱)..... مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ دشمن کا سامنا کرنے سے پہلے بھی تربیت اور تیاری کا اہتمام کریں تاکہ اگر فتح ونصرت حاصل ہو تو اس سے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا ہو اور اس کے انعام کا اعتراف ہو اور اگر ناکامی ہو تو اس سے نصیحت، عبرت اور دوبارہ سے اصلاح کا موقع ملے۔

(۲)..... مسلمانوں کو پہنچنے والی تکلیف، شکست یا مصیبت کا ناطہ اپنے اور اپنے گناہ کے ساتھ جوڑا جائے۔

(۳)..... کافروں کو ان کی خباثت اور مکر وفریب سے بری الذمہ قرار نہ دیا جائے لیکن اس ضمن میں مختصر گفتگو ہو۔ مسلمانوں کو درپیش صورت حال کا حل اور ان کے دشمنوں سے دفاع کا طریقہ یہ نہیں کہ انہیں سب وشتم اور دشنام طرازی کی جائے، ان کے مکر وفریب اور چالبازیوں کا تذکرہ کیا جائے اور خود مسلمانوں کی اصلاح سے غفلت برتی جائے اور ان کی خامیوں کا علاج نہ کیا جائے اس کا دعوتی منہج سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس سے مسلمانوں کے عزائم کمزور اور ان کی ہمتیں ماند پڑ جائیں گی۔

دعوتی منہج یہ ہے کہ فرد کے کردار کی تعمیر ایمان، توکل، تزکیہ اور علم پر کی جائے۔ کافروں کی حالت اور ان کے مکروفریب اور اس سے بچنے کی طرف سرسری اشارہ کر دیا جائے۔

قاعدہ اور اُصول یہ ہوا کہ مسلمانوں کے حالات تفصیلاً بیان ہوں اور کافروں کی حالت کو مختصر طور پر بیان کیا جائے۔

(۶) دعوتِ دین میں رواداری جائز اور مداہنت ناجائز ہے:

اس میں تین عنوانات ہیں:

الف: رواداری اور مداہنت کا مفہوم:.....کوئی شک نہیں کہ داعی کو بہت سے کٹھن حالات اور مشکل مقامات کا سامنا کرنا ہوتا ہے۔ ایسے حالات میں اسے حُسنِ کارکردگی کا مظاہرہ کرنا ہوگا۔ مفید اور مُضِرّ کا موازنہ اور انجام کار پر گہری نظر رکھنا ہوگی۔ اسی لئے تو اللہ تعالیٰ نے رواداری کو جائز قرار دیا ہے اور مداہنت کو ناجائز کہا ہے۔

رواداری کا مطلب یہ ہے کہ غلطی کرنے والے سے نرمی سے پیش آیا جائے، اس کی غلطی اس کے سامنے دوٹوک بیان نہ کی جائے، اس کی کسی بات یا اس کے کسی کام کی وجہ سے اس پر ایک دم فتویٰ نہ لگایا جائے۔ یہ اُمید رکھی جائے کہ وہ راہِ راست پر آ جائے گا۔

بالفاظ دیگر کوئی مثبت تبدیلی لانے کے لئے مناسب وقت کے انتظار میں تبلیغ کو مؤخر کرنا بشرطیکہ اسے مؤخر کرنے سے کوئی بڑی خرابی جنم نہ لے۔ ❶

یا یوں کہہ لیں کہ بڑی خرابی سے بچنے یا بڑی مصلحت کے حصول کے لئے حق بات بیان کرنے میں تاخیر کرنا جبکہ اس خاموشی میں باطل کی حمایت کا پہلو یا حق کو ٹھکرانے کا پہلو نہ ہو۔

اس کے ساتھ ساتھ دل میں اس ساری صورت حال کو اچھا نہ سمجھنا اور یہ عزم رکھنا کہ جب طاقت ہوگی تو اس برائی کو ختم کیا جائے گا، اسے رواداری کہتے ہیں اور اسے اسلام نے جائز قرار دیا ہے۔

اس کی ایک دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث ہے کہ ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی اجازت چاہی جب آپ کو اس کے بارہ معلوم ہوا تو فرمانے لگے" یہ خاندان میں بہت برا شخص ہے" پھر جب اس کے ساتھ بیٹھے تو خندہ پیشانی سے پیش آئے اور خوشی کا اظہار کیا جب وہ آدمی چلا گیا تو عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! جب آپ نے اس آدمی کو دیکھا تھا تو آپ نے اس اس طرح کہا تھا اس کے بعد آپ اسے خندہ پیشانی سے ملے اور خوشی کا اظہار فرمایا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((يَا عَائِشَةُ مَتَى عَهِدْتِنِي فَحَّاشًا، إِنَّ شَرَّ النَّاسِ عِنْدَ اللهِ

❶ فتح الباری: ج: ۹ ص: ۲۵۲۔

مَنْزِلَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَنْ تَرَكَهُ النَّاسُ إِتِّقَاءَ شَرِّهِ)) ❶

"عائشہ کیا مجھے کبھی تم نے فحش گوئی کرتے ہوئے بھی دیکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک قیامت کے دن برا وہ شخص ہوگا جسے لوگ اس کے شر سے بچنے کے لئے چھوڑ دیں۔"

مداہنت اور رکھ رکھاؤ:

(۱)..... کسی ذاتی یا اجتماعی کام میں حق کی طاقت رکھنے کے باوجود کسی شرعی مصلحت کے بغیر غلط بات کہنے والے یا غلط کام کرنے والے کے ساتھ رکھ رکھاؤ کرتے ہوئے اس کی گفتار یا کردار میں اس کا ساتھ دینا یا اس کے ساتھ شامل ہونا یا اس کے بارے میں خاموش رہنا مداہنت کہلاتا ہے۔

(۲)..... اہلِ باطل کا ساتھ دیتے ہوئے دل کی بات کے خلاف بات کہنا۔

(۳)..... حق ایسے موقع پر چھپانا جہاں اس کا اظہار ضروری ہو، شریعت نے اسے حرام کہا ہے اس کے مرتکب کو قابلِ مذمت اور خود اسے کبیرہ گناہ شمار کیا ہے۔

فرمان الٰہی ہے:

﴿وَدُّوا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُونَ ۝﴾ [القلم: ۹]

"یہ تو چاہتے ہیں کہ ذرا تم نرم پڑو تو یہ بھی نرم پڑ جائیں گے۔"

نیز فرمایا:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ ۙ أُولَٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّاعِنُونَ ۝﴾

[البقرة: ۱۵۹]

"بے شک جو لوگ ہماری اتاری ہوئی کھلی نشانیوں اور ہماری ہدایت کو چھپاتے ہیں جبکہ ہم نے وہ کتاب میں کھول کر لوگوں کے لئے بیان کر دی

❶ بخاری: ۶۰۳۲۔

ہیں یہی لوگ ہیں جن پر اللہ لعنت کرتا ہے اور جن پر لعنت کرنے والے لعنت کرتے ہیں۔"

اور فرمایا:

﴿وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَ لَا تَكْتُمُوْنَهٗ﴾ [آل عمران: ۱۸۷]

"اور (یاد کرو) جب اللہ نے ان لوگوں سے عہد لیا جنہیں کتاب دی گئی کہ تم لوگوں کے سامنے اس کتاب کو اچھی طرح ظاہر کرنا اسے چھپانا مت۔"

آنحضرت ﷺ کا یہ فرمان ہے: "برے لوگوں میں سے وہ شخص بھی ہے جو دو رخ ہے۔ کچھ لوگوں کو ایک انداز سے ملتا ہے اور کچھ کو دوسرے انداز سے۔" ❶

آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے:

((مَنْ سُئِلَ عَنْ عِلْمٍ فَكَتَمَهُ، أَلْجَمَهُ اللّٰهُ بِلِجَامٍ مِن نَّارٍ)) ❷

"جس شخص سے علم کی کوئی بات پوچھی جائے اور وہ اسے چھپائے۔ اللہ تعالیٰ اسے دوزخ کی لگام پہنائے گا۔"

متذکرہ بالا اُصول کا خلاصہ:

اس اُصول کا خلاصہ یہ ہے کہ مشکلات کے وقت داعی کا طرزِ عمل واضح ہونا چاہیے۔ اسے میدانِ دعوت میں فوائد و نقصانات کا موازنہ کرنا چاہیے۔ اس کے ردِّ عمل میں پہنچنے والی تکلیف اور حق کو چھپانے کی بنا پر ہونے والے گناہ اور ایک خاص موقع پر عارضی حل کے طور پر مشکل سے نکلنے کا شرعی راستہ معلوم ہونا چاہیے، اسی کو رواداری کہتے ہیں۔ کہیں وہ مداہنت کا شکار نہ ہو جائے جس سے اس کا اعتماد ختم ہو جائے، اس کا سلسلہ تبلیغ رک جائے اور اللہ کے سامنے اسے حساب دینا پڑے۔

❶ بخاری ۳۴۹۴، ۶۰۵۸۔ مسلم: ۲۵۲۶۔

❷ أبو داؤد: ۳۶۵۸۔ ترمذی: ۲۶۴۹۔ ابن ماجۃ: ۲۶۶۔

(ب) مختلف علماء کا موقف اور راہِ اعتدال:..... اس سلسلہ میں اہل دعوت کی تین قسمیں ہیں:

کچھ افراط کا شکار ہیں، کچھ تفریط سے دو چار اور کچھ اعتدال پر قائم ہیں۔ کچھ نے مداہنت کا راستہ چوپٹ کھول رکھا ہے وہ معمولی قیمت میں حق کو فروخت کر رہے ہیں، تاکہ لوگ بھی خوش رہیں اور اس عارضی دنیا کا فائدہ بھی حاصل رہے۔ اس طرح وہ اللہ کے غضب کے بھی مستوجب ہیں، ان کی محنت بھی رائیگاں ہے، وہ توفیق باری تعالیٰ سے بھی محروم ہیں اور اجر وثواب کے لحاظ سے بھی خسارے میں جا رہے ہیں۔

کچھ ایسے افراد ہیں جو دعوتِ دین کو سمجھنے سے قاصر ہیں انہوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ کسی قسم کی نرم گفتگو، اچھی بات یا حسنِ اخلاق سے پیش آنا مداہنت ہے، ان کے خیال کے مطابق وسیع تر اصلاح کی خاطر عارضی سکوت یا بہتر موقعہ کی انتظار یا مدعوین کے ساتھ اُصولِ تدریج کو اپنانا مداہنت ہے۔

یہ لوگ حکمت و دانائی سے محروم ہیں اور شریعت کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ اور یہ سخت دل اور بد اخلاق ہو گئے ہیں۔ لوگوں سے سخت لہجے میں بات کرتے اور انہیں متنفر کرتے ہیں دین کے معاملہ میں برا رویہ اختیار کر کے انہوں نے لوگوں کو اور دعوتی کام کو بہت سے فوائد سے محروم کیا ہے اور اس میں بہت سی خرابیاں پیدا کی ہیں۔ اسی پر بس نہیں بلکہ یہ دوسروں کی حکمت و دانائی کو معیوب قرار دے کر اسے مداہنت اور متلون مزاجی کا الزام دیتے ہیں۔ حالانکہ وہ اسے نرم مزاجی یا گناہ گار شخص کے ساتھ خوش کلامی کے طور پر سرانجام دیتے ہیں یا وہ اسے کسی شرعی مصلحت کے پیش نظر مؤخر کرتے ہیں۔ ان لوگوں نے دو رُخی اختیار کرنے سے ممانعت کو بطور دلیل پیش کیا ہے۔ اور حق کو برملا بیان کرنے کے عام حکم سے استدلال کیا ہے جبکہ یہ اس حکمت سے دانستہ غفلت برتتے ہیں جسے اپنانے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اور ایسے مواقع پر رسول اللہ ﷺ کے اُسلوب سے دانستہ گریز کرتے ہیں جہاں آپ نے نرمی، خوش گفتاری، بڑی مصلحت کے پیش نظر دعوت کو مؤخر کرنے جیسے طریقوں کو اختیار کیا۔ ان سب

کے دلائل پہلے بیان ہو چکے ہیں انہیں دہرانے کی ضرورت نہیں۔

(ج) مذکورہ بالا اُصول کو نظر انداز کرنے کے نتائج:......ایک داعی کی کتاب میں اس اُصول کے نہ ہونے کی بنا پر ایسے نتائج مرتب ہوئے جن سے مداہنت پسندوں کا دینی نقصان ہوا، لوگوں کا اعتماد ان سے اٹھ گیا وہ ان کی کوئی پرواہ نہیں کرتے، باری تعالیٰ کے سامنے حساب اس کے علاوہ ہے۔

خشک مزاج لوگوں کی ڈکشنری میں اس اُصول کے نہ ہونے کی وجہ سے مبلغین کی شہرت داغ دار ہوئی ہے، ایسے جاہلوں سے دین بدنام ہوا ہے اور عوام الناس بھی متنفر ہوئے ہیں وہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ دین کے حقیقی علمبرداروں کی کاروائی ہے۔

دعوتِ دین کی منزل کی طرف رواں دواں ہونے میں کئی ناکامیاں اس کے علاوہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ راہِ اعتدال اپنانے میں ہماری مدد فرمائے۔

(ے) اُصولِ تدریج اور اہم در اہم کو سمجھنا:

اس میں نو عنوانات ہیں:

الف: مذکورہ بالا اُصول کا مفہوم:...... دعوت وتبلیغ کے مسائل ایک دوسرے سے یکسر الگ نہیں ہیں۔ امر ونہی کے باب میں تدریج کا تعلق اہم در اہم اُصول کو سمجھنے کے ساتھ بھی ہے اور مدعوین کے حالات کا لحاظ رکھنے کے ساتھ بھی۔ جبکہ یہی اُصولِ تدریج ایک مدعو کی ایمانی، نفسیاتی اور واقعاتی حالت کا لحاظ رکھنے کے حوالے سے بحیثیتِ مضمون مختلف ہے۔

یہ انتہائی ضروری ہے کہ داعی کا ایک واضح منہج ہو جس کی روشنی میں وہ لوگوں کے ساتھ اُصولِ تدریج کو اختیار کرے۔ اسے اہم اور اہم ترین کی سمجھ بوجھ ہو، تاکہ وہ اس کا لحاظ اور خیال رکھے اور دعوتِ دین کو ایسے صحیح انداز میں سرانجام دیا جاسکے کہ وہ لوگوں کی تخلیقی فطرت کے مطابق ہو اور جب بیک وقت کئی کام سامنے آجائیں تو ان میں اہم ترین پھر اہم کو اختیار کرنے کے اُصول پر منطبق ہو۔

اس سلسلہ میں ضابطہ سازی اور فہم وادراک کے ذریعے داعی کو مختلف مقامات میں بہتر

انداز اپنانے کا طریقہ معلوم ہوگا۔ وہ دعوت کے کاموں کو اہم ترین پھر اہم کے لحاظ سے ترتیب دے گا۔ اس سے اس کا وقت اور محنت کارآمد ثابت ہوگی وہ خود بھی فائدہ اٹھائے گا دوسروں کو بھی فائدہ پہنچائے گا۔ بصورتِ دیگر وہ عملِ دعوت میں مخبوط ہوکر خود کو بھی ضائع کرے گا اور دوسروں کو بھی۔

تدریج کا مطلب یہ ہے کہ مخاطب کو آسان سے مشکل کی طرف، ایک قاعدے سے دوسرے کی طرف اور مختلف قواعد سے ان کی جزئیات کی طرف بلایا جائے۔ نظریاتی دعوت سے عملی دعوت کی طرف، ایمانیات سے اعمال کی طرف اور توحید باری تعالیٰ سے عبادت کی طرف منتقل کیا جائے۔ حرام کردہ کاموں کے سلسلہ میں ایک سے دوسرے کی طرف لایا جائے۔ پہلے کبیرہ گناہوں سے آگاہ کیا جائے اس کے بعد چھوٹے گناہ چھوڑنے کو کہا جائے تاکہ وہ ہر حکم کو تسلیم کرتے ہوئے اور تعلیمات پر عمل پیرا ہوتے ہوئے ایک خاص قالب کی شکل اختیار کرلے۔

یہ عملِ تدریج فطری بھی ہے اور شرعی بھی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جس فطرتِ سلیمہ پر انسان کی تخلیق فرمائی ہے یہ اس کے مطابق ہے۔

انسانی مزاج بیک وقت تمام احکامات کو تسلیم کرنے یا تمام ناجائز کاموں کو چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک شخص قبل از اسلام کئی کاموں کا عادی اور ان سے مانوس ہو چکا ہوتا ہے وہ نئی عبادات کو بوجھ سمجھتا ہے، ان عادات کو چھوڑنا اس کے لئے مشکل ہوتا ہے جن خواہشاتِ نفس کا وہ عادی ہو چکا ہو انہیں ایک دم چھوڑنا اس کے لئے مشکل ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے شریعت کا طریقہ تدریج، اللہ تعالیٰ کے فطری نظام کے عین مطابق ہے۔

فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ أَنزَلَهُ الَّذِي يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ [الفرقان: ٦]

”ان سے کہہ دو کہ اسے اُس ہستی نے اتارا ہے جو آسمانوں اور زمین کے بھید کو جانتا ہے۔“

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بہت سے امر و نہی کے مسائل میں اپنے بندوں کے ساتھ تدریج کو اختیار فرمایا اور رسول اللہ ﷺ نے بھی اسے اختیار فرمایا۔

رہی یہ بات کہ طریقہ تدریج اور ترجیحی مسائل سمجھنے میں قدرِ مشترک کیا ہے؟ تو اس کی وضاحت یہ ہے کہ ترجیحی مسائل کو سمجھنے سے مراد یہ ہے کہ بلحاظ اہمیت مسائل کو ترتیب دیا جائے۔ مثلاً: عقیدہ عبادات سے اہم ہے تو اسے ان سے مقدم رکھا جائے کیونکہ اس کے بغیر کوئی عبادت درست نہیں ہوگی۔ اسی کا نام تدریج اور ترجیحی بنیاد پر مسائل بیان کرنا ہے یہ ایسے ہی ہے جیسے وضوء کا نماز سے تعلق ہے۔

شرک چونکہ ایک کبیرہ ترین گناہ ہے اس لئے سب سے پہلے اس گناہ سے روکا جائے یہ بھی تدریج اور اختیار اولیٰ کا ایک انداز ہے اس طرح یہ دونوں اُصول باہم مل جاتے ہیں۔

مثلاً: جب نومسلم افراد یا ایسے لوگوں کو دعوت دی جارہی ہو جو فرائضِ اسلام کے تارک اور محرمات کے مرتکب ہوتے ہوں تو ان سے ایک دم فرائض کو بجا لانے اور محرمات کو ترک کرنے کا مطالبہ نہ کیا جائے۔ پہلے انہیں توحید کی دعوت دی جائے پھر نماز کے لئے کہا جائے پھر زکاۃ کے بارہ میں بتایا جائے اور انہیں کبیرہ گناہوں سے ایک ایک کر کے روکا جائے۔

تاہم اگر کوئی نومسلم یا ضعیف العقیدہ مسلمان نیکی کے زیادہ تر کام کرنے اور زیادہ تر ممنوعات سے رکنے کے لئے تیار ہو تو ایسی صورت میں اسے ان سے آگاہ کر دیا جائے۔ لیکن کتنے ایسے اشخاص سامنے آئے جو عمل کے لئے مستعد ہونے کا اظہار کرنے کے بعد بہت جلد اُنہی قدموں پر پلٹ گئے۔

ب: مختلف کاموں میں تدریج کا اُصول اور اس کے دلائل:...... فرائض وواجبات میں تدریج کی واضح ترین مثال یہ بھی ہے کہ قرآن مجید مختلف مرحلوں میں نازل ہوا ہے، وہ ایک ہی دفعہ نازل نہیں ہوا۔ اس تسلسل اور تدریج میں دل بستگی بھی ہے اور کہی گئی بات کو یاد رکھنے کا پہلو بھی۔ جب کفار نے قرآنِ مجید کے تدریجی نزول پر اعتراض کیا تو باری تعالیٰ نے اپنے رسول کو مخاطب ہو کر یہ ارشاد فرمایا:

﴿كَذٰلِكَ ۚ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ﴾ [الفرقان : ٣٢]

''ہم نے ایسا ہی کیا تا کہ اس کے ذریعہ سے ہم تمہارے دل کو مضبوط کریں۔''

اس چیز کو انبیاء کرام علیہم السلام کا منہجِ دعوت بھی بیان کرتا ہے۔ وہ لوگوں کو بہت سی عبادات سے پہلے توحیدِ باری تعالیٰ کو سمجھنے اور شرک کو چھوڑنے کی دعوت دیتے رہے۔ وہ ان ناجائز کاموں کی طرف توجہ نہیں دیتے تھے جن کے وہ لوگ عادی تھے۔ ارشادِ ربّ العزت ہے:

﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۚ﴾

[النحل : ٣٦]

''اور ہم نے ہر امت میں ایک رسول اس دعوت کے ساتھ بھیجا کہ اللہ ہی کی بندگی کرو اور طاغوت سے بچو۔''

جب ایمان دلوں میں جڑ پکڑ لے اور ذہنوں میں توحید راسخ ہو جائے تو انہیں ایک ایک کر کے ارکانِ اسلام ادا کرنے کی طرف منتقل کیا جائے۔ اگر ایمان ایک اساس اور بنیاد ہے تو عبادات اس کے ستون ہیں، جو ایمان کو مضبوط کرتی اور اسے بڑھاتی ہیں۔ عبادات میں تدریج کے دوران ہی حرام کاموں سے روکنے کا عمل تدریج بھی جاری رہتا ہے کیونکہ عبادات ہی برائیوں کو ترک کرنے کے لئے معاونت فراہم کرتی ہیں۔

ربّ العالمین کا فرمان ہے:

﴿اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ۭ﴾ [العنكبوت : ٤٥]

''بے شک نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے۔''

نیز فرمایا:

﴿خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا﴾ [التوبة : ١٠٣]

''تم ان کے مالوں سے زکاۃ لو۔ اس سے تم انہیں پاکیزہ بناؤ گے اور ان کا تزکیہ کرو گے۔''

آنحضرت ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

((صَوْمُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ مِنَ الشَّهْرِ تُذْهِبُ وَحَرَ الصَّدْرِ .))❶

"ہر ماہ تین دن روزہ رکھنے سے دل کا کینہ ختم ہو جاتا ہے۔"

یعنی اس سے دل کی میل کچیل اور کینہ وحسد جیسی معنوی کثافتیں صاف ہو جاتی ہیں۔

آپ ﷺ کا فرمان ہے "طہارت نصف ایمان ہے، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کہنا میزان کو بھر دیتا ہے، سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ کہنے سے آسمان وزمین کا خلا پر ہو جاتا ہے، نماز نور ہے، صدقہ وخیرات ایمان کی دلیل ہے، صبر روشنی ہے، قرآن تمہارے حق میں یا تمہارے خلاف حجت ہے، ہر شخص پر نیا دن آتا ہے تو وہ اپنا سودا کرتا ہے پھر یا تو اپنی شخصیت کو آزاد کرتا ہے یا اسے تباہ وبرباد کر رہا ہوتا ہے۔"❷

ایمان کی دعوت سے آغاز کا مطلب ہے بنیاد سازی اور حصولِ اطمینان۔ اس کے بعد عبادات کا مطلب ہے یاد دہانی اور استقامت اور برائیوں سے روکنے کا معنی ہے انسان کی طہارت ونظافت۔

مسئلۂ تدریج کی واضح مثال حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف بھیجتے وقت رسول اللہ ﷺ کی ہدایات بھی ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کے علاقے کا گورنر بنا کر بھیجتے وقت فرمایا: تم جن لوگوں کے پاس جا رہے ہو وہ اہلِ کتاب ہیں۔ انہیں یہ دعوت دینا کہ وہ "لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ" کا اقرار کریں جب وہ یہ بات مان لیں تو انہیں بتانا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر دن رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ جب وہ تمہاری یہ بات مان لیں تو انہیں بتانا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر زکاۃ فرض کی ہے وہ ان کے امیروں سے لی جائے گی اور ان کے غریبوں میں تقسیم کی جائے گی۔ اگر وہ یہ بات بھی

---

❶ أحمد: ج: ٥ ص: ٣٦٣، ٧٨۔ نسائی: ج: ٤ ص: ٢٠٨۔ صحيح الترغيب والترهيب: ١٠٢٣۔

❷ مسلم: ٢٢٣۔ أحمد: ج: ٥ ص: ٣٤٣۔

مان لیں تو ان کا اچھا اور عمدہ مال نہ لینا۔ مظلوم کی بددعا سے بچنا کہ اس کے اور اللہ کے درمیان کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔“ ❶

(۳) ایک ممنوع کام میں تدریج کا طریقہ:

یہ اُصول تدریج توحید و عبادات جیسے کلی مسائل تک محدود نہیں ہے یہ تو بذات خود توحید اور نماز کے جزوی مسائل میں بھی کارفرما ہے۔

مثلاً: پہلے پہل شرکِ اکبر کو حرام کہا گیا تھا، شرکِ اصغر سے رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ میں آنے کے بعد منع فرمایا تھا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک قافلے میں چلتے ہوئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ اپنے باپ کی قسم اٹھا رہے ہیں تو فرمایا:

((أَلَا إِنَّ اللّٰهَ يَنْهَاكُمْ أَنْ تَحْلِفُوْا بِآبَائِكُمْ)) ❷

”لوگو! اللہ تعالیٰ تمہیں باپ دادا کی قسم اٹھانے سے منع کرتا ہے۔“

یہ اور ایسی کئی اور احادیث سے یہ دلیل ملتی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مدینہ منورہ میں اپنے باپ دادا کی قسم اٹھا لیا کرتے تھے اور اگر یہ شرکِ اکبر ہوتا، جس سے انہیں ابتداء ہی میں منع کر دیا گیا تھا تو وہ ہجرت کے بعد ایسے نہ کرتے خصوصاً سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جیسے لوگ۔

اس سے بھی واضح مثال یہ ہے کہ آپ ﷺ کا فرمان ہے: ”تم لوگ کچھ باتیں زبان پہ لے آتے تھے جبکہ میں حیاء کی بنا پر تمہیں ان سے روکتا نہیں تھا تم ایسے نہ کہا کرو جو اللہ تعالیٰ چاہے اور جو محمد ﷺ چاہے۔“ ❸

ابتداء میں مکہ مکرمہ کے اندر نماز کی صرف دو رکعت ہوتی تھیں، نوافل بھی نہیں تھے بعد میں اسے حضر میں بڑھا دیا گیا اور نوافل مقرر کر دیے گئے۔

---

❶ بخاری: ۴۳۴۷۔ مسلم: ۱۹۔

❷ بخاری: ۶۶۴۶۔ مسلم: ۱۶۴۶۔

❸ أحمد ج ۵ ص ۷۲ ح ۲۰۸۱۳۔ ابن ماجہ ۲۱۱۸م۔ سلسلہ الصحیحہ ۱۳۶، ۱۳۷۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا فرمان ہے کہ نماز دو رکعت فرض کی گئی تھی پھر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں ہجرت فرمائی تو چار رکعات فرض کر دی گئیں اور نمازِ سفر کو پہلی حالت میں برقرار رکھا گیا۔"❶

ابتدائی دورِ اسلام کی نماز بھی آخری دور کی طرح نہیں تھی۔ پہلے پہل مسلمان نماز میں باتیں کرلیا کرتے تھے بعد میں انہیں اس سے روک دیا گیا۔ ارشاد ربّ العزت ہے:

﴿ وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ ﴾ [البقرة: ٢٣٨]

"اور نمازوں میں اللہ کے حضور فرمانبردار بن کر کھڑے ہو۔"

امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس حکم کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ نماز کے دوران گفتگو نہ کی جائے کیونکہ یہ اس کے منافی ہے۔ زید بن ارقم بیان کرتے ہیں کہ "ہم دورِ نبوی میں نماز کے دوران کسی ذاتی ضرورت کے لئے بات کرلیا کرتے تھے پھر جب یہ آیت نازل ہوئی ﴿ وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ ﴾ تو ہمیں خاموش رہنے کو کہہ دیا گیا۔"❷

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نماز بھی تین مختلف حالات سے گزری اور روزہ بھی تین مختلف حالات سے گزرا ہے۔ روزہ کے بارہ میں فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر ماہ کے تین روزے اور دس محرم کا روزہ رکھتے تھے۔ جب اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل فرمایا:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝ أَيَّامًا مَّعْدُودَاتٍ ۚ فَمَن كَانَ مِنكُم مَّرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ۚ وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ ۖ فَمَن تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهُ ۚ وَأَن تَصُومُوا خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ ﴾

[البقرة: ١٨٣ ـ ١٨٤]

---

❶ بخاری: ٣٥٠، ٣٩٣٥ـ مسلم: ٦٨٥ـ

❷ تفسیر ابن کثیر ج:١ ص:٣٠٢ـ أحمد ج: ٤ ص: ٣٦٨ـ بخاری: ١٢٠٠، ٣٥٣٤ـ مسلم: ٥٣٩ـ

"اے ایمان والو! تم پر بھی روزہ فرض کیا گیا ہے جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیا گیا تھا تاکہ تم تقویٰ حاصل کرو، گنتی کے چند دن۔ تم میں سے جو شخص مریض ہو یا سفر میں ہو تو دوسرے دنوں میں تعداد پوری کرے اور جو لوگ ایک مسکین کو کھانا کھلا سکیں ان پر ایک روزے کے بدلے ایک مسکین کا کھانا ہے۔"

تو جو شخص چاہتا روزہ رکھ لیتا اور جو چاہتا روزہ چھوڑ دیتا اور ایک دن کے عوض ایک مسکین کو کھانا کھلا دیتا، یہ دوسری حالت تھی۔

پھر جب اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل فرمایا:

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَ الْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ؕ وَ مَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ﴾ [البقرة: ١٨٥]

"رمضان کا مہینہ ہے، جس میں قرآن، لوگوں کے لئے ہدایت بنا کر اور حق وباطل کے درمیان امتیاز کے کھلے دلائل کے ساتھ اتارا گیا، لہٰذا جو کوئی تم میں سے اس مہینے میں موجود ہو وہ اس کے روزے رکھے۔ اور جو بیمار ہو یا سفر پر ہو تو دوسرے دنوں میں گنتی پوری کر لے۔"

اس کے ساتھ ہی ہر مقیم مسلمان پر دورانِ رمضان روزہ فرض ہو گیا، جب کہ مسافر کے لئے اسے بعد میں رکھنا ضروری قرار پایا۔ ایک مسکین کو کھانا کھلانا ایسے مرد وزن کے لئے طے ہوا جو روزے رکھنے کی استطاعت نہ رکھتے ہوں۔" ❶

ان دلائل سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ بذاتِ خود توحید کی تعلیم کے معاملہ میں بھی طریقۂ تدریج موجود ہے، نبی کریم ﷺ نے انہیں توحید کے مکمل اسباق ایک ہی دفعہ نہیں سکھائے اور نہ ہی نماز کو اس کی آخری حالت وصورت میں ایک دم پیش کیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ طریقۂ تدریج ایک قاعدے سے دوسرے قاعدے کی طرف منتقل ہونے

❶ أحمد ج:٥ ص:٢٤٦۔ أبو داؤد:٥٠٧۔ الحاكم ج:٢ ص:٢٧٤۔

میں بھی موجود رہتا ہے اور ایک ہی قاعدے میں ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل ہونے میں بھی۔

د: ممنوعہ کاموں میں تدریج کا اُصول اپنانا:..... جس طرح اُصولِ تدریج عقائد اور عبادات کی ترویج میں اپنایا گیا بالکل اسی طرح ناجائز کاموں کی حُرمت میں بھی یہ بدستور رہا۔ نہ تو دعوت کے ابتدائی مرحلہ میں ہی انہیں ناجائز قرار دیا گیا اور نہ اس کے بعد ناجائز کہا گیا بلکہ انہیں ایک ایک کرکے ناجائز کہا جاتا رہا۔ کچھ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم مکہ مکرمہ میں شراب اور جوا وغیرہ ایسے کاموں میں ملوث رہے جنہیں بعد میں اسلام نے تباہی و بربادی کا موجب قرار دیا، لیکن اس وقت انہیں کسی چیز سے منع نہیں کیا۔ یہ بات تو اس قدر جانی پہچانی ہے کہ اس کے دلائل کی بھی ضرورت نہیں ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تو مدینہ منورہ میں بھی شراب پیتے رہے۔ اسلام نے ابتدا شرک کی حُرمت سے کی، پھر کبیرہ گناہوں کی حرمت اور پھر صغیرہ گناہوں کی طرف رُخ کیا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ وَلَآ اُشْرِكَ بِهٖ ۭ اِلَيْهِ اَدْعُوْا وَاِلَيْهِ مَاٰبِ ۝﴾

[الرعد: ۳٦]

”تم کہہ دو کہ مجھے تو حکم ہوا ہے کہ میں اللہ ہی کی بندگی کروں اور اس کا کسی کو شریک نہ بناؤں، میں اسی کی طرف دعوت دیتا ہوں اور اسی کی طرف مجھے واپس جانا ہے۔“

نیز فرمایا:

﴿وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝﴾ [القصص: ۸۷]

”اور اپنے ربّ کی طرف دعوت دو اور مشرکوں میں سے نہ ہو۔“

اس کے بعد حرام چیزوں کی حُرمت بتدریج کی گئی، ابتدائی طور پر نہ اس میں کوئی تفصیل تھی اور نہ ہی تمام حالات کے لئے تھی۔

فرمان الٰہی ہے:

﴿قُلْ لَّآ اَجِدُ فِیْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ یَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ یَّكُوْنَ مَیْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِیْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَیْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَیْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ﴾ [الانعام: ۱۴۵]

''کہہ دو! میں تو اس وحی میں جو مجھ پر آئی ہے کسی کھانے والے پر کوئی چیز جس کو وہ کھائے حرام نہیں پاتا۔ سوا اس کے کہ وہ مردار ہو یا بہایا ہوا خون یا سور کا گوشت، کہ یہ چیزیں بے شک ناپاک ہیں، یا فسق کر کے اس کو غیر اللہ کے لئے نامزد کیا گیا ہو۔ پھر بھی جو شخص مجبور ہو جائے نہ چاہنے والا ہو اور نہ حد سے بڑھنے والا آپ کا رب بخشنے والا اور مہربان ہے۔''

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حرام کردہ چیزوں کا ذکر کیا ہے یہ مکی آیت ہے۔ اس دور میں ان چیزوں کے علاوہ کوئی اور چیز حرام نہیں تھی۔ اس کے بعد مدینہ منورہ میں سورت مائدۃ نازل ہوئی تو حرام کردہ چیزوں میں گلا گھٹنے والے جانور، پتھر لگ کر مرنے والے، دو جانوروں کے باہمی تصادم سے مرنے والے جانور، شراب اور دیگر چیزوں کو بھی شامل کر دیا گیا۔ مدینہ منورہ میں رسول اکرم ﷺ نے درندوں اور شکاری پرندوں کو بھی حرام قرار دے دیا۔'' ❶

ھ: ممنوع کام میں اُصولِ تدریج: ..... حرام چیزوں کی حرمت میں بھی یہ اُصولِ تدریج اپنایا جاتا رہا جیسا کہ شراب کی حرمت میں کیا گیا۔ اس کی شہرت محتاجِ بیان نہیں ہے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے کہا: ''اے اللہ! شراب کے متعلق واضح حکم نازل فرما۔'' تو یہ آیت نازل ہوئی:

﴿یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ ۭ قُلْ فِیْهِمَآ اِثْمٌ كَبِیْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۡ﴾ [البقرۃ: ۲۱۹]

❶ تفسیر القرطبی ج: ۷ ص: ۱۱۵۔ مسلم: ۱۹۳۴۔

''وہ آپ سے شراب اور جوئے کے بارے میں پوچھتے ہیں آپ کہہ دیجیے ان دونوں کا بہت زیادہ گناہ ہے اور ان میں لوگوں کے لئے کئی فائدے بھی ہیں۔''

جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے یہ آیت تلاوت کی گئی تو انہوں نے کہا: ''اے اللہ! شراب سے متعلق ایسا واضح حکم نازل فرمایا جائے جس کے بعد مزید وضاحت کی ضرورت نہ پڑے۔ پھر سورت نساء کی یہ آیت نازل ہوئی:

﴿ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَارَىٰ ﴾ [النساء : ٤٣]

''اے مومنو! تم نشے کی حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ۔''

جب نماز کا وقت ہوتا تو رسول اللہ ﷺ کا منادی اعلان کرتا ''کوئی شخص نشے کی حالت میں نماز کے قریب نہ جائے'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بلایا گیا ان کے سامنے یہ آیت تلاوت کی گئی تو فرمانے لگے: ''اے اللہ! شراب کے بارہ میں اس سے بھی واضح حکم نازل فرمایئے اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی:

﴿ ..... فَهَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهُونَ ﴾ [المائدة : ٩١]

''.....تو کیا تم باز آتے ہو'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے: ''ہم باز آ گئے۔'' ❶

چونکہ زنا کی حرمت میں تدریج کو اپنانا عملاً ناممکن تھا اس لئے زنا کو حرام قرار دیا گیا لیکن متعہ سے خاموشی اختیار کی گئی پھر اسے بھی حرام قرار دے دیا گیا۔ اس کے بعد مخصوص حالات میں اسے جائز قرار دے دیا گیا پھر اسے ہمیشہ کے لئے حرام کر دیا گیا۔ ❷.

و: أصولِ تدریج موجود ہے، منسوخ نہیں ہوا: ..... کچھ لوگ کہتے ہیں کہ تدریج کا طریق کار احکام و مسائل کے نازل ہونے اور عبادات کے فرض ہونے سے پہلے تھا اب جبکہ یہ کام ہو چکا ہے تو تدریج باقی نہیں رہی۔

اس کے کئی جواب دیئے گئے ہیں:

---

❶ أبو داؤد: ٣٦٧٠۔

❷ صحیح مسلم: ١٤٠٦۔

(۱)..... تدریج ایک طریق دعوت ہے اسے مرحلہ وار اختیار کیا جاتا ہے یہ حلال وحرام کے مسائل کی طرح قابل نسخ نہیں ہے۔

(۲)..... جس شخص کے لیے تدریج کی ضرورت ہے اس کے حق میں اس کے منسوخ ہونے کی کوئی دلیل نہیں ہے، شریعت کے کامل ہونے کا دعویٰ بعض حالات اور بعض افراد کے ساتھ طریقہ تدریج اپنائے جانے سے متصادم نہیں ہے۔ بلکہ یہ کہنا بالکل بجا ہے کہ "شریعت کی تکمیل اور اس کا حسن وجمال طریقہ تدریج کی بقاء میں مضمر ہے" تاکہ دین اسلام لوگوں کے تمام حالات پر منطبق ہو سکے۔ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ طریقہ تدریج منسوخ ہو چکا ہے تو اُن مسلم اقوام سے کیسے برتاؤ کیا جائے گا جو دین سے بالکل ناواقفیت کی بنا پر مختلف آزمائشوں کا شکار ہو گئے۔ کیا آپ چاہتے ہیں کہ ہم ایک دم ان پر اسلام نافذ کر دیں اور وہ متنفر ہو جائیں۔

(۳)..... طریقہ تدریج کسی خاص وجہ کی بنا پر اپنایا جاتا ہے جب تک وہ وجہ موجود ہوتی ہے یہ طریقہ موجود رہتا ہے اور جب وہ ختم ہو جاتی ہے تو یہ ختم ہو جاتا ہے اور وہ ہے "دہریت زدہ معاشروں کو اسلام کی دعوت دینا یا نومسلم افراد کا پایا جانا" جب تک اس قسم کے لوگ موجود رہیں گے، اور یہ قیامت تک رہیں گے، اس وقت تک طریقہ تدریج بھی باقی رہے گا۔ لہٰذا مسائل شریعت کے طے ہو جانے کے بعد بھی ان لوگوں کے حق میں طریقہ تدریج جاری وساری رہے گا۔ فرض کریں ایک آدمی مسلمان ہونا چاہتا ہے اور وہ شراب ترک کرنے کو مشکل سمجھے تو اس جرم کے باوجود اس کے اسلام لانے میں کوئی حرج نہیں، یا وہ حج کرنا مشکل سمجھے تو اسے پہلے اسلام لانے کو کہا جائے گا اس کے بعد جو ہوگا سو ہوگا یا کوئی خاتون اس شرط پر اسلام لانا چاہے کہ وہ پردہ نہیں کرے گی تو اسے کہا جائے گا کہ بے پردہ رہتے ہوئے ہی اسلام قبول کر لو۔

اس بات سے اس غلطی کا اندازہ لگا لیں کہ ایک عورت نے اسلام قبول کرنے کی خواہش ظاہر کی تو کسی نے اسے کہا کہ اسلام میں مرد کے لئے ایک سے زائد شادیاں کرنا جائز ہے یہ سن کر وہ اسلام سے دور ہو گئی۔

مختصر یہ کہ کفر کے علاوہ لوگ جس حال پر بھی ہوں اسلام کا دروازہ ان کے لئے کھلا رکھا جائے انہیں آہستہ آہستہ ایک ایک کر کے دین کے مسائل و احکام اپنانے کو کہا جائے تا کہ وہ ثابت قدم رہیں۔

(۴)..... رسول اللہ ﷺ نے بذات خود احکام و مسائل کے نازل ہونے کے بعد بھی کچھ حالات میں اُصولِ تدریج اختیار کیا۔ اس کی تفصیل ذیل میں آ رہی ہے۔

ز: مخصوص حالات میں تدریج:..... اس عنوان کی وضاحت کچھ اس طرح ہے کہ طریقہ تدریج کچھ قوموں اور کچھ افراد کے ساتھ اختیار کیا جاتا ہے اور کچھ کے ساتھ نہیں، یا بالفاظ دیگر یہ مخصوص حالات میں اپنایا جاتا ہے مثلاً: جو مسلمان لادین اور سیکولر حکومت میں رہتے ہوں یا وہ دین اسلام سے بالکل ناواقف ہوں اور ان میں شرک و بدعت سرایت کر گئے ہوں اور حرام کردہ امور عام ہو چکے ہوں، اس قسم کے معاشرے تاریخ میں کبھی ختم نہیں ہوتے۔ ہمارے اس دور میں بھی ایسے مسلم معاشرے موجود ہیں، جو ارکانِ اسلام تک نہیں جانتے انہیں بجالانا اور ان کا مسائل سے آگاہ ہونا تو بہت دور کی بات ہے۔ اس قسم کے لوگوں کو یہ کہہ کر کہ وہ مسلمان ہیں یا شریعت مکمل ہو چکی ہے، پورے اسلام کی دعوت نہیں دی جائے گی۔ ان کے لئے اُصولِ تدریج استعمال کرنا ضروری ہے۔ پہلے توحید ہے پھر عبادات ہیں وہ بھی ایک کے بعد دوسری، حرام کاموں سے ممانعت کی ابتداء بھی بڑی حرام چیز سے کی جائے۔ پھر اس سے کم کی طرف آیا جائے، جیسے لوگوں کے حالات کا تقاضا ہو۔ جو شخص اسلام قبول کرنا چاہے اس کے سامنے ساری عبادات اور سارے ممنوع کام ایک دم نہیں رکھ دیئے جائیں گے۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو جب رسول اللہ ﷺ نے یمن کی طرف گورنر بنا کر بھیجا تھا تو انہیں اصولِ تدریج اپنانے کو کہا تھا حالانکہ مسائل واحکام اپنی جگہ مستحکم ہو چکے تھے۔

مدعوّین کے حالات کی رعایت کرنے کی بہترین دلیل دورِ نبوت کے یہ دو واقعے ہیں۔

(۱)..... وہب کا بیان ہے کہ میں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ ثقیف قبیلہ کے

لوگوں نے کس طرح بیعت کی تھی انہوں نے بتایا کہ ان لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس شرط پر بیعت کی تھی کہ وہ زکاۃ بھی نہیں دیں گے اور جہاد بھی نہیں کریں گے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس (بیعت) کے بعد میں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: یہ لوگ اسلام لے آئے تو جلد ہی زکاۃ بھی دینے لگیں گے اور جہاد بھی کریں گے۔ ❶

(۲)......نصر بن عاصم نے ایک آدمی کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور اس شرط پر اسلام لایا کہ وہ صرف دو نمازیں پڑھے گا آپ نے اس کی شرط قبول کر لی۔ ❷

(۳)......متبنّٰی بنانے کی حرمت سے پہلے ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ نے سالم کو متبنّٰی بنایا ہوا تھا۔ جب پردے کی آیت نازل ہوئی تو ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کے لئے اپنی بیوی کے پاس جانا مشکل ہو گیا جبکہ اسے چھوڑنا بھی مشکل تھا یہ دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے انہیں دودھ پلانے کو کہہ دیا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ سہلہ بنت سہیل رضی اللہ عنہا نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ اس نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! میں سالم کی اندرونِ خانہ آمد کے وقت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کے چہرے پر ناراضگی محسوس کرتی ہوں جب کہ وہ اس کا حلیف بھی ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''تم اسے اپنا دودھ پلا دو اس نے کہا: ''وہ تو بڑا ہو چکا ہے۔'' یہ سن کر نبی اکرم ﷺ مسکرائے اور فرمانے لگے: ''مجھے معلوم ہے کہ وہ بڑا ہو چکا ہے۔'' ❸

یہ دونوں احادیث اس بات کی دلیل ہیں کہ اسلام میں داخل ہونے والے کے لئے تدریج کا حکم موجود ہے اور یہ دینی مسائل کے استحکام کے بعد بھی باقی ہے کیونکہ اس کا تعلق اسلام کے اُصولوں کے ساتھ نہیں ہے۔ اس کا تعلق آدمی کی ذات، اس کے حالات، ایمانی قوت اور جذبہ قبولیت کے ساتھ ہے۔ آج اگر کسی غیر مسلم گھر میں کوئی متبنّٰی ہے اور وہ لوگ

---

❶ مسند أحمد ج: ۲ ص: ۳۴۱۔

❷ أحمد ج ۵ ص ۲۴، ۲۵، ۳۶۳۔ ابن أبی عاصم فی الآحاد والمثانی ۹۴۱۔

❸ مسلم: ۱۴۵۳۔

اسلام لانا چاہیں اور ان کے لئے اسے الگ کرنا مشکل ہو تو انہیں یہ اجازت دے دی جائے کہ وہ اسے عمل رضاعت سے گزاریں اور اپنے پاس رکھیں۔

بالفرض اگر کوئی شخص کہے کہ میں اسلام قبول کرتا ہوں لیکن کچھ عبادات کروں گا اور کچھ نہیں کروں گا اور سارے یا کچھ ناجائز کاموں سے باز نہیں رہوں گا تو اسے کہا جائے گا اسلام لے آؤ۔ ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے بعد دوسری صورتِ حال پیدا فرما دے۔

ح: مکی حالات منسوخ نہیں ہوئے:..... سارے معاشرے احوال وظروف کے لحاظ سے یکساں نہیں ہوتے کوئی مکی معاشرہ ہے تو کوئی دعوتی، کوئی حبشی معاشرہ ہے تو کوئی حجازی، کوئی اسلامی معاشرہ ہے تو کوئی اور، اس قسم کے ہر معاشرے کے اپنے حالات، شرعی احکام اور خصوصی طریقہ ہائے کار ہیں۔ ان معاشروں کے حالات کی مناسبت سے اصولِ تدریج کے طریقۂ کار کی حکمت اور بھی پختہ ہو جاتی ہے۔ بالخصوص مکی معاشرہ میں اس کی اہمیت زیادہ ہے۔

مکی حالات سے مراد یہ ہے کہ کچھ مسلمان بے چارگی کے عالم میں دار الحرب میں رہتے ہوں تو ان کے لئے دعوت دینا مشکل ہو وہ اسلامی شعائر کے اظہار کی طاقت نہ رکھیں اور نہ ہی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فرض سرانجام دے سکیں جبکہ جہاد اور نفاذِ حدود تو بہت دور کی بات ہے۔ اگر کہیں مسلمانوں کی یہ صورتِ حال ہو تو ان کے لئے رسول اللہ کی مکی زندگی کو اپنانا جائز ہوگا۔ وہ اپنی استطاعت کے مطابق عبادتیں بجا لائیں گے اور استطاعت ہی کے مطابق حرام چیزوں سے بچیں گے۔

ان کے لئے ضروری ہوگا کہ وہ اچھے انداز سے مخالف کو جواب دیں۔ صبر وتحمل سے کام لیں، تکلیف دینے والوں کو معاف کریں اور ان پر ہاتھ نہ اٹھائیں، تشدد اور قتل وغارت کے ذریعے انہیں جواب دینا حرام ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيلَ﴾ [الحجر ۸۵]

"تو ان سے خوبصورتی کے ساتھ درگزر کرو۔"

نیز فرمایا:

﴿ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ قِيلَ لَهُمْ كُفُّوا أَيْدِيَكُمْ ﴾ [النساء: ٧٧]

''تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن سے کہا جاتا تھا کہ اپنے ہاتھ روکے رکھو۔''

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''جو مسلمان کسی ایسے علاقے میں رہتا ہو جہاں وہ کمزور ہو یا وہ ایسا وقت گزار رہا ہو جس میں وہ کمزور ہو اسے ایسے لوگوں کے ساتھ صبر وتحمل اور عفو ودرگزر سے کام لینا چاہیے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو اذیت پہنچاتے ہوں۔ وہ اہلِ کتاب ہوں یا مشرک ہوں۔ اس کے برعکس جو مسلمان طاقتور ہوں وہ اس آیت پر عمل کریں جس میں کفر کے سرغنوں اور دین کا نشانہ بنانے والوں سے قتال کرنے کا حکم ہے۔ اور وہ آیت یہ ہے:

﴿ قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَلَا يَدِينُونَ دِينَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَتَّىٰ يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَن يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ ﴾ [التوبة: ٢٩]

''ان اہلِ کتاب سے جو نہ اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے نہ اللہ اور اس کے رسول کے حرام ٹھہرائے ہوئے کو حرام ٹھہراتے ہیں اور نہ دینِ حق کی پیروی کرتے ہیں ان سے جنگ کرو یہاں تک کہ وہ مغلوب ہو کر جزیہ ادا کریں اور ماتحت بن کر زندگی بسر کرنے پر راضی ہوں۔''

ط: تدریج کی حکمت:..... ہم جانتے ہیں کہ انسانی مزاج پابندیوں کو بوجھ سمجھتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ﴾ [البقرة: ٢١٦]

''تم پر (کفار سے) جنگ فرض کی گئی اور وہ تمہارے لئے ایک ناگوار شے ہے۔''

آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے:

((حُفَّتِ الْجَنَّةُ بِالْمَكَارِهِ......)) ❶

"جنت کو مشکل کاموں کے ذریعے ڈھانپ دیا گیا ہے۔"

انسانی مزاج کے لئے اُن لذتوں، پسندیدہ چیزوں اور دوستوں کو چھوڑنا مشکل لگتا ہے جن کا وہ عادی ہو چکا ہو۔ آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے" دوزخ کو پسندیدہ چیزوں سے ڈھانپ دیا گیا ہے۔" ❷

جب کسی شخص کو ایک سے دوسری حالت میں اور آیت سے دوسرے حکم میں منتقل کر دیا جاتا ہے تو اس میں جذبۂ قبولیت بڑھ جاتا ہے اور اسے برے کاموں کو چھوڑنا اور نیک کاموں کو اپنانا آسان ہو جاتا ہے۔

ایک دوسری بات یہ ہے کہ مسلمان جب کوئی نیک کام کرے یا اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کسی ناجائز کام کو چھوڑے تو اس کا ایمان بڑھ جاتا ہے اور اس کا دل ایک اور نیکی کرنے یا ایک اور برا کام ترک کرنے کے جذبہ سے سرشار ہو جاتا ہے۔ کیونکہ ایمان نیک کام کرنا نہ صرف آسان بناتا ہے بلکہ اس کا شوق دلاتا اور ناجائز کاموں کو ناپسندیدہ بناتا ہے اور ان سے نفرت دلاتا ہے۔

اہلِ طائف اور دیگر لوگوں سے نبی کریم ﷺ نے تدریجی اُسلوب اسی لئے اختیار کیا تھا کہ وہ لوگ اسلام کو تو پسند کرتے تھے لیکن ان میں کچھ افراد پانچ نمازوں اور دوسرے کئی کاموں کو مشکل سمجھتے تھے۔ کیونکہ ان کے ایمان کمزور تھے اور جاہلیت سے نئے نئے آئے تھے۔ جاہلیت بھی وہ جس میں ذاتی خواہشات کے علاوہ کوئی پابندی نہ تھی۔ اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے ان کی شرط کے مطابق اسلام لانے کو قبول کر لیا تا کہ کچھ عبادت کرتے اور مسلمانوں کے ساتھ رہنے کے ذریعے، قرآنِ مجید سن کر اور تعلیمی محفلوں میں بیٹھ کر ان کے دلوں میں ایمان مضبوط ہو جائے کیونکہ اس سے ان کے ایمان نے بڑھنا تھا اور ان کی جہالت نے ختم ہونا تھا، یہی چیز تھی جس کے ذریعے ان کی خود بخود اصلاح ہونا تھی۔ یہی بات نبی

❶ مسلم: ۲۸۲۲۔ ❷ مسلم: ۲۸۲۲۔

کریم ﷺ نے یہ کہہ کر بتلائی تھی کہ اگر وہ اسلام لے آئے تو وہ جلد ہی زکاۃ دینے لگیں گے اور جہاد بھی کریں گے اور پھر ایسے ہی ہوا۔

ی: اُصول تدریج اپنانے سے کوئی حرام حلال نہیں ہو جاتا اور نہ ہی کوئی فرض ساقط ہوتا ہے:..... طرزِ دعوت میں تدریج کا یہ مطلب نہیں کہ فرائض وواجبات کو ختم کر دیا جائے اور ناجائز کام کو جائز قرار دے دیا جائے۔ جو کام فرض ہے وہ قیامت تک کے لیے فرض ہے اور جو ناجائز ہے وہ قیامت تک ناجائز ہے۔

سوال یہ ہے کہ پھر ناجائز کام دیکھ کر تردید نہ کرنے کا کیا مطلب ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے عارضی طور پر سکوت اختیار کیا جاتا ہے کیونکہ اس وقت اس سے نیکی کا کوئی بڑا کام کیا جا رہا ہوتا ہے یا اس کی تردید کے لئے راہ ہموار کی جا رہی ہوتی ہے وگرنہ یہ کیسے ممکن ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایسے کام سے خاموش رہیں جسے بدلنا فرض ہو جیسا کہ سابقہ مثالوں سے ظاہر ہے۔

متذکرہ بالا گفتگو سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ یہ ایک دعوتی منہج ہے اور داعی کے ساتھ خاص ہے۔

اس کا مقصد یہ ہے کہ مدعوین کو ایک سے دوسری حالت میں منتقل کیا جائے۔ یہ مقصد نہیں کہ ان کے لئے ناجائز کام کو جائز کیا جائے یا اللہ تعالیٰ کے فرض کردہ کام کو ساقط کرایا جائے۔ دو مثالوں سے یہ بات کھل کر سامنے آئے گی۔

(۱)..... ایک مسلمان مسلم معاشرے اور اہلِ علم میں رہتا ہو وہ توحید، شرک اور حلال وحرام کو پہچانتا ہو تو ایسے شخص کا اُصولِ تدریج سے کوئی تعلق نہیں۔

(۲)..... ایک صورت یہ ہے کہ کوئی شخص اسلام قبول کرنا چاہے یا نیا نیا جاہلیت سے آیا ہو۔ نہ وہ توحید کو جانتا ہو نہ شرک کو نہ اسے حلال کا پتہ ہو نہ حرام کا۔ ایسے شخص کے لئے اُصولِ تدریج مقرر کیا گیا ہے اس کا اتنا محاسبہ ہونا چاہیے جتنا اسے علم ہے اور جتنی اس پر حجت قائم کی گئی ہے۔

اسی سے ملتی جلتی صورت یہ ہے کہ ایک شخص لاعلمی میں غرق ہو، گناہوں میں ڈوبا ہوا ہو تو اسے نیکی کی طرف درجہ بدرجہ بلایا جائے اور گمراہی سے آہستہ آہستہ بچایا جائے۔ گویا آہستگی ایک دعوتی منہج ہے یہ کوئی فقہی مذہب نہیں جو فتویٰ لگائے۔ یا کسی چیز کو حلال و حرام قرار دے۔ جو شخص حرام کو جانتا ہوا سے اپنائے رکھے وہ گناہ گار ہوگا اسی طرح جو شخص فرض کو جانتے ہوئے ترک کرتا ہے وہ نافرمان ہے خواہ اس کے ساتھ اُصولِ تدریج اپنایا جائے یا نہ اپنایا جائے۔

خلاصۂ مضمون:

دعوتِ دین میں اُصولِ تدریج بدستور باقی ہے یہ منسوخ نہیں ہوا۔ اس پر حسبِ حال عمل کیا جاتا ہے اور اس میں بہت بڑی حکمت ہے۔ ایک داعی کے منہج سے اس اُصول کے فقدان میں نہ صرف اللہ تعالیٰ کے تکوینی اُصولوں کی مخالفت ہے بلکہ یہ شرعی اُصولوں کے بھی خلاف ہے۔ اس میں اَمرِ واقعی کے ساتھ ایسا ٹکراؤ ہے جس کا نتیجہ ناکامی اور نفرت کے علاوہ کچھ نہیں۔ اسے چھوڑ کر داعی ناکام ہوتا ہے اور مدعوین متنفر ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں راہِ راست اپنانے کی توفیق دے۔ آمین

(۸) شخصیات اور جماعتوں کی بجائے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف دعوت دی جائے:

اس میں چار عنوانات ہیں:

الف: متذکرہ بالا اُصول کی وضاحت اور اس کے دلائل:..... دعوتِ دین سے مراد ہے اللہ تعالیٰ اکیلے کی طرف دعوت، اس کے دین کی دعوت، رسول اللہ ﷺ کی پیروی کی دعوت۔

دعوتِ دین کا مقام رسول اللہ ﷺ سے ہٹ کر کسی خاص گروہ یا جماعت یا شخصیت یا بزرگ کی طرف دعوت سے کہیں بلند و برتر ہے خواہ وہ کتنے ہی عظیم کیوں نہ ہوں۔ کسی مذہب یا کسی ایسے طریقے کی دعوت دینا جسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور سلف صالحین نے اختیار نہیں کیا اس کی بھی یہی حیثیت ہے۔

اسلامی دعوت کا مقام اس چیز سے کہیں بالاتر ہے کہ اسے عقیدے، فقہ، علمی اجتہاد، جزوی مسائل کے اختلاف میں الجھا کر رکھ دیا جائے بشرطیکہ وہ ایسا مسئلہ نہ ہو جو اسلام اور کفر کے درمیان حدِ فاصل بن رہا ہو۔

اسلامی دعوت کا مطلب ہے دین کے مبادیات اور قواعد و کلیات کی دعوت۔ یہ شخصی یا گروہی دعوت نہیں یہ تو اللہ وحدہ لاشریک کی دعوت ہے۔ اس کے دین کو اپنانے اور اس کے رسول کی اتباع کی دعوت ہے۔

باری تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿لَهُ دَعْوَةُ الْحَقِّ﴾ [الرعد: ١٤]

"لہٰذا اس سے ہٹ کر کسی کی دعوت نہ دی جائے خواہ وہ کوئی بھی ہو۔"

فرمان رب العزت ہے:

﴿أُدْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ .....﴾

"اپنے رب کے راستے کی طرف بلائیں"

زید یا بکر کے راستے کی طرف نہیں خواہ وہ مسلمان ہوں یا کافر ہوں۔

نیز فرمایا:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ [الاحزاب: ٢١]

"اور تمہارے لئے اللہ کے رسول کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے۔"

لہٰذا ہمارے لئے رسول اللہ ﷺ کے علاوہ کسی اور کو واجب الاتباع نمونہ قرار دینا، اسے اسوۂ حسنہ سمجھنا اور اس کی طرف لوگوں کو دعوت دینا جائز نہیں ہے۔

فرمان الٰہی ہے:

﴿وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّى وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا﴾

[النساء: ١١٥]

''اور جو شخص راہِ ہدایت واضح ہو جانے کے بعد رسول کی مخالفت کرے گا اور مسلمانوں کے راستے کے سوا کسی اور راستے کی پیروی کرے گا ہم اس کو اسی راہ پر ڈالیں گے جس پر وہ چل نکلا اور اس کو جہنم میں داخل کریں گے اور وہ برا ٹھکانہ ہے۔''

اس لئے مسلمانوں کا منہج اور طریقِ کار وہی ہے جو اہلِ ایمان کا نزولِ قرآن کے وقت تھا۔ اس آیت میں اہلِ ایمان سے مراد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں اس کے بعد وہ لوگ ہیں جنہوں نے ان کے طریقِ کار کو اپنایا۔ جو شخص کتاب اللہ، سنت رسول اللہ ﷺ اور منہجِ صحابہ کو چھوڑ کر کسی اور چیز کی دعوت دے گا۔ اس کی دعوت گمراہی اور قابلِ تردید ہوگی۔ اس کی دعوت قابلِ انکار اور مختلف راستوں کی دعوت ہے۔

خالقِ کائنات کا فرمان ہے:

﴿ وَ اَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَ لَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِیْلِهٖ ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ۝ ﴾ [الأنعام: ١٥٣]

''اور یہی میرا سیدھا راستہ ہے اس کی پیروی کرو اور دوسری پگڈنڈیوں پر نہ چلو کہ وہ تمہیں اس کی راہ سے الگ کر دیں گی۔ یہ ایسی باتیں ہیں جنہیں اپنانے کی اس نے تلقین کی ہے۔ تاکہ تم اس کے غضب سے بچو۔''

جناب مصطفیٰ ﷺ نے اس آیت کی بہت عمدہ تفسیر فرمائی ہے۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے ''کہ رسول اللہ نے ایک لکیر کھینچی اور فرمایا یہ اللہ کا راستہ ہے، پھر اس کے دائیں بائیں کئی لکیریں کھینچ کر فرمایا یہ دوسرے راستے ہیں جو بکھرے ہوئے ہیں، ان میں ہر ایک پر ایک شیطان بیٹھا ہے جو اس کی (طرف) بلاتا ہے۔'' [1]

اس کے بعد آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

[1] مسند احمد ج: ١ص: ٤٣٥ ـ النسائی فی الکبری ١١١٧٤ الحاکم ج: ٢ص: ٣١٨، ٢٣٩۔

﴿وَ اَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَ لَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ﴾ [الأنعام : ۱۵۳]

''اور یہی میرا سیدھا راستہ ہے، اس کی پیروی کرو اور دوسری پگڈنڈیوں پر نہ چلو کہ وہ تمہیں اس کی راہ سے الگ کر دیں گی۔''

باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿مُنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ وَ اتَّقُوْهُ وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ لَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَ كَانُوْا شِيَعًا ؕ كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ۝﴾

[الروم : ۳۱۔ ۳۲]

''اسی کی طرف متوجہ ہو کر اور اسی سے ڈرو اور نماز کا اہتمام رکھو اور تم لوگ مشرکین میں سے نہ ہو۔ ان مشرکین میں سے جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا اور گروہ گروہ بن گئے ہر پارٹی بس اسی پر مگن ہے جو اس کے اپنے پاس ہے۔''

متذکرہ بالا اُصول کی مخالفت سے پیدا شدہ غلطیاں:

قرآنِ مجید کے الفاظ اس قدر واضح ہونے کے باوجود کچھ داعی حضرات دعوت کا غلط تصور رکھتے ہیں۔ کسی کی فکر میں غلطی ہے تو کسی کا انداز غلط ہے۔ دعوتی غلطیوں کو مختصراً درج کیا جاتا ہے۔

پہلی غلطی: کسی معین یا غیر معین فرقے کی دعوت۔

بہت سے مبلغین لوگوں کو یا تو نوزائیدہ گروہ کی طرف بلاتے ہیں یا کسی بدعت یا خاص جمعیت یا کسی تنگ مذہب کی دعوت دیتے ہیں۔ ایسے لوگ اگرچہ اسلام کے سائے میں رہتے ہیں اور بالعموم اسی کی دعوت دیتے ہیں تاہم وہ اس چیز سے غافل ہیں یا جان بوجھ کر غفلت اختیار کئے ہوئے ہیں کہ گروہی دعوت کا لازمی نتیجہ اسلام کی جامعیت کو محدود کرنا اور اس کی وسعت کو تنگ کرنے والی بات ہے۔ گروہی دعوت کسی صورت بھی جائز نہیں ہے۔

اگر کسی جماعت یا مسلک کی دعوت ضروری ہے تو اس کی سب سے زیادہ مستحق اور افضل ترین مسلک اور جماعت وہ ہے جن کی موجودگی میں قرآنِ مجید نازل ہوا۔

انہوں نے اس کی تعلیمات و ہدایات کو سمجھا اور دین کا فہم اس وقت حاصل کیا جب یہ صاف اور ترو تازہ تھا۔ اس کے اولین سرچشمہ فیض سے حاصل کیا جس کے مطابق اللہ کے رسول ﷺ نے ان کی تعلیم و تربیت کی اور وہ اللہ رب العزت کے ہاں نیک لوگوں میں سرفہرست شمار ہوئے بلکہ قرآنِ مجید میں انتہائی واضح اور ٹھوس انداز میں ان کی پارسائی کا تذکرہ کیا۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَأَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوَىٰ وَكَانُوا أَحَقَّ بِهَا وَأَهْلَهَا﴾ [الفتح: ٢٦]

"اور انہیں تقویٰ کی بات کا پابند رکھا اور یہ اس کے زیادہ مستحق اور اہل تھے۔"

یعنی اللہ رب العزت نے کلمۂ توحید "لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰه" کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی کا لازمی حصہ بنا دیا تھا، وہ اسے حاصل کرنے والوں میں سب سے زیادہ مخلص اور سب سے زیادہ اہل تھے۔ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کا راستہ اختیار کرنے والوں ہی کے بارہ میں ارشاد فرمایا ہے:

﴿كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾ [آل عمران: ١١٠]

"تم بہترین امت ہو جنہیں لوگوں کی راہنمائی کے لئے مبعوث کیا گیا ہے۔"

اس بات کے اولین مصداق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں لہٰذا انہی کے طریقے کی دعوت دی جائے، ان کے علاوہ کسی دوسرے کی قطعاً دعوت نہ دی جائے۔ ہر وہ دعوت جس کا رُخ کسی خاص طریقے، خاص گروہ یا صحابہ کے علاوہ کسی خاص جماعت کی طرف ہو وہ مختلف راستوں کی دعوت ہے اور امت کو فرقہ واریت کی دعوت ہے۔

دوسری غلطی: کسی بزرگ یا لیڈر کی طرف دعوت دینا:

علماء کا احترام اور بزرگوں کی تعظیم دینی فرائض میں شامل ہے، لیکن سارے دین کو کسی

ایک شخصیت میں محدود کر دینا، اسی کی طرف لوگوں کو بلانا یا اس کے مبادیات، مسائل اور تحقیقات کو ایک معصوم کی طرح پیش کرنا، مذہبی گروہ بندی اور صراط مستقیم سے انحراف ہے۔

فرمانِ ربّ العزت ہے:

﴿ اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ﴾ [الأعراف : ۳]

"جو چیز تمہاری طرف تمہارے ربّ کی طرف سے اتاری گئی ہے اس کی پیروی کرو۔"

ایک عالم کی برتری، اس کی بہتر قیادت، اس کی جانثاری، اس کی پارسائی اور اس کا علم اپنی جگہ ہے لیکن اس کی اتباع کو فرض قرار دینا اس کے اور اس کے پیروکاروں کے اِردگرد جھوم جھوم جانا ایک دوسری بات ہے۔

ربّ العالمین کا فرمان ہے:

﴿ شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَ مَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَ مُوْسٰى وَ عِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَ لَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ۭ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ ۭ اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ وَ يَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ ﴾ [الشوری : ۱۳]

"اس نے تمہارے لئے وہی دین مقرر کیا ہے جس کی ہدایت اس نے نوح کو فرمائی اور جس کی وحی ہم نے تمہاری طرف کی اور جس کا حکم ہم نے ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا کہ اس دین کو قائم رکھو اور اس میں تفرقہ پیدا نہ کرو۔ مشرکین پر وہ چیز شاق گزر رہی ہے جس کی طرف تم انہیں دعوت دے رہے ہو۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اپنی طرف آنے کے لئے چن لیتا ہے اور وہ اپنی طرف راہنمائی انہیں کرتا ہے جو اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔"

پیغمبر کے طریقے کے علاوہ کسی بھی شخص کا طریقہ اختیار کرنے کو نہ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے اور نہ رسول اللہ ﷺ نے۔

باری تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ﴾ [الأنعام: ۹۰]

''آپ انہی کے طریقے کو اختیار کریں۔''

نیز فرمایا:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ [الأحزاب: ۲۱]

''اور تمہارے لئے اللہ کے رسول ﷺ کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے۔''

اللہ کے رسول ﷺ کے علاوہ ہر انسان نامعصوم ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ کے علاوہ کوئی بھی رول ماڈل نہیں بلکہ آپ دیکھیں رسول اللہ ﷺ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اس وقت ڈانٹ دیا جب ان کا ایک یہودی کے ساتھ اللہ کے رسول ﷺ کو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے افضل قرار دینے میں اختلاف ہوا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((لا تُفَضِّلُونِي عَلَى مُوسَى، لا تُخَيِّرُونِي.))

''مجھے موسیٰ علیہ السلام سے افضل نہ کہو'' دوسری روایت میں ہے ''مجھے برتر نہ بناؤ۔'' ❶

اس سرزنش کا راز یہ ہے کہ کہیں ہمارے اور یہودیوں کے درمیان شخصیات کا تفاضل وجۂ اختلاف نہ بن جائے۔ یہاں ایک اور دلیل دینا زیادہ موزوں ہوگا۔

غزوۂ اُحد کے دوران جب ابوسفیان نے رک کر پوچھا لوگو! کیا تم میں محمد موجود ہے، کیا ابوبکر صحیح سالم ہے؟ کیا عمر باقی ہے؟ اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اسے جواب نہ دو، پھر جب ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے کہا ''ھبل کی جے'' تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''تم اسے جواب کیوں نہیں دیتے؟'' ❷

ملاحظہ کیجئے! جب ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے زوردار آواز سے پوچھا ''کیا تم میں محمد موجود ہے؟ ابوبکر باقی ہے؟ کیا عمر صحیح سالم ہے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے اس کا جواب دینے سے منع فرمادیا۔

❶ بخاري: ۲٤۱۱۔ مسلم: ۲۳۷۳۔ احمد ج۲ ص ۲٦٤۔ ابو داؤد ٤٦٧۱۔

❷ بخاري: ۳۰۳۹۔

اس میں راز یہ تھا کہ شخصیات سے متعلق جواب دینے سے آپ ﷺ نے خود منع فرما دیا تھا کیونکہ اسلام کی بقاء شخصیات کی بقاء کے ساتھ نہیں ہے یہ شخصیات موجود ہوں یا نہ ہوں اسلام تو زندہ اور قائم ہے۔ جب ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے عقیدے کی بنیاد توحید کی طرف رُخ کرتے ہوئے ھبل کی جے کہا تو آپ نے اس کا جواب "اَللّٰهُ أَعْلٰى وَأَجَلُّ" کہہ کر دینے کا حکم دیا۔

حضرت محمد ﷺ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بڑھ کر کونسی شخصیات ہیں جن کی طرف لوگوں کو بلایا جائے؟ ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما سے بڑھ کر کون لوگ ہیں جنہیں امت کے لئے بطور پیشوا پیش کیا جائے؟

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "نبی مکرم ﷺ کے علاوہ کسی بھی شخص کو اُمت کے سامنے پیش کر کے اس کے طریقے کو اپنانے کی دعوت دینا، اس کی خاطر دوستی یا دشمنی کرنا جائز نہیں ہے اور نہ ہی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی بات اور اجماع اُمت کے علاوہ کسی دوسرے شخص کی بات کی خاطر دوستی یا دشمنی ہونی چاہیے۔ یہ تو اہل بدعت کا شیوہ ہے کہ وہ کسی شخص یا کسی بات کی خاطر اُمت میں فرقہ واریت پھیلاتے ہیں اور اس کی وجہ سے دوستی یا دشمنی کرنے لگتے ہیں۔ ❶

ان سے پہلے ائمہ کرام رحمہم اللہ نے بھی ایسے ہی فرمایا ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "جب تک کسی شخص کو معلوم نہ ہو کہ ہم نے کہاں سے مسئلہ اخذ کیا ہے اسے ہم سے مسئلہ لینے کا حق نہیں ہے۔" ❷

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا ہے: "نبی کریم ﷺ کے علاوہ ہر شخص کی بات لی بھی جا سکتی ہے اور مسترد بھی کی جا سکتی ہے۔" ❸

---

❶ مجموع الفتاوی ج ۲۰ ص ١٦٤۔

❷ ابن عبد البر فی الانتقاء ص:١٤٥۔ ابن عابدین فی حاشیۃ علی البحر الرائق ج:٦ ص: ٢٩٣۔

❸ ابن عبد البر فی الجامع ج:٢ ص:٩١۔

امام شافعی رحمہ اللہ کے تو اس موضوع سے متعلق بہت سے اقوال ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ "سنت نبوی کی اتباع کرو کسی دوسرے کی بات کی طرف نہ جھانکو۔" ❶

امام احمد رحمہ اللہ سے ان کے دور میں جب کسی عالم کی تقلید کے بارہ میں مشورہ لیا گیا تو انہوں نے فرمایا "تم میری تقلید نہ کرنا، مالک، شافعی، اوزاعی اور ثوری کی تقلید نہ کرنا بلکہ جہاں سے انہوں نے حاصل کیا ہے وہاں سے حاصل کرو۔" ❷

شخصیات کی دعوت دینا:

جب سے امتِ مسلمہ میں شخصیات کی طرف دعوت دینے کا رُجحان پیدا ہوا ہے دین میں فرقہ بندی آ گئی ہے اور مسلمانوں میں تنازعات شروع ہو گئے ہیں۔ شخصیات کی طرف بلانے میں فرقہ بندی کے علاوہ بھی بہت سی خرابیاں ہیں جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔ یہی نقصان کم نہیں کہ اس طرح دین ایک نامکمل اور نامعصوم شخصیت میں محدود ہو کر ضائع ہوتا ہے۔ اُمت میں فرقہ بندی اور مسلمانوں میں گروہ بازی اور باہمی فتنے اس کے علاوہ ہیں۔ اس کی بڑی دلیل امر واقعی ہے ہر گروہ اپنے اساتذہ کو لے اٹھا ہے۔ ہر فرقہ اپنے لیڈر کی طرف دعوت دیتا ہے۔ إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ

اس سے بھی بری صورتِ حال ان لوگوں کی ہے جو شخصی اختلافات کو دوستی اور دشمنی کا معیار بنا لیتے ہیں اور اسی چیز کو سارا دین سمجھ لیتے ہیں۔ جب کہ یہ مسلمانوں پر فرض کردہ باہمی محبت کے بالکل منافی ہے۔

تیسری غلطی: کارِ دعوت کو کسی ایک کام میں محدود کر دینا:

دینِ اسلام عقیدہ، احکام ومسائل، عبادات، معاملات اور اخلاقیات سب سے مرکب ہے، یہ کسی ایک چیز کا نام نہیں ہے۔ دعوت بھی کسی ایک حصے کی بجائے پورے دین کی ہوتی

❶ الهروي في ذم الكلام ج:۳ ص:۴۷۔ ابن عساكر ج:۱۵ ص:۹۔ النووي في المجموع ج:۱ ص:۶۳۔

❷ أبو داؤد في مسائل الامام أحمد ص:۲۷۶۔

چاہیے۔ اس کی وضاحت تدریجی عمل اور ترجیحات کے عنوان میں بیان ہو چکی ہے۔ یہاں اس بات کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے کہ کچھ مبلغ دین کے کسی ایک حصے کو اتنی اہمیت دیتے ہیں کہ وہ شب و روز اور چوبیں گھنٹے اسی کو اپنی تبلیغ کا محور بنا لیتے ہیں۔ اسی کے لئے دور دراز کے سفر کرتے ہیں نہ وہ کسی دوسرے مسئلے کو ملحوظ رکھتے ہیں اور نہ ہی مدعوین کی ضروریات اور حالات کو پیشِ نظر رکھتے ہیں وہ اسی کو مکمل دین سمجھتے ہیں مثلاً: جہاد کی تبلیغ، اہلِ بدعت پر تنقید، گمراہ فرقوں کی تردید وغیرہ حالانکہ یہ ساری چیزیں دین ہیں۔ وہ توحید، حُسنِ اخلاق جیسی دوسری باتوں کو اہمیت نہیں دیتے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اگر کسی نے تبلیغ کا اثر قبول کر لیا تو ٹھیک ورنہ وہ گمراہ اور دین سے منحرف ہوگا۔

گویا کہ ان کے نزدیک دین کا دارومدار اہل بدعت کی مخالفت اور جہاد جیسے صرف ایک مسئلہ پر قائم ہے اگر یہ رک گیا تو سارا دین ختم ہو جائے گا۔ دعوت و تبلیغ اور تعلیم و تربیت سب اس کے گرد دائر ہیں۔ اس سے بھی بری بات یہ ہے کہ داعی دین کے ایک جزوی مسئلے یا اہلِ سنت کے ہاں عقیدے یا فقہ کے کسی اختلافی مسئلے کو دوستی یا دشمنی کا معیار بنا لے۔ اور مدِمقابل سے قطع تعلق ہونے کی تبلیغ کرے اور اس ایک اختلاف کے ذریعے مسلمانوں میں انتشار اور فتنہ وفساد پھیلا دے۔

فقہی مذہب پسندی اور ایسے اجتہادی اختلافات جن کا میدانِ دعوت سے کوئی تعلق نہیں ہے انہیں ہوا دینا بھی ان غلطیوں میں شامل ہے۔ داعی کے لئے ایسی باتوں کو اہمیت دینا درست نہیں ہے۔ وہ دعوت و تبلیغ کو اپنے فقہی مذہب کی تائید یا فقہی اختلافات کی حمایت کا ذریعہ بنا کر لوگوں کو اس میں مشغول نہ کرے۔ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ اختلافات اجتہادی مجبوری ہیں تو یہ دعوتی مجبوری ہرگز نہیں ہیں۔ ان کا تعلق علمی دروس اور اہلِ علم کی محفلوں سے ہے۔ مسجدوں کے منبر اور تبلیغی اسٹیج ان کی جگہ نہیں ہیں۔ مثلاً: رویتِ ہلال کے بارہ میں اختلاف مطالع کا مسئلہ یا سجدۂ سہو کے مسائل یا ہفتے کے دن نفل روزہ رکھنے کی شرعی حیثیت جیسے بے شمار مسائل جو اہلِ علم کے ہاں مختلف فیہ ہیں سب اسی میں آتے ہیں۔

عقل مند داعی ایسے مسائل کو انتہائی مجبوری کے بغیر بیان نہیں کرے گا اور وہ بھی بڑی حکمت کے ساتھ، وہ اپنی دعوت کا آغاز ایمان کے بنیادی مسائل ارکانِ اسلام وغیرہ سے کرے گا جو پہلے بیان ہو چکے ہیں۔

ج: مذکورہ غلطیوں کی سنگینی:...... جماعتی، شخصی یا دین کے کسی ایک حصے کی دعوت کے بہت سے نقصانات ہیں:

۱: اس سے مدعوین دین کو غلط انداز میں سمجھتے ہیں۔

۲: اس سے تعصب پیدا ہوتا ہے، وہ گروہی ہو یا شخصی یا پورے دین سے ہٹ کر کسی ایک خاص مسئلے کا تعصب ہو۔

۳: اس سے دینِ اسلام میں فرقہ واریت پھیلتی ہے۔

۴: اس تعصب اور فرقہ واریت سے ہر مسلمان کے لئے جو خرابیاں جنم لیتی ہیں وہ کسی بھی صاحبِ بصیرت سے مخفی نہیں ہے۔ اسی پر فسادات، اختلافات، وقت اور محنت کا ضیاع جیسے نقصانات مرتب ہوتے ہیں۔

۵: اسی سے اسلام اور مسلمانوں کی تاک میں بیٹھے ہوئے دشمنوں کو موقع ملتا ہے اور وہ اسلام سے متصادم دعوتوں کے مفاد کے لئے کام لیتے ہیں۔

د: خلاصۂ مضمون:...... داعی کی دعوت اللہ کی طرف ہو۔ غیر اللہ کی طرف نہ ہو اس کی دعوت رسول اللہ ﷺ کی سنت کی طرف اور اسی کی اقتداء کے لئے ہو کسی دوسرے کی اقتداء کے لئے نہ ہو۔ دعوت کو کسی گروہ، مذہب، طریقت، شخصیت یا دین کے کسی ایک حصے پر محدود نہ رکھے۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ ہمیں راہِ راست پر قائم رکھے۔

(۹) منہج واُسلوب سے متعلق مختلف اُصول:

دعوت کے کچھ متفرق اُصول بھی ہیں جو ایک مستقل عنوان کے تحت بیان نہیں کئے جا سکتے، مثلاً:

الف: لوگوں کو مانوس کرنے اور دعوتِ دین کی طرف متوجہ کرنے کے لئے

مستحب کو چھوڑنا جائز ہے:..... وہ کام جسے کرنے سے ثواب ہو اور چھوڑنے سے گناہ نہ ہو مستحب کہلاتا ہے۔ ❶

خواہ وہ کسی بھی وجہ سے چھوڑا جائے بشرطیکہ اس میں انکار اور استہزاء کا پہلو نہ ہو۔ اگر کسی مستحب کام کو داعی سمجھتا ہے کہ یہ لوگوں کے ہاں سنت سے ناواقفیت کی بنا پر ناپسندیدہ ہے اور انہیں دعوت دینے میں حائل ہے تو وہ اس مستحب کو چھوڑ دے۔ اگر اسے چھوڑنے پر بہت سے دینی مفادات منتج ہوں تو اسے چھوڑنا بسا اوقات ضروری ہوگا مثلاً: اسے چھوڑنے سے لوگ دعوتِ حق کو ماننے لگیں، ان کے عقائد درست ہو جائیں، ان کی عبادات کی اصلاح ہوگی اور ان کے دینی حالات سنور جائیں گے یہ تمام فوائد ایک مستحب کو اپنانے سے مقدم ہیں۔ اس لئے اس بڑی مصلحت کی بنا پر مستحب کو چھوڑا جاسکتا ہے۔ اس چھوڑنے کو ریاکاری نہیں کہا جائے گا جیسا کہ کچھ لوگوں کا خیال ہے بلکہ یہ مصالح ومفاسد کے اُصولوں کا تقاضا ہے۔ یہ اُصول پہلے بیان ہو چکے ہیں لہٰذا ان کے اعادے کی ضرورت نہیں ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ جب تارکِ مستحب سزا کا مستوجب ہی نہیں تو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے چھوڑنے سے ہوسکتا ہے اسے ثواب ہو۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ:

((مَنْ تَرَكَ أَمْراً لِلّٰهِ عَوَّضَهُ اللّٰهُ خَيْراً مِنْهُ)) ❷

''جو شخص اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی کام چھوڑتا ہے اللہ تعالیٰ اسے نعم البدل عطا کر دیتا ہے۔''

داعی کے لئے مناسب ہوگا کہ وہ ایک فریضے کو خاص فریضہ سرانجام دینے کے لئے یا کوئی مصلحت حاصل کرنے کے لئے یا کسی بگاڑ سے بچنے کے لئے اسے مؤخر کر دے۔ اللہ

---

❶ التعريفات للجرجاني ٢١٢- المحصول في علم أصول الفقه ج:١ ص:١٢٨ أصول الفقه، أبي زهرة:٣٩-

❷ حديث حسن لغيره: أبو نعيم في الحلية ج:٢ ص:١٩٦- السلفي في الطيوريات ٩٦٠- ابن عساكر في تاريخ دمشق ج:١٠ ص ٣٧٤-

تعالیٰ کے رسول ﷺ نے کئی مرتبہ ایسے کیا، کبھی دعوتی مصلحت کے لئے اور کبھی مسلمانوں کی مصلحت کی خاطر۔ مثلاً دو نمازوں کو جمع کرنے کی اجازت بھی تنگی میں پڑنے سے بچانے کے لئے ہے۔

دعوت وتبلیغ کی مصلحت ہی کے پیش نظر آپ نے عبد اللہ بن اُبی بن سلول کو واجب القتل ہونے کے باوجود قتل نہیں کیا بلکہ آپ نے مسلمانوں کی شہرت خراب ہونے کو اس کی وجہ قرار دیتے ہوئے فرمایا:

((لَا يَتَحَدَّثُ النَّاسُ أَنَّ مُحَمَّداً يَقْتُلُ أَصْحَابَهُ.)) ❶

''ایسے نہ کرو ورنہ لوگ کہیں گے کہ محمد ﷺ تو اپنے ساتھیوں کو قتل کر دیتا ہے۔''

اسی طرح آپ ﷺ نے ثمامہ کو مستوجب قتل ہونے کے باوجود اسلام لانے سے پہلے اسے قتل کرنے میں تاخیر کی تاکہ اسے دعوت دی جاسکے اور علاقے سے باہر بھی مسلمانوں کی اچھی شہرت ہو۔

اگر ایک داعی ایسے مسلمانوں کے پاس آئے جن میں شرک وبدعت عام ہو چکا ہو اور وہ نماز اور دیگر کاموں میں مسنون طریقہ اختیار کرے تو اس پر بہت سے الزام لگائے جائیں گے اس کی بات کو مانا نہیں جائے گا اور نہ اس کی نصیحت کو غور سے سنا جائے گا۔ ایسے میں اسے مسنون کام چھوڑ دینا چاہیے اور اگر گنجائش ہو تو واجب کو مؤخر کر دینا چاہیے۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''بہتر ہوگا کہ لوگوں کو قریب لانے کے لئے ان مستحبات کو چھوڑ دیا جائے کیونکہ لوگوں کو قریب لانے کا فائدہ ان مستحبات پر عمل کرنے سے زیادہ ہے جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے بیت اللہ کی عمارت میں تبدیلی کو اس لئے ترک کیا تھا کہ اسے اسی حالت میں چھوڑنے میں لوگوں کو قریب لانے کا پہلو تھا۔ اسی طرح حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ دوران سفر نماز پوری پڑھنے میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف تھے پھر بھی انہوں

---

❶ بخاری ۳۵۱۸، ۴۹۰۵، ۴۹۰۷ مسلم ۲۵۸٤۔

نے ان کے پیچھے پوری نماز پڑھی اور فرمانے لگے "اختلاف کرنا بری بات ہے۔" ❶

ب: مدعوین کے ماضی کو نہ اُچھالا جائے اور نہ انہیں سابقہ حالات یاد دلا کر کسی قسم کی ملامت کی جائے: ..... مبلغین اور داعی حضرات کے لئے انتہائی مفید اور نکتے کی بات یہ ہے کہ وہ اپنے مدعوین کو ان کا ماضی یاد نہ دلائیں جس میں وہ مختلف خامیوں اور ظلم و زیادتی میں مبتلا رہے۔ ان سے ایسے گفتگو کرے گویا وہ پہلی دفعہ ان سے ملا ہے اور وہ مستقبل کے صفحات کھول کر اس کے سامنے بیٹھے ہیں اور انہوں نے ماضی کو بالکل لپیٹ رکھا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے توبہ کا دروازہ چوپٹ کھول رکھا ہے اور سب گناہوں کو معاف کرنے کا وعدہ کیا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۭ﴾ [الزمر: ۵۳]

"کہہ دو: اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے، اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہوں، اللہ تمام گناہوں کو بخش دے گا، وہ بڑا ہی بخشنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔"

بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان سے اس سے کہیں بڑھ کر وعدہ کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ ان کے گناہ نیکیوں میں تبدیل کر دیئے جائیں گے جیسا کہ سورت فرقان کے آخر میں بیان ہوا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اسلام قبول کر لینے سے سابقہ گناہ ختم ہو جاتے ہیں وہ جتنے بھی بڑے اور قبیح ہوں ان کا ریکارڈ نہیں کھولا جاتا۔ پھر بھی داعی کے لئے مختصر انداز میں طعن و تشنیع کی بجائے احساس دلانے اور اصلاح کی غرض سے ماضی کو بیان کرنا جائز ہے تاکہ سامعین کو توبہ کی طرف بلایا جائے، مثلاً اس طرح کہا جائے: ہمارا ماضی توبہ کا تقاضا کرتا ہے یہ تو اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے کہ وہ ہماری سابقہ کارروائیوں کو ملحوظ نہیں رکھتا۔ اگر ہمارے سابقہ عملوں سے پردہ

❶ مجموع الفتاوی ج: ۲۲ ص ۴۰۷۔

اٹھا دیا جائے تو فضا متعفن ہو جائے، ماضی کو رہنے دیں وہ تو بڑا ہی داغدار ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ از سر نو معاملہ شروع کرتے ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کو برے سلوک کے باوجود یہ کہا تھا:

﴿لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ۖ يَغْفِرُ اللَّهُ لَكُمْ﴾ [یوسف: ۹۲]

''آج تمہیں کوئی ڈانٹ نہیں پلائی جائے گی اللہ تمہیں معاف فرمائے۔''

انہوں نے صرف یہ کہنے پر اکتفاء نہیں کیا کہ ''میں تمہیں ڈانٹ نہیں پلاؤں گا'' بلکہ یہ بھی کہا کہ میں اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتا ہوں کہ وہ تمہیں معاف فرمادے۔

باہمی سرزنش نہ کرنے کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حضرت آدم وموسیٰ علیہما السلام کے باہمی مکالمے کا خوبصورت واقعہ سنایا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''حضرت آدم علیہ السلام کا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مکالمہ ہوا، موسیٰ علیہ السلام نے ان سے کہا: تم وہی آدم ہو جس کی غلطی نے اسے جنت سے باہر نکال دیا، حضرت آدم علیہ السلام نے ان سے کہا: تم وہ موسیٰ ہو جسے اللہ تعالیٰ نے رسالت اور ہم کلامی کے لئے منتخب کیا اس کے باوجود تم مجھے ایک ایسا کام کرنے پر ملامت کر رہے ہو جسے اللہ تعالیٰ نے پیدا کرنے سے پہلے میری تقدیر میں لکھ دیا تھا، یہ بیان کرنے کے بعد آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''اس طرح آدم موسیٰ سے دو دفعہ جیت گئے۔''[1]

اس اُصول پر عمل پیرا ہونے سے مدعوین کے سامنے دعوت کو قبول کرنے کا راستہ کھل جاتا ہے۔ جبکہ ماضی کو یاد دلانے سے نا اُمیدی کا جال اور سستی جنم لیتی ہے اور احساسِ کمتری پیدا ہوتا ہے جو انہیں رُوگردانی اور عمل سے دور ہونے پر آمادہ کرتا ہے۔ ایک داعی کو چاہیے کہ وہ توبہ، اُمید اور ماضی کی طرف واپسی کے خطرے کے دروازے کو توڑ دے اور یاس و نا اُمیدی کا دروازہ بند کر دے۔

ج: اگر کوئی شخص کسی عالم کے فتوے پر عمل کرے تو اسے روکا نہ جائے:..... ہم

[1] بخاری: ۳۴۰۹۔ مسلم ۲۶۵۲۔

جانتے ہیں کہ بہت سے مسائل ایسے ہیں جن میں اہل علم کا اختلاف ہے، داعی کو اس سلسلہ میں تین باتوں کا خیال رکھنا چاہیے۔

۱: اسے اجتہادی مسائل کا پتہ ہو اور وہ ان میں اور قابل انکار کاموں میں فرق کو سمجھتا ہو۔

۲: اجتہادی مسائل میں تردید کی ضرورت نہیں ہوتی بشرطیکہ یہ اجتہادات باصلاحیت افراد نے کیے ہوں۔

۳: ایسے اجتہادی مسائل جن میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے ان میں باہمی خیر خواہی کا پہلو سامنے ہو۔

اگر کوئی شخص کسی قابل اعتماد عالم کے فتوے پر عمل کرتا نظر آئے اور داعی کی رائے اس سے مختلف ہو تو اسے یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اس کی تردید کرے یا بُرا کام کرنے والے کو فاسق و فاجر قرار دے۔ بلکہ ایسی صورت میں اُس کی خیر خواہی کرنی چاہیے اور مسئلے کو کھل کر بیان کرنا چاہیے۔

مسئلے کو کھل کر بیان کرنے اور کسی عالم کے فتوے کا انکار کرنے میں بڑا فرق ہے مثلاً:

اگر ایک داعی یہ دیکھے کہ کچھ خواتین نے چہرے پر پردہ نہیں کر رکھا جب کہ وہ چہرے کے برہنہ رکھنے کے جواز کے قائل ہونے والے عالم کی رائے سے متفق ہوں تو داعی کے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ اسے بُرا قرار دے کر انہیں مجرم یا فاسق کہے بلکہ اسے چاہیے کہ وہ صحیح نقطہ نظر واضح کرے اور حکمت و دانائی کے ساتھ نصیحت کرے، اس موقع پر یہ قاعدہ موزوں رہے گا ''ہم نصیحت کریں تردید نہ کریں، نقطہ نظر واضح کریں سرزنش نہ کریں۔''

و: مختلف اوقات اور تقریبات کو غنیمت سمجھا جائے:...... اس عنوان میں تین مسائل ہیں:

(۱)...... اسلام میں کچھ کاموں کے موسم طے شدہ ہیں۔ اسی طرح لوگوں کی بھی مختلف تقریبات اور ان کے اجتماعی پروگرام ہوتے ہیں۔ دنیا جہاں میں بھی کچھ قدرتی اور کچھ انسان کے اپنے پیدا کردہ طرح طرح کے واقعات پیش آتے رہتے ہیں۔ داعی کو چاہیے کہ وہ ان موسموں اور تقریبات اور حادثات کو مدِ نظر رکھے تاکہ وہ اس دوران لوگوں کو دین کی دعوت

دے سکے۔ لوگوں کی ضرورت کے مطابق ان تک اللہ تعالیٰ کے پیغامات ہر موسم اور ہر پروگرام کی مناسبت سے پہنچانے کے لئے ایسے مواقع غنیمت سمجھے کیونکہ لوگوں کی اکثریت مختلف لیکچرز، درس اور تقریر سننے کے لئے نہیں جاتے جبکہ ایسے مواقع میں آجاتے ہیں۔ اس لئے ان پروگراموں سے دعوتِ دین کے لئے فائدہ اٹھانا بڑی دانائی اور بصیرت کا کام ہے۔ اگر ایک داعی اس دوران بہتر طور سے لوگوں کے ساتھ پیش آئے تو بہت سے لوگ ان تقریبات سے مستفید ہو سکتے ہیں۔ انسانی مزاج ایسا واقع ہوا ہے کہ وہ کچھ مواقع میں بھرپور توجہ اور انہماک سے کام لیتا ہے اور کچھ میں گھٹن اور بے اعتنائی برتتا ہے۔ ایک دانا شخص کو چاہیے کہ ان کی توجہ کے وقت کو غنیمت سمجھے اور بے اعتنائی کی بجائے انتظار سے کام لے۔

(۲) تقریبات میں کن باتوں کا خیال رکھا جائے:......(۱) داعی کو یہ نہیں سمجھ لینا چاہیے کہ یہ محفلیں اور تقریبات دعوتی تقریر، موضوع اور وقت کے لحاظ سے بالکل آزاد مواقع ہیں۔ بلکہ وہ لوگوں کے توجہ دینے پر انہیں مخاطب ہو، ان کی مصروفیات کے وقت ان پر بوجھ نہ بنے اور نہ ہی ان کی توجہ اور انہماک کے وقت ان سے گریز کرے۔ جب وہ توجہ دے رہے ہوں اور بات سننے کو تیار ہوں تو ایسے وقت میں دعوت دینے سے وہ ہمہ تن گوش ہوں گے اور بات کو اچھے طور سے سنیں گے۔ جبکہ اپنی مصروفیات کے دوران وہ اسے بوجھ محسوس کریں گے اور یہ چیز انہیں اکتاہٹ میں ڈالے گی اور تنفر کرے گی۔ اگر وہ بات سننے کے لئے تیار ہوں اور ان کی طرف توجہ نہ دی جائے گی تو اس سے اوقاتِ فرصت ضائع ہوں گے اور ان سے صحیح استفادہ نہیں ہوگا۔

نتیجہ یہ ہوگا کہ بہت سے دینی مفادات چھن جائیں گے اور لوگوں کا وقت اللہ تعالیٰ کی یاد سے ہٹ کر گزرے گا اور وہ ان تقریبات کی رُوح کا ادراک نہیں کر سکیں گے۔

(۲)......دوسری قابلِ لحاظ بات یہ ہے کہ داعی ہر موسم اور تقریب کی مناسبت سے موضوع کا انتخاب کرے اور اس کے مطابق اس کا اندازِ گفتگو ہو۔ خوشیوں کی محفل میں انہیں اللہ تعالیٰ کے عام انعامات اور جاری تقریب کی مناسبت سے خاص انعامات یاد دلا کر نصیحت کرے۔

پریشانی کے موقع پر تقدیر الٰہی پر ایمان لانے اور اسے برضا ورغبت تسلیم کرنے اور صبر کرنے کی تلقین کی جائے۔ انہیں بتایا جائے کہ ایسا کرنے پر کتنا ثواب ہوتا ہے، مختصر یہ کہ ہر موقع کے مطابق گفتگو ہونی چاہیے۔ باری تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا:

﴿وَذَكِّرْهُم بِأَيَّامِ اللَّهِ﴾ [ابراھیم: ۵]

"ان کو اللہ کے دن یاد دلاؤ۔"

"ایام اللہ" سے مراد انعامات الٰہی اور ماضی کے اہم واقعات ہیں۔ ❶

پیش آمدہ واقعات سے فائدہ اٹھانا داعی کا بنیادی ہدف ہے۔

واقعات سے مراد وہ مختلف حادثات ہیں جو مدعوین کو کائنات میں درپیش ہوتے ہیں مثلاً:

بارش، زلزلے، سورج وچاند گرہن، آگ لگنا، قحط سالی، لوگوں کا ظلم وستم اور مختلف علاقوں پر اغیار کا قبضہ وغیرہ۔ داعی کو مالی معاونت اور معنوی ترغیبات سے بھی بہرہ ور ہونا چاہیے تاکہ مدعوین کو یہ احساس رہے کہ وہ ان کے معاملات کو بنظرِ اہتمام دیکھتا اور مفادات کا خیال رکھتا ہے۔ اس کی دعوت قلبی تعلق سے بالاتر رہ کر باتوں ہی باتوں کی حد تک نہیں ہے۔ اس کے علم و عمل میں یکسانیت پائی جاتی ہے۔

داعی کو دست بستہ اور بے حس و حرکت رہ کر "لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ" ہی نہیں کہتے رہنا چاہیے۔ اس کا طریقِ کار عمل اور افادیت سے کورا نہیں ہونا چاہیے وگرنہ لوگ اس سے دور ہو جائیں گے اور اس کی دعوت کا اثر قبول نہیں کریں گے۔

انتہائی مفید ہوگا کہ داعی قرآنِ مجید کے نازل ہونے پر غور کرے، وہ کیسے موقع ومحل کے مطابق نازل ہوتا رہا تاکہ اسے معلوم ہو کہ موقع ومحل کا لحاظ کرنے کی کتنی اہمیت ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے واقعۂ اِفک کے دوران سورۃ نور میں بہت سے احکام ومسائل بھی نازل ہوئے۔ اس کا مسلمانوں پر گہرا اثر ہوا کیونکہ وہ اس بڑی آزمائش سے نجات کے

❶ تفسیر القرطبی ج:۹ ص:۳۴۲۔

منتظر تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی میلے کی مناسبت سے فائدہ اٹھا کر کیسا کارنامہ سرانجام دیا جب لوگوں نے انہیں اپنے ساتھ جانے کو کہا تو انہوں نے یہ کہہ کر معذرت کر لی ﴿وَإِنِّي سَقِيمٌ﴾ (میں مریض ہوں)۔ اس کے بعد ان کے باطل معبودوں تک جا پہنچے۔

اسی طرح حضرت یوسف علیہ السلام نے قیدیوں کی ضرورت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انہیں دعوت و تبلیغ کی اور فرمایا:

﴿يَصَاحِبَيِ السِّجْنِ ءَأَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُونَ خَيْرٌ أَمِ اللَّهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝﴾

[یوسف: ۳۹]

"میرے جیل خانے کے ساتھیو! بھلا کئی جدا جدا آقا اچھے ہیں یا (ایک) اللہ جو یکتا و غالب ہے؟"

رسول اللہ ﷺ کو دیکھ لیں وہ ہر مناسبت کے مطابق مسلمانوں کو نصیحت فرمایا کرتے تھے رمضان المبارک آتا ہے تو انہیں ان سے متعلق فضائل و مسائل سے آگاہ فرماتے۔ اس کے دلائل ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

حج کے موقع پر لوگوں کا جم غفیر ہوا تو انہیں حسبِ ضرورت وعظ و تبلیغ بھی کی اور احکام و مسائل سے بھی آگاہ فرمایا۔

حجۃ الوداع کے موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا: تمہارے جان و مال تمہارے لئے ایسے ہی مقدس ہیں جیسے اس شہر میں ہوتے ہوئے اس مہینے میں یہ دن مقدس ہے، جاہلیت کا ہر کام میری جوتی کی نوک پر ہے۔ قبل از اسلام کی خون ریزیاں معاف ہیں۔ سب سے پہلے میں حارث بن ربیعہ کے قتل کو معاف کرتا ہوں۔ جاہلیت کا سود بھی ختم ہے۔ سب سے پہلے میں اپنے چچا عباس کا سود ختم کرتا ہوں۔ خواتین کے معاملے میں اللہ سے ڈرو۔ تم نے انہیں اللہ تعالیٰ کے عہد کے ذریعے اپنے پاس رکھا ہے اور ان کی شرم گاہوں کو اللہ تعالیٰ کے کلام کے ذریعے حلال کروایا ہے۔ تمہارا ان پر یہ حق ہے کہ جو شخص تمہیں ناپسند ہے (یعنی تمہارے علاوہ کوئی بھی) ان کے بستر پر نہ آئے۔ اگر وہ ایسا کریں تو انہیں تم مار بھی سکتے ہو لیکن وہ مار

تکلیف دو نہ ہو۔ تمہارے اوپر ان کا حق یہ ہے کہ تم اچھے انداز میں ان کی خوراک اور لباس کا انتظام کرو۔ میں تمہیں ایسی چیز دے کر جا رہا ہوں کہ اگر تم اسے اپناؤ گے تو کبھی گمراہ نہیں ہو گے وہ ہے قرآن مجید، اے اللہ گواہ ہو جا، اے اللہ گواہ ہو جا۔ ❶

جب عشرہ ذی الحجہ آتا تو انہیں اس میں کیے جانے والے اعمال یاد دلاتے اور فرماتے ان دس دنوں سے بہتر کوئی ایسے دن نہیں جن میں کی جانے والی کسی نیکی کا ثواب ان دنوں میں کی جانے والی نیکی کے ثواب سے زیادہ ہو، صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! جہاد فی سبیل اللہ بھی افضل نہیں ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جہاد فی سبیل اللہ بھی افضل نہیں ہے ہاں! اگر کوئی شخص اپنا مال لے کر جائے اور کچھ بھی واپس لے کر نہ آئے۔ ❷

جب عاشوراء کا دن نزدیک ہوتا تو اس کا روزہ رکھنے کو کہتے اس مناسبت سے آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے "لیجیے عاشوراء کا دن آ رہا ہے اللہ تعالیٰ نے اس کا روزہ فرض نہیں کیا ہے۔ تاہم میں روزہ رکھوں گا۔ تم میں سے، جو چاہے روزہ رکھے جو چاہے نہ رکھے" ❸

جب چاند گرہن ہوا تو آپ نے انہیں اس دوران کیے جانے والے کاموں کی ترغیب دلائی اور فرمایا: "سورج اور چاند دونوں اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ہیں یہ کسی کی موت و حیات کی بنا پر گرہن پذیر نہیں ہوتے۔ جب تم انہیں گرہن کی حالت میں دیکھو تو اللہ تعالیٰ کی کبریائی بیان کرو، اس سے دعا کرو، نماز پڑھو اور صدقہ کرو۔ نیز فرمایا: "اے امت محمد ﷺ! میں اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کسی مرد یا عورت کے زنا کرنے پر جتنی غیرت اللہ تعالیٰ کو آتی ہے کسی کو نہیں آتی۔ جو کچھ میں جانتا ہوں اگر وہ تمہیں معلوم ہو جائے تو تم زیادہ روؤ اور کم ہنسو" ❹

جب کسی انفرادی یا اجتماعی تقریب کا موقع ہوتا تو آنحضرت ﷺ اس کے حسب حال

---

❶ مسلم: ١٢١٨۔

❷ بخاری: ٩٦٩۔ احمد ج: ١ ص: ٢٢٤۔

❸ بخاری: ٢٠٠٣، مسلم: ١١٢٥۔

❹ بخاری: ١٠٤٤، مسلم: ٩٠١۔

اور اس لحاظ سے مفید ثابت ہونے والی گفتگو فرماتے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک انصاری شخص کے ہاں دلہن کو سہاگ رات کے موقع پر لے جایا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: عائشہ! تمھیں تفریحِ طبع کا کوئی کام کرنا چاہیے تھا۔ انصار کو یہ چیز بہت پسند ہے ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: تم دلہن کے ساتھ کوئی لڑکی بھیج دیتے جو دف بجاتی اور گیت گاتی، میں نے عرض کیا: وہ کیا گیت گاتی؟ آپ ﷺ نے فرمایا وہ کہتی:

أَتَيْنَا كُمْ أَتَيْنَاكُمْ ہم آگئے ہیں، ہم آگئے ہیں فَحَيُّوْنَا نُحَيِّيكُمْ تم ہمیں خوش آمدید کہو ہم تمھیں مرحبا کہتے ہیں۔ وَلَوْلَا الذَّهَبُ الأَحْمَرُ اگر یہ سرخ سونا نہ ہوتا مَا حُلَّتْ بِوَادِيكُمْ تو یہ بادیہ نشین زیور سے آراستہ نہ ہوتیں۔ وَلَوْلَا الْحِنْطَةُ السَّمْرَاءُ اگر یہ گندم نہ ہوتی مَا سَمِنَتْ عَذَارِيكُمْ تو تمہاری دوشیزائیں بھرے جسم والی نہ ہوتیں۔ ❶

آپ ﷺ نے ایک عورت کو قبر پر واویلا کرتی ہوئی دیکھا تو فرمایا: ''صبر سے کام لو'' پھر فرمایا: ''صبر وہ ہوتا ہے جو صدمے کی ابتداء میں ہو۔'' ❷

آپ ﷺ کی ایک صاحب زادی نے آپ کے نام پیغام بھیجا کہ اس کا بیٹا موت کے لمحات سے گزر رہا ہے۔ آپ ﷺ نے پیغام میں اسے وہ الفاظ یاد لائے جو اس موقع پر کہنے چاہیے إِنَّ لِلّٰهِ مَا أَخَذَ، وَلَهُ مَا أَعْطَىٰ، وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ بِأَجَلٍ مُسَمًّى. ❸

اگر قرآنِ مجید میں سے ان تمام واقعات کو پیش کیا جائے تو بات لمبی ہو جائے گی اور ہم اپنے موضوع سے بھی ہٹ جائیں گے۔

تیسری چیز جس کا داعی کو مختلف تقریبات اور مناسبتوں کے دوران ملحوظ رکھنا چاہیے وہ ہے تقریر میں وقت اور اس کی کمیت کی پاس داری۔

---

❶ حسن لغیرہ: معجم اوسط طبرانی ۳۲٦۵ أحمد ج ۳ ص ۳۹۱۔

❷ بخاری: ۱۲۰٤، مسلم: ۹۲۳۔

❸ بخاری: ۱۲۷٤، ٥٦٥٥، ٦٦۰۲، ۷۳۷۷، ۷٤٤۸۔ مسلم: ۹۲۳۔

ایک داعی کے دانا ہونے کی علامت یہ ہے کہ وہ اپنی بات کی طوالت اور دورانیے میں بھی مدعوین کے احوال وظروف کا لحاظ رکھے تاکہ انہیں وقت یا تقریب کے مقصد کے حوالے سے پریشان نہ کرے کیونکہ وہ تو دراصل یہ بات "سننے کے لئے نہیں آئے یہ بات تو سر راہ ہوئی ہے لہٰذا ان سے لمبی گفتگو نہ کرے مبادا وہ اکتا جائیں اور تنگ آ جائیں، ایسا نہ ہو کہ وہ مستفید ہونے کی بجائے صبر وتحمل سے بات کے مکمل ہونے کا انتظار کرتے رہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے مواعظ انتہائی مختصر، بلاغت سے بھرپور اور پُر تاثیر ہوتے تھے "اُوْتِیْتُ جَوَامِعَ الْکَلِمِ" کا یہی مطلب ہے۔ ❶

اگر ہم میدانِ عرفات میں نبی کریم ﷺ کے خطبے کا اندازہ لگائیں تو یہ کچھ منٹ سے زیادہ نہیں ہے دوسرے مواقع پر بھی اس سے زیادہ نہیں ہوتا تھا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اپنے ایک شاگرد کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: "کہیں ایسا نہ ہو کہ لوگ اپنی باتوں میں مصروف ہوں اور تم ان کی بات کاٹ کر انہیں وعظ کرنے لگ جاؤ اور انہیں اکتاہٹ میں ڈال دو بلکہ خاموش رہو جب وہ کہیں اور خواہش کا اظہار کریں تو انہیں وعظ کرنا۔" ❷

(۳) خلاصہ مضمون:

اس مضمون کا خلاصہ یہ ہے کہ داعی کو مسلمانوں کو درپیش حالات وواقعات اور موجودہ صورتِ حال کو مدنظر رکھنا چاہیے اس کی گفتگو ان کے تناظر میں ہو، اکتاہٹ اور بارِ طبع کا باعث نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں صراطِ مستقیم کی راہنمائی فرماتا رہے۔ آمین

---

❶ بخاری: ۲۹۷۷، ۶۹۹۸، ۷۰۱۳، ۷۲۷۳۔ مسلم: ۵۲۳۔

❷ بخاری: ۶۳۳۷۔

تیسرا باب

دعوتِ دین کے طریقے اور ذرائع

تیسرا باب:

دعوتِ دین کے طریقے اور ذرائع

فصل 1

دعوت کے مختلف اُسلوب

منہج اور اُسلوب میں فرق:

داعی میں کیا خوبیاں ہوتی ہیں، مدعوین کے حالات وظروف سے کیا مراد ہے؟ یہ چیزیں تو واضح ہیں تاہم منہج اور اُسلوب میں فرق کسی حد تک واضح نہیں ہے۔

یہ بات پہلے بیان ہو چکی ہے کہ منہج سے مراد وہ مستقل راستہ ہے جس پر داعی مختلف احوال وظروف سے نبٹنے کے لئے طے شدہ اُصولوں اور مقرر کردہ نشانِ راہ کی روشنی میں چلتا جاتا ہے۔ مثلاً یہ اُصول بیان ہوا ہے کہ ''مسائل سے پہلے ایمان کی دعوت دی جائے'' اور یہ نشانِ راہ بتلایا گیا ہے کہ تقریبات اور موقع ومحل کا بہتر انتخاب کیا جائے۔

اُسلوب سے مراد ہے طرزِ تکلم، اندازِ گفتگو اور بات کرنے کا سلیقہ، جس میں الفاظ کا انتخاب، فقروں کی ترکیب، جملوں کی نوعیت، نرمی وسختی، آواز کو بلند یا آہستہ کرنا وغیرہ ایسی تمام چیزیں آتی ہیں جو ''اُسلوب'' کے دائرہ میں شامل ہیں۔ اُمید ہے اس سے اُسلوب اور منہج میں فرق واضح ہو گیا ہوگا۔

منہج اور اُسلوب کی ایک مثال:

جب موسیٰ علیہ السلام فرعون کے پاس گئے تو ان کا منہج یہ تھا کہ انہوں نے سب سے پہلے ایمان باللہ میں سے توحید ربوبیت کی دعوت دی اور کہا اللہ تعالیٰ ہی خالق ہے وہی رازق

ہے۔ وہی زندگی اور موت دینے والا ہے، ہر چیز اسی کے اختیار میں ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اس کے بعد فرعون کے کفر اور اس کی گمراہی کو بیان کرتے ہوئے اس کی عقلی دلیل، عملی استدلال اور مادی حجت پیش کی۔ جس میں کچھ وہ معجزے وغیرہ تھے جو انہیں عطا کیے گئے تھے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ اکیلے کی عبادت کی دعوت دی۔ یہ طریق کار منہج کے زمرہ میں آتا ہے۔ جبکہ اُسلوب یہ ہے کہ اس کے ساتھ نرم رویہ اختیار کیا، دھیمے انداز میں گفتگو کی، بامقصد طرزِ کلام اپنایا اور بحث ومباحثہ میں بہترین طریقہ استعمال کیا۔ اسے انجام کار کی یاد دلائی اور ''جبار'' سے خوف دلایا۔

یہ باب بیس مضامین پر مشتمل ہوگا۔

(۱) اُسلوب کی اہمیت:

اُسلوب اور انداز کا سامعین کی توجہ مبذول کرانے، حق کو پذیرائی دلوانے اور دعوتی عمل کے پھیلاؤ پر بہت زیادہ اثر ہوتا ہے۔ جو لوگ مضمونِ کلام کو نصف کامیابی اور انداز و اُسلوب کو باقی نصف قرار دیتے ہیں ان کی بات انصاف سے بعید نہیں ہے۔

فرض کریں ایک مقرر توحید جیسے اہم موضوع پر صحیح منہج پر رہتے ہوئے اُصول وقواعد کے مطابق، حاضرین کی حالت کو مدنظر رکھ کر بات کر رہا ہو اور دلائل بھی موزوں پیش کر رہا ہو لیکن اس کے الفاظ سخت ہوں، آواز ست ہو یا حد سے زیادہ بلند ہو، چہرے پر عبوست ہو، جملے بے ترکیب ہوں، افکار مرتب نہ ہوں، اپنے معیار سے بلند تر بات کر رہا ہو۔ جملوں کی ترکیب پیچیدہ ہو، مشکل ترین الفاظ استعمال کر رہا ہو، انداز جارحانہ ہو، تو کیا اس قسم کا داعی جس میں یہ تمام یا ان میں سے کچھ باتیں موجود ہوں اپنی دعوت میں کامیاب اور سامعین کے ہاں مقبول ہوسکتا ہے؟ ہرگز نہیں، وہ تو ناکام ہوگا اور اپنے منہج کے صحیح ہونے کے باوجود لوگوں کو متنفر کرے گا۔

اس کے مقابلے میں ایک ایسا داعی جس کا لہجہ نرم ہو، چہرہ ہشاش بشاش ہو، درمیانی آواز ہو، فصیح الکلام ہو، فقرے خوبصورت ہوں، افکار وخیالات مرتب ہوں، اُسلوب بیان

آسان ہو، عام فہم الفاظ میں صحیح قواعد کے ضمن خوبصورت مثالیں بیان کر رہا ہو، سامعین کے سامنے مسکرائے اور ان پر ایسے نگاہ رکھے گویا وہ ہر ایک کے ساتھ موجود ہے اور ہر ایک سے بات کر رہا ہے، خود ہی اندازہ لگائیں اس کی بات کتنی مقبول اور مؤثر ہو گی۔

مؤخر الذکر مقرر دعوت میں کامیاب اور سامعین کے ہاں پسندیدہ ہوگا کیونکہ اچھی گفتگو کو پسند کرنا، عمدہ اُسلوب کو غور سے سننا، اس سے متاثر ہونا اور اسے اپنانے والے کی طرف توجہ دینا انسانی فطرت میں شامل ہے۔

کتنے ایسے خطابات ہیں جو خطبۂ جمعہ سے بھی زیادہ مؤثر ہوتے ہیں اور کتنی ایسی تندوتیز تقریریں ہیں جو لوگوں کو راہِ ہدایت سے روکنے کا باعث ہیں۔

آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے:

((اَلْكَلِمَةُ الطَّيِّبَةُ صَدَقَةٌ .)) ❶

''اچھی بات کہنا صدقہ ہے۔''

صحیح دعوت بارہا اُسلوب کی غلطی کی وجہ سے ناکام ہوتی ہے جبکہ بہت سی غلط تبلیغ ودعوت حُسنِ اُسلوب کی بنا پر توجہ کا مرکز بن جاتی ہے۔ خوبصورت اُسلوب اور عمدہ گفتگو سامعین کی رگوں میں جاری وساری ہوتی ہے یہ ان کے کانوں کو کھولتی ہے، آنکھیں دیکھتی رہ جاتی ہیں، دل کے دریچے وا ہو جاتے ہیں اور ان میں نرمی پیدا ہوتی ہے، پذیرائی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، یہ نصیحت قبول کرنے اور خشیتِ الٰہی کا باعث بنتی ہے۔ اس کے بعد عمل کی راہ ہموار ہوتی ہے یہ سب اللہ تعالیٰ کی مشیت پر منحصر ہے۔ کاش ہم اس بات پر غور وفکر کریں۔

اُسلوب اور انداز کو اہمیت نہ دینے کی بنا پر عملِ دعوت بہت پیچھے جا چکا ہے اس نے بہت سے لوگوں کو راہِ حق سے دور کر رکھا ہے۔

داعی کی مثال ڈاکٹر کی طرح ہے اور مدعوین کی حیثیت مریضوں کی طرح ہے جس طرح ایک مخلص ڈاکٹر مریض کے حسب ونسب، رنگ اور مذہب کو سامنے نہیں رکھتا بلکہ سب

❶ بخاری: ۲۹۷۹۔ مسلم: ۱۰۰۹۔

سے یکساں طور سے اخلاص، نرمی، اہتمام اور اچھے انداز سے پیش آتا ہے اسی طرح دانا داعی اور مبلّغ کو بھی سب لوگوں کے ساتھ یکساں طور سے پیش آنا چاہیے۔ وہ مسلمان ہوں یا کافر، نیک ہوں یا بد، بڑے ہوں یا چھوٹے، امیر ہوں یا غریب ان سب سے اچھے طریقے سے پیش آئے ان کی سابقہ لغزشوں اور فسق وفجور کو سامنے نہ رکھے۔

اُسلوب کا ایک منفی انداز یہ بھی ہے کہ داعی حضرات مدعو کے فسق وفجور اور اس کے ردِ عمل سے متاثر ہوجاتے ہیں۔ کچھ داعی ایسی صورتِ حال میں اس کے اکھڑ پن کا جواب دینے پر اتر آتے ہیں اور اپنے اُسلوب کو تبدیل کرتے ہوئے سخت الفاظ استعمال کرنے لگ جاتے ہیں اور ان کی آواز بھرا جاتی ہے اور لہجہ بھیانک ہوجاتا ہے یا تو یہ لاشعوری طور پر ہوتا ہے یا یہ سمجھ کر کہ ایسے مدعوین سے سختی اور درشتی ہی کام آتی ہے۔ جب کہ آئندہ آنے والے دلائل سے واضح ہوگا کہ یہ انداز یقیناً غلط ہے۔ مختصر یہ کہ داعی اپنے اُسلوب کو اہمیت دے اور اربابِ تربیت کو داعی حضرات کے اُسلوب میں اصلاح کی کوشش کرنی چاہیے کیوں کہ داعی کی دعوت کی کامیابی اور حق کی پذیرائی میں اس کا بہت عمل دخل ہے۔

اس باب کی اہمیت کے پیشِ نظر کچھ اُصول وضوابط بیان کئے جارہے ہیں جو مبلّغین اور داعی حضرات کے لئے اُسلوب کی بہتری کے سلسلہ میں معاون ثابت ہونگے۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ صحیح بیان کرنے کی توفیق سے نوازے۔ آمین

ب: دعوتی اُسلوب کے اُصول وضوابط:...... اس میں چار عنوانات ہیں:

(۱)... چونکہ اچھے اُسلوب، عمدہ کلام اور حُسنِ معاشرت سے لوگوں کی عام زندگی پر بہتر اثرات اور کئی فوائد مرتب ہوتے ہیں اس لئے اللہ ربّ العزت نے انبیاء، داعیانِ اسلام اور تمام لوگوں کو اس کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿وَهُدُوٓا۟ إِلَى ٱلطَّيِّبِ مِنَ ٱلْقَوْلِ﴾ [الحج : ٢٤]

''اور انہیں عمدہ بات کی راہنمائی مل گئی۔''

نیز فرمایا:

﴿وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا﴾ [البقرة: ۸۳]

''اور لوگوں کو اچھی بات کہو۔''

جب یہ حکم عام ہے اور سب لوگوں کے لئے ہے تو ایک داعی کو دعوت کے موقع پر اسے زیادہ مدِ نظر رکھنا چاہیے۔

فرمان الٰہی ہے:

﴿اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ﴾ [النحل: ۱۲۵]

''اپنے ربّ کے راستے کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ دعوت دو اور ان کے ساتھ اس طریقہ سے بحث کرو جو پسندیدہ ہے۔''

حالانکہ اللہ کے رسول ﷺ کی درشتی و نرمی اور حُسن معاشرت کی اللہ ربّ العزت نے یہ کہہ کر خود گواہی دی ہے کہ آپ ﷺ عظیم اخلاق کے مالک تھے۔ اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو برے رویے، رہنے سہنے میں سختی کے برے انجام سے بچنے کی تلقین فرمائی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ﴾

[آل عمران: ۱۵۹]

''اگر تم درشت خُو اور سخت دل ہوتے تو تمہارے پاس سے یہ منتشر ہو جاتے۔''

حدیث نبوی میں اچھے انداز کو اپنانے کی تاکید اس سے بھی وسیع تر معنوں میں بیان ہوئی ہے۔ جس میں ہر قسم کی مخلوق اور زندگی کا ہر پہلو آ جاتا ہے۔

آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

((مَا كَانَ الرِّفْقُ فِيْ شَيْءٍ قَطُّ اِلَّا زَانَهُ، وَمَا نُزِعَ مِنْ شَيْءٍ اِلَّا شَانَهُ.)) ❶

---

❶ أحمد: ج٦ ص٢٠٦، مسلم: ٢٥٩٤۔

''نرمی جس چیز میں بھی ہوگی اسے خوبصورت بنا دے گی اور جس چیز سے بھی اسے ختم کر دیا جائے اسے معیوب بنا دے گی۔''

چیز کا لفظ عام ہے ہر معاملہ اور ہر مخلوق اس میں آتی ہے خواہ انسان ہو یا حیوان ہو۔

آپ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

((اَلْكَلِمَةُ الطَّيِّبَةُ صَدَقَةٌ .)) ❶

''اچھی بات کہنا صدقہ ہے۔''

آپ ﷺ کا یہ بھی فرمان ہے:

((وَتَبَسُّمُكَ فِيْ وَجْهِ أَخِيْكَ صَدَقَةٌ .)) ❷

''مسلمان بھائی کو مسکرا کر ملنا صدقہ ہے۔''

قارئین ذیل کے واقعہ سے اندازہ لگائیں کہ رسول اللہ ﷺ کا اسلام اور مسلمانوں کے سخت ترین دشمنوں کے ساتھ بھی کتنا عمدہ اخلاق ہے۔ اس سے دینِ اسلام کی فراخی اور اس کی اصلاحی کاوش آشکار ہوتی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ کچھ یہودی نبی مکرم ﷺ کے پاس آئے اور انہوں نے کہا: تمہیں موت آ جائے'' یہ سن کر عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہہ دیا ''تم مرجاؤ اور تم پر اللہ کی لعنت اور اس کا غضب ہو۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عائشہ! نرمی اختیار کرو سختی اور فحش کلامی سے بچو۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب میں کہا: ان لوگوں نے جو کچھ کہا ہے آپ نے سنا نہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جو کچھ میں نے کہا تھا تم نے وہ بھی تو سن لیا، میں نے ان کا ایسے ہی جواب دیا ہے، ان کے بارہ میں میری بددعا قبول ہوگی جبکہ ان کی بددعا مجھے اثر نہیں کرے گی۔ ❸

رسول اللہ ﷺ نے غلط رویے، درشت لہجے اور سخت الفاظ کے ذریعے لوگوں کو دعوتِ دین

---

❶ بخاری: ۲۹۷۹۔ مسلم: ۱۰۰۹۔

❷ ترمذی: ۱۹۵۶، السلسلة الصحيحة: ۵۷۲۔

❸ بخاری: ۶۰۳۰۔ مسلم: ۲۱۶۵۔

سے متنفر کرنے سے بچنے کی تلقین کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: "إِنَّ مِنْكُمْ مُنَفِّرِيْنَ" "تم میں سے کچھ لوگ متنفر کرتے ہیں۔" ❶

نبی کریم ﷺ کے پاس کفارِ قریش کے ایک سے زائد وفد آئے لیکن سابقہ دور میں ان کی ایذاء رسانی، فسق و فجور اور اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکنے جیسے کاموں سے متاثر ہو کر آپ کا اندازِ گفتگو کبھی تبدیل نہیں ہوا۔ اسی مضمون میں نرمی کے عنوان کے ذیل میں اس کے کچھ دلائل بھی بیان ہوں گے۔

اس اندیشے کی بنا پر کہ کہیں موسیٰ علیہ السلام ماضی میں فرعون کے انتہائی کافرانہ رویے، سخت ظلم و ستم، اس کے عناد اور خبثِ باطن کا اثر نہ لے لیں، اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ بات دوبارہ یاد کرائی کہ گفتگو میں اچھے انداز سے تجاوز نہ کر جانا، فرعون کے سابقہ ظلم و ستم، جرم و زیادتی کی طرف توجہ نہ لے جانا۔

موسیٰ اور ہارون علیہما السلام دونوں کو باری تعالیٰ کی طرف سے دی گئی ہدایات سے یہ بات بالکل واضح ہے۔

﴿فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشَىٰ﴾ [طه: ٤٤]

"اس کو نرمی کے ساتھ دعوت دو، شاید وہ نصیحت حاصل کرے یا ڈرے۔"

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا باہمی مکالمہ جسے قرآن مجید میں کئی جگہ بیان کیا ہے اس سے یہی چیز سامنے آتی ہے۔

قابلِ غور بات یہ ہے کہ اگر کافروں کے کافر اور گمراہوں کے گمراہ کے لئے حُسنِ اُسلوب اپنانا ضروری ہے تو ایک غلطی کر بیٹھنے والے مسلمان یا گناہ گار صاحبِ ایمان کے ساتھ ایسے کیوں نہ ہو۔ اللہ رب العزت کی اطاعت اور دعوتی مصلحت کے پیشِ نظر داعی کے فرائض میں یہ چیز بھی شامل ہے کہ وہ خوبصورت اُسلوب پر ہر حال اور ہر جگہ ثابت قدم رہے اس کا مدعو ایک ہو یا زیادہ ہوں۔ مدعو کے ایمانی تغیرات، اخلاقی اور عداوت پسندانہ تصورات

---

❶ بخاری: ٧٠٢، مسلم: ٤٦٦۔

کو خاطر میں نہ لائے۔ کیوں کہ عمدہ اُسلوب کو اپنانا شرعی حکم ہے اور یہ داعی کا ایسا فریضہ ہے جو مدعو کی حالت اور اس کے تصرفات کی تبدیلی سے تبدیل نہیں ہوتا، دورانِ دعوت حرکات و سکنات اور گفتگو میں نرمی اور شفقت کو چھوڑنا جائز نہیں ہے۔

ب: نرمی، آسانی اور سہولت پیدا کی جائے سختی، درشتی اور تنگی پیدا نہ کی جائے:...... اچھے طریقے کا سب سے بڑا امتیاز اور خوبی یہ ہے کہ رویّہ میں نرمی ہو، میٹھی گفتگو ہو اور پیارے پیارے الفاظ ہوں، ملاقات میں خندہ پیشانی ہو اور خشکی سے کنارہ کشی ہو، سخت مزاجی سے اجتناب ہو اور سامعین کی تردید سے گریز کیا جائے۔

گذشتہ میں بیان کردہ قرآنی آیات ہی کافی ہیں۔ انہیں دہرانے کی ضرورت نہیں مثلاً:

حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام سے فرمایا گیا:

﴿فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لَّيِّنًا﴾ [طه: ٤٤]

''پھر اس کو نرمی کے ساتھ دعوت دو۔''

نیز فرمایا:

﴿وَعِبَادُ الرَّحْمَٰنِ الَّذِينَ يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَامًا ۝﴾ [الفرقان: ٦٣]

''اور رحمان کے بندے وہ ہیں جو زمین پر نرمی سے چلتے ہیں اور جب جاہل لوگ ان سے اُلجھتے ہیں تو وہ انہیں سلام کر کے رخصت ہو جاتے ہیں۔''

اور فرمایا:

﴿وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ۚ ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ ۝﴾ [حم السجدة: ٣٤]

''اور بھلائی اور برائی، دونوں یکساں نہیں ہیں، تم برائی کو بہتر طریقے سے ہٹاؤ تب تم دیکھو گے کہ وہی، جس کے اور تمہارے درمیان عداوت ہے گویا وہ ایک سرگرم دوست بن گیا ہے۔''

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

((اِنَّ اللّٰهَ رَفِيْقٌ يُحِبُّ الرِّفْقَ فِي الْأَمْرِ كُلِّهِ.)) ❶

''یقیناً اللہ تعالیٰ نرمی کرنے والا ہے، ہر کام میں نرمی کو پسند کرتا ہے۔''

نیز فرمایا:

((مَنْ يُحْرَمُ الرِّفْقَ يُحْرَمُ الْخَيْرَ كُلَّهُ.)) ❷

''جو شخص نرمی سے محروم ہو گیا وہ ہر نیکی سے محروم ہو گیا۔''

آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے: ''میں تمہیں بتائے دیتا ہوں کہ دوزخ کس قسم کے آدمی کے لئے حرام ہے، ایسے شخص کے لئے جو نزدیک رہے، نرم مزاج اور خوش اخلاق ہو'' ❸ جب ایک مسلمان کی عام زندگی میں یہ چیز ضروری ہے تو مبلغ حضرات کے انداز میں یہ چیز بدرجہ اولیٰ مطلوب ہے۔

دعوتِ دین کے اُسلوب کے موضوع میں اس کی افادیت بیان ہو چکی ہے۔ قرآن و حدیث نے اس کی بہت تاکید کی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ﴾

[آل عمران: ۱۵۹]

''اگر تم درشت خو اور سخت دل ہوتے تو تمہارے پاس سے یہ منتشر ہو جاتے۔''

فرمان الٰہی ہے:

﴿اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ﴾ [النحل: ۱۲۵]

''اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ دعوت دو۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

---

❶ بخاری: ۶۰۲۴، ۶۲۵۶، ۶۳۹۵، ۶۹۲۷۔ مسلم: ۲۱۶۵۔

❷ مسلم: ۲۵۹۲۔

❸ احمد ج ۱ ص ۴۱۵۔ الترمذی: ۲۴۸۸۔ السلسلة الصحيحة: ۹۳۸۔

((إِنَّ اللّٰهَ رَفِيقٌ يُحِبُّ الرِّفْقَ، وَيُعْطِي عَلَى الرِّفْقِ مَا لَا يُعْطِي عَلَى الْعُنْفِ، وَمَا لَا يُعْطِي عَلَى مَا سِوَاهُ.)) ❶

"اے عائشہ اللہ تعالیٰ نرم ہے، نرمی کو پسند کرتا ہے، نرمی کے ذریعے وہ کچھ دیتا ہے جو سختی کے ذریعے اور کسی دوسرے طریقے سے نہیں دیتا۔"

ایک روایت میں اس حدیث کا آغاز اس طرح ہے کہ "میں ایک اڑیل اونٹ پر سوار تھی، میں اسے مارنے لگ گئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تم نرم رویہ اختیار کیا کرو۔" ❷

قانون سازی کے انوکھے انداز اور اس کے راز کو بیان کرتے ہوئے آنحضرت ﷺ ارشاد فرمار ہے ہیں: "نرمی جس چیز میں ہوگی اسے خوبصورت بنائے گی اور جس چیز سے اسے ختم کر دیا جائے گا اسے عیب ناک کر دے گی۔" ❸

یعنی جب کسی چیز میں نرمی آ جاتی ہے تو وہ حسین وجمیل اور پسندیدہ ہو جاتی ہے۔ حسنِ سلوک، نرم گفتگو اور عفو ودرگزر ہی وہ طریقے ہیں جن سے اُسلوب بہتر ہوتا ہے اور اسے لوگوں کے ہاں مقبول بناتا ہے۔

الفاظ کی درشتی، اُسلوب کی خشکی، چہرے کی عبوست، سامع اور اس کے کاموں پر اُف اُف کہنا ایسے انداز ہیں جو داعی اور دعوت کو خراب اور مدعوین کو متنفر کرتے ہیں۔ ایک صحابی عبداللہ بن اُم مکتوم رضی اللہ عنہ کے سامنے پیشانی پر شکن لانے کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کو عتاب کیا جا رہا ہے جبکہ آپ سردارانِ قریش کو دعوتی مصلحت کی خاطر اس پر مقدم کر رہے تھے۔ اس بنا پر اللہ کے رسول ﷺ کو عتاب ہو رہا ہے تو ان داعیوں کا کیا بنے گا جو لوگوں کے سامنے اکڑفوں کرتے اور طرح طرح کے نخرے دکھاتے ہیں اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ ان کے اور مدعوین کے درمیان کوئی پرانی عداوت اور لڑائی چلی آ رہی ہے۔ ❹

---

❶ مسلم: ۲۵۹۳۔ ❷ أحمد: ج٦ ص ١٢٥۔ مسلم: ٢٥٩٤۔

❸ مسلم: ٢٥٩٤۔

❹ الترمذي: ٣٣٣١۔ الحاكم: ج ٢ ص ٥١٣۔ صحيح الترمذي: ٢٦٥١۔

داعی کو چاہیے کہ وہ اپنے اُسلوب پر نظرِ ثانی کرے اگر یہ بات زیادہ نہیں تو نصف کامیابی ضرور ہے۔

ج: شفقت اور خیر خواہی نہ کہ سرزنش اور رسوائی:...... عوام الناس مریض ہیں۔ داعی ان کا ڈاکٹر ہے خیر خواہ ڈاکٹر مریضوں کے لئے مشفق ہوتا ہے۔ اس کا ہدف ان کا علاج کرنا، انہیں تندرست بنانا اور موجودہ مشکل سے نجات دلانا ہے۔ انہیں ڈانٹنا، رسوا کرنا اور مایوس کرنا اس کے لئے صحیح نہیں ہے اس سے تو ان کے مرض میں اضافہ ہوگا، انہیں نقصان در نقصان اور پریشانی ہوگی۔ اسی طرح ایک داعی کا اُسلوب بھی اپنے مدعوین کے ساتھ شفقت و مہربانی پر مبنی ہونا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم ﷺ کے بارہ میں ارشاد فرمایا ہے:

﴿لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ۝﴾ [التوبة: ١٢٨]

''تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک رسول آچکا ہے، جس پر تمہارا ہلاکت میں پڑنا بہت شاق ہے۔ وہ تمہارے ایمان کا حریص اور اہلِ ایمان کے لئے سراپا شفقت و رحمت ہے۔''

آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے:

((اَلدِّينُ النَّصِيحَةُ .)) ❶

''دین خیر خواہی کا نام ہے۔''

آپ ﷺ نے دین کا مرکز و محور نصیحت کو قرار دیا ہے نہ کہ فضیحت کو۔ نصیحت اور فضیحت کے انداز اور تاثر میں زمین و آسمان کا سا فرق ہے۔

مسلمانوں کی لغزشیں تلاش کرنا اور ان کے راز افشاء کرنا کچھ داعی حضرات کی واضح غلطی ہے جو بظاہر اچھی بات معلوم ہوتی ہے اور بباطن بہت عیب ناک ہے۔

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: '' اے وہ لوگو! جو زبانی ایمان لائے ہو اور جن کے

---

❶ مسلم: ۵۵۔

دلوں میں ایمان نہیں اترا،تم مسلمانوں کی غیبت نہ کیا کرو اور ان کے عیب تلاش نہ کیا کرو۔ جو شخص ان کے عیب تلاش کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے عیوب کے پیچھے پڑ جائے گا۔ اللہ تعالیٰ جس کے عیب کے پیچھے پڑ گیا وہ اسے گھر کے اندر بھی رسوا کردے گا۔ ❶

بلکہ اس کے برعکس اسلام نے مسلمانوں کی خامیوں پر پردہ پوشی ڈالنے کا حکم دیا ہے۔ رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

((مَنْ سَتَرَ مُسْلِماً سَتَرَهُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ۔)) ❷

"جو شخص کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا اللہ تعالیٰ دنیا وآخرت دونوں جہان میں اس کی پردہ پوشی کرے گا۔"

رسول اللہ ﷺ جب دیکھتے کہ کسی شخص نے غلطی کی ہے تو آپ کرنے والے کو خفیہ رکھ کر نصیحت کا فریضہ ادا کرتے۔ منبر پر کھڑے ہو کر فرماتے:

((مَا بَالُ أَقْوَامٍ......)) ❸

"پتہ نہیں لوگوں کو کیا ہو گیا ہے......"

اس طرح فریضہ تبلیغ کو بھی ادا کرلیتے اور ستر پوشی کے فریضہ سے بھی عہدہ برا ہو جاتے۔ ایک داعی کے لئے اس توازن کو برقرار رکھنا ضروری ہے، عام خطاب کے عنوان کے تحت اس کی تفصیل آرہی ہے۔

گزشتہ مضامین میں کچھ اُصول بیان ہو چکے ہیں جو اس مضمون میں شامل ہو سکتے ہیں مثلاً: ہم نے علاج کرنا ہے نہ کہ چیر پھاڑ، ہم نے نصیحت کرنی ہے نہ کہ فضیحت، وہاں ان کی تشریح ہو چکی ہے یہاں دوبارہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

د: دعوتی اُسلوب رواں دواں اور قابل عمل ہونا چاہیے: ..... دعوت وتبلیغ کا

---

❶ أحمد ج:٤ ص ٤٢٠، ٤٢١۔ مسند أبو يعلى: ٧٤٢٣ صحيح أبو داؤد: ٤٠٨٣۔

❷ مسلم: ٢٦٩٩۔

❸ أحمد ج٣ ص٢ بخاري: ٧٥٠ مسلم: ١٤٠١۔

مقصد یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو پہنچایا اور سامعین کو سمجھایا جائے نہ کہ خطیبانہ بلاغت اور مسجع جملے اور مقفٰی عبارتیں پیش کی جائیں۔ نا قابل فہم تصوراتی ضرب الامثال، مشکل ترکیبیں اور اصطلاحات استعمال کی جائیں۔

فرمان الٰہی ہے:

﴿ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ ﴾ [ابراهيم : ٤]

"اور ہم نے جو رسول بھی بھیجا اس کی قوم کی زبان میں بھیجا تا کہ وہ ان پر اچھی طرح واضح کر دے۔"

اللہ تعالیٰ نے صرف یہ بیان کرنے پر اکتفا نہیں کیا کہ رسول قوم کے ہم زبان ہوتے تھے بلکہ اس کی وجہ بھی ذکر کی ہے اور وہ ہے تشریح، وضاحت۔

آئندہ اُسلوبِ قرآن وسنت کے مضمون میں اس کی مزید وضاحت بیان کی جارہی ہے۔

(۳) اُسلوبِ قرآن کی جھلکیاں:

قرآنِ کریم کا اُسلوب آسان اور واضح ہے۔ اس کے اندازِ گفتگو میں تنوع پایا جاتا ہے۔ اس کی عبارتوں میں کوئی پیچیدگی نہیں، انداز بیان میں کوئی فلسفیانہ طرز نہیں، اس کی مثالیں محض خیالی اور تصوراتی نہیں ہیں۔ ارشادِ رب العزت ہے:

﴿ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۝ ﴾ [القمر : ١٧]

"اور ہم نے قرآن کو تذکیر کے لئے نہایت موزوں بنایا ہے تو ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا؟"

قرآن مجید کو جو لوگ سمجھ نہیں پاتے ان کا مسئلہ یہ ہے کہ عربوں میں عجمیت آ گئی ہے اور وہ اصل زبان سے دور ہو گئے ہیں۔ وگرنہ کون سا عرب ہے جو "قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ" کا معنی نہ سمجھ سکے،

اسے ﴿ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ﴾ کا مطلب سمجھ میں نہ آئے۔ یہ سب قرآنِ مجید کے آسان، واضح اور عام فہم ہونے ہی کی بنا پر ہے۔

قرآن مجید کا طرزِ تخاطب اور اس کے مطالب کسی عرب کے لیے مشکل نہیں ہیں۔ ہاں کچھ ایسے الفاظ سمجھنا مشکل ہوتے ہیں جنہیں استعمال کرنا عربوں نے چھوڑ دیا ہے۔ جہاں تک اُسلوب کا تعلق ہے تو قرآن مجید نے مختلف اُسلوب اپنائے ہیں جیسا کہ گزشتہ باب میں اس کی طرف اشارہ ہو چکا ہے۔ اس میں آپ بیک وقت حتمی فیصلہ اور پختہ حکم بھی سنیں گے اور اسی اثناء میں پرتاثیر واقعات، عبرت آمیز مثالیں، سابقہ قوموں کے واقعات، ٹھوس احکام ومسائل اور مستقبل کی خبریں بھی۔ پھر اچانک آپ قیامت کے مختلف منظر اور جنت اور دوزخ کے منظر ایسے سن رہے ہوں گے جیسے یہ سب آپ کے سامنے ہو رہا ہو۔ جنتیوں اور دوزخیوں دونوں کے ساتھ پیش آمدہ صورتِ حال کو ایک دفعہ سن کر دیکھیں دوزخی کہیں گے:

﴿وَنَادَوْا يَمَالِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ ۖ قَالَ إِنَّكُم مَّاكِثُونَ ۞﴾

[الزخرف : ۷۷]

''اور وہ پکاریں گے'' مالک'' تمہارا پروردگار ہمیں موت دے دے۔ وہ کہے گا کہ تم ہمیشہ اسی حالت میں رہو گے۔''

جنتی کہیں گے:

﴿وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي صَدَقَنَا وَعْدَهُ وَأَوْرَثَنَا الْأَرْضَ نَتَبَوَّأُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَاءُ ۖ فَنِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِينَ ۞﴾ [الزمر : ۷٤]

''وہ کہیں گے کہ اللہ کا شکر ہے جس نے اپنا وعدہ ہم سے سچا کر دیا اور ہمیں اس زمین کا وارث بنا دیا، ہم بہشت میں جس مقام میں چاہیں رہیں، (اچھے) عمل کرنے والوں کا بدلہ بھی کیسا خوب ہے۔''

اس میں آپ کو مفید مکالمہ اور مُسکت مناظرہ دکھائی دے گا۔ جس میں بیک وقت عقلی دلائل اور وجدانی محرکات کھلے طور سے بیان کیے جا رہے ہیں۔ اور یہ سب ایک ایسے انداز میں ہے کہ دیکھنے والے کو ترغیب کے موقع پر الفاظ میں سوز اور تخویف کے موقع پر قوتِ تاثیر نظر آئے گی۔ وہ اس میں اُلفت بھرے الفاظ دیکھے گا جو نرم دلوں سے محو راز ہیں۔ جس سے

اُنس و محبت ٹپک رہی ہے اور بے چینی کے بعد طمانیت حاصل ہو رہی ہے۔ اسی اثناء میں آپ کو وجدان کو حرکت میں لانے اور شعور کو بیدار کرنے کے لئے وعظ و نصیحت کے الفاظ بھی دکھائی دیں گے۔ اس کے ساتھ ہی کلام کا رُخ خوف دلانے والے الفاظ کی طرف ہو جاتا ہے جس سے دماغی دنیا سرزنش محسوس کرتی ہے اور دل مرعوب ہو جاتا ہے۔ آپ کو اس میں محکم و متشابہ بھی نظر آئے گا اور مجمل و مفصل بھی اور یہ شفقت بھرے الفاظ اور سچے وعدے کی صورت میں چنانچہ ملاحظہ فرمائیں:

﴿مَا يَفْعَلُ اللَّهُ بِعَذَابِكُمْ إِنْ شَكَرْتُمْ وَآمَنْتُمْ ۚ وَكَانَ اللَّهُ شَاكِرًا عَلِيمًا﴾

[النساء : ۱۴۷]

''اگر تم اللہ کے شکر گزار ہو جاؤ اور اس پر ایمان لے آؤ تو اللہ تمہیں عذاب دے کر کیا کرے گا، اللہ تو قدر شناس (اور) بہتر جاننے والا ہے۔''

نیز فرمایا:

﴿إِنَّهُ بِعِبَادِهِ خَبِيرٌ بَصِيرٌ﴾ [الشوریٰ : ۲۷]

''بیشک وہ اپنے بندوں کو خوب جانتا (اور) دیکھتا ہے۔''

کبھی تند و تیز الفاظ اور سخت وعید کے ذریعے دھمکی دی جا رہی ہے:

﴿وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ﴾ [الشعراء : ۲۲۷]

''اور ظالم عنقریب جان لیں گے کہ کون سی جگہ لوٹ کر جاتے ہیں۔''

یہ سب پُر کشش اُسلوب، جاذبِ نظر الفاظ اور ایسے پیرائے میں ہے جو تمام مضامین کے ساتھ ہر صاحب دل و دماغ کے عین مطابق ہے۔ یہ سب اس لئے ہے کہ خطاب تمام لوگوں کے لئے ہو، وہ دلوں پر مؤثر بھی ہو اور دلائل سے مزیّن بھی تاکہ جو شخص رغبت دلانے سے متاثر نہ ہو سکے وہ خوف دلانے سے متاثر ہو جائے جس کا دل حرکت میں نہ آئے اس کا دماغ سوچنے لگ جائے۔ فرمانِ ربّ العزت ہے:

﴿اللَّهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ كِتَابًا مُتَشَابِهًا مَثَانِيَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُودُ الَّذِينَ

يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ۚ ثُمَّ تَلِينُ جُلُودُهُمْ وَقُلُوبُهُمْ إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ ۚ ذَٰلِكَ هُدَى اللَّهِ يَهْدِي بِهِ مَن يَشَاءُ ۚ وَمَن يُضْلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ ﴾ [الزمر: ٢٣]

"اللہ نے بہترین کلام اتارا ہے جو ملتے جلتے اور بار بار پڑھی جانے والی کتاب کی صورت میں ہے۔ جو اپنے رب سے ڈرنے والے ہیں اسے سن کر ان کے بدن اور ان کے دل نرم ہو کر اللہ کے ذکر کی طرف جھک پڑتے ہیں، یہ اللہ کی ہدایت ہے، وہ جسے چاہتا ہے ہدایت بخشتا ہے اور جسے اللہ گمراہ کر دے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔"

قرآنِ مجید کی مثالوں پر غور کریں وہ کس قدر شاندار، آسان فہم، پُرتاثیر اور سلیس ہیں۔ مرد و زن، عرب و عجم، شہری و دیہاتی سب کے لئے یکساں مناسب ہیں۔ یہ ہے قرآنِ مجید کا اندازِ بیان بالکل آسان، واضح، عملی دنیا کے مطابق اور لوگوں کی ثقافت اور نسلوں کے مختلف ہونے کے باوجود ان سب کے ساتھ یکساں مناسبت رکھنے والا۔

(۴) اُسلوبِ سنت کی جھلکیں:

اس سلسلہ میں جو کچھ قرآنِ مجید کے بارہ میں کہا جا رہا ہے یہی صورتِ حال سنت مطہرہ کی ہے۔ سید البلغاء افضل العرب حضرت محمد ﷺ بھی ایسے انداز میں بات کر رہے ہیں کہ مختلف طبقوں کے تمام انسان چودہ سو سال بعد بھی سمجھ سکتے ہیں۔

آنحضرت ﷺ کا یہ فرمان بھلا کون نہیں سمجھے گا "جس شخص کا اللہ تعالی پر اور یومِ آخرت پر ایمان ہے وہ اپنے مہمان کی عزت کرے، جس شخص کا اللہ تعالی پر اور یوم آخرت پر ایمان ہے وہ اپنے ہمسائے کو ایذاء نہ دے، جس شخص کا اللہ تعالی اور آخرت کے دن پر ایمان ہے وہ جب بھی بات کرے اچھی بات کرے یا خاموش رہے۔"❶

کون ہے جو آپ کے اس فرمان کو اچھی طرح سمجھ نہیں پا رہا:

---

❶ بخاری: ٦٤٧٥۔ مسلم: ٤٧۔

((اَلْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ ، لَا يَظْلِمُهُ ، وَلَا يَحْقِرُهُ.....)) ❶

''ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے نہ وہ اس پر ظلم کرے اور نہ اسے حقیر سمجھے.....''

اسی طرح یہ فرمان ہے''ایک مسلمان کی عزت و آبرو اور مال و دولت اور جان دوسرے مسلمان کے لئے حرام ہے۔'' ❷

یہ فرمان ہی لے لیں:

''عملوں کا دارومدار نیتوں پر ہے۔'' ❸

مسلمانوں کا مسئلہ یہ ہے کہ وہ عربی زبان سے دور ہیں رسول اللہ ﷺ کا انداز گفتگو یہ تھا کہ ایک بات کو تین تین دفعہ دہراتے تا کہ وہ اچھی طرح سمجھ آ جائے۔ ❹

آپ کھول کھول کر بات بیان کرتے اور اسے آہستہ آہستہ پیش کرتے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ اس طرح گفتگو فرماتے کہ اگر کوئی شخص الفاظ گننا چاہے تو گن سکتا۔ ❺

عملی دنیا میں سے خوبصورت مثالیں بیان کرتے کہ صحابہ اسے سمجھ لیتے اور اس کی گہرائی تک پہنچ جاتے، صاحب ایمان کی خوبصورت مثال بیان کرتے ہوئے کہا کہ ''وہ ایک بالی کی طرح ہے کبھی سیدھی ہوتی ہے تو کبھی گر جاتی ہے۔'' ❻

''اچھے دوست اور برے دوست خوشبو فروخت کرنے والے اور بھٹی میں آگ جلانے والے کی طرح ہیں۔'' ❼

---

❶ مسلم: ٢٥٦٤۔ احمد: ج٢ ص ٢٧٧۔ مسند عبد بن حمید: ١٤٤٢۔

❷ مسلم: ٢٥٦٤۔ ❸ بخاری: ١۔ مسلم: ١٩٠٧۔

❹ بخاری: ٩٥۔ ❺ بخاری: ٣٥٦٧۔ مسلم: ٢٤٩٣۔

❻ أحمد: ج٣ ص ٣٤٩۔ ابو یعلی: ٣٠٨٠۔ عبد بن حمید: ١٠١٠۔ صحیح الجامع: ٥٨٤٤، ٥٨٤٥۔

❼ بخاری: ٢١٠١۔ مسلم: ٢٦٢٨۔

''منافق کی مثال ایک بکری کی طرح ہے جو دو ریوڑوں کے درمیان پریشان پھر رہی ہو۔'' ❶

دیکھئے! صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یا ہم چودہ سو سال بعد آنے والوں میں کون شخص ہے جو بالی یا خوشبو بیچنے والے شخص یا بکری کو نہ جانتا ہو۔

حدیث پاک میں ایسی عمدہ مثالیں لاتعداد ہیں یہ سب کچھ ایک عمدہ اور مفید انداز، آسان الفاظ، قابل فہم عبارت خوبصورت طرز ادا اور حسین و جمیل تلفظ کے ساتھ بیان ہوا ہے۔

مبلغین ذرا دیکھیں! آج ہم کہاں کھڑے ہیں؟

ضرب الامثال کے باب میں کچھ اور مثالیں بھی بیان ہوں گی۔

(۵) دعوتی اُسلوب میں کچھ داعی حضرات کی غلطیاں:

کتاب و سنت کی سابقہ نصوص سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو حضرات تقریر، تدریس یا تصنیف میں پیچیدہ انداز اپناتے ہیں اور مشکل الفاظ کا انتخاب کرتے ہیں وہ غلطی کرتے ہیں۔ بیشتر مسلمان اور خصوصاً تحریکی نوجوان جو تحریر کرتے ہیں اسے سمجھتے نہیں اور جو سنتے ہیں اس پر توجہ نہیں دیتے۔ ان میں کچھ تو ایسے ہیں جن کی تقریریں اور تصنیفات کے لئے قاری اور سامع کو ڈکشنری پاس رکھنا پڑتی ہے اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ اصل مقصد لفاظی میں مقابلہ یا تعبیر میں چیلنج ہے۔

ان میں سے اکثر افراد کی تقریریں اور دروس قابلِ ذکر فائدہ سے تقریباً خالی ہوتے ہیں۔ ان کا مقصد معلومات کا تسلسل ہوتا ہے نہ کہ انہیں سہل انداز میں پیش کرنا، یا پھر معلومات کی کثرت مقصود ہوتی ہے نہ کہ انہیں اچھی طرح سمجھنا۔

اُسلوب کی آسانی، اندازِ پیش کش کا عام فہم ہونا اور الفاظ کی شیرینی لوگوں کو غور سے سننے، پھر سیکھنے، پھر اس سے متاثر ہونے اور پھر عمل پیرا ہونے پر مجبور کر دیتی ہے۔ جب کہ مشکل انداز، پیچیدہ پیش کش لوگوں کا رُخ موڑ دیتے ہیں اور اس کا نتیجہ تنگی ہے۔

---

❶ مسلم: ۲۷۸٤۔

اس سے بھی بڑی بات یہ ہے کہ عقیدے کے مضمون میں افلاطونی الفاظ اور فلسفی عبارتیں استعمال ہوتی ہیں جبکہ یہ شریعت کے بھی خلاف ہے اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کردہ طریقے سے بھی ہٹ کر نیز کتاب وسنت کی راہنمائی سے بہت دور ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ائمہ اربعہ کے فہم کے بھی خلاف ہے جسے سلف صالحین کا صاف ستھرا عقیدہ کہا جاتا ہے۔

(۶) جذبات اور عقل و خرد کو ابھارنا:

اس میں چار عنوانات ہیں:

الف: مذکورہ بالا اُصول کی اہمیت:..... داعی کے حُسنِ اسلوب اور لوگوں کو اپنی طرف مائل کرنے اور متاثر کرنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ اس کی گفتگو جذبے کو ابھارنے پر بھی مشتمل ہو لیکن وہ اس میں حد سے نہ بڑھے۔ اس کے ساتھ اس میں ٹھوس دلائل اور اُسلوب کی متانت بھی نمایاں ہو جو عقل وفکر کو حرکت میں لائے لیکن وہ محض اسی پر اکتفاء نہ کرے۔ کچھ لوگ ایسے جذبات رکھتے ہیں کہ وہ دل کو گرمانے والی اور احساس کو تحریک دینے والی گفتگو سے متاثر ہوتے ہیں، کچھ عقلی دلائل اور فکری انداز سے متاثر ہوتے ہیں۔ اس لئے داعی کی دانائی یہ ہے کہ اس کی تقریر دونوں قسم کے لوگوں کے لئے ہو۔ اس کا انداز عقل پسند اور جذباتی دونوں قسم کے افراد کے مطابق ہو۔ اگر داعی کا اُسلوب جذبے کو اُبھارنے کی حد تک محدود رہے، اس کی گفتگو میں سوچ و بچار کی دعوت نہ ہو، عقلی اور فکری دلائل نہ ہوں تو اس کے کچھ مدعوین اس کی بات سننے سے گریز اور اسے کم تر سمجھنے کا رُخ بھی اختیار کر لیتے ہیں، جیسا کہ محض عقل وفکر کی انگیخت پر زور دیتے رہنے سے بیشتر لوگ اُکتا جاتے ہیں اور کچھ نہ پانے کی بنا پر بات سے رُخ موڑ لیتے ہیں۔

ب: قرآنِ مجید میں دل ودماغ کو مخاطب ہونے میں توازن واعتدال:..... لوگوں سے مخاطب ہونے میں اس اعتدال وتوازن کی اہمیت کے پیشِ نظر قرآنِ مجید نے بے مثال طرزِ اعتدال اپنایا ہے۔ اس کا اُسلوب ان دونوں نکات پر مشتمل ہے مثلاً:

درج ذیل عبارتوں پر غور کریں یہ بیک وقت دلیل بھی پیش کر رہی ہیں اور عقل وشعور کو

بھی ابھار رہی ہیں:

﴿ أَمِ اتَّخَذُوا آلِهَةً مِّنَ الْأَرْضِ هُمْ يُنشِرُونَ ۝ لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا ﴾ [الأنبياء: ۲۱، ۲۲]

''لوگوں نے زمین کی جن چیزوں کو معبود بنا لیا ہے کیا وہ انہیں مرنے کے بعد اٹھا کھڑا کریں گے؟ اگر آسمان اور زمین میں اللہ کے سوا اور معبود ہوتے تو زمین و آسمان درہم برہم ہو جاتے۔''

﴿ قُل لَّوْ كَانَ مَعَهُ آلِهَةٌ كَمَا يَقُولُونَ إِذًا لَّابْتَغَوْا إِلَىٰ ذِي الْعَرْشِ سَبِيلًا ۝ ﴾ [الاسراء: ۴۲]

''کہہ دو کہ اگر اللہ کے ساتھ اور معبود ہوتے جیسا کہ یہ کہتے ہیں تو وہ ضرور (اللہ) مالکِ عرش کی طرف (لڑنے بھڑنے کے لئے) رستہ نکا لتے۔''

﴿ أَمْ خُلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ أَمْ هُمُ الْخَالِقُونَ ۝ ﴾ [الطور: ۳۵]

''کیا یہ کسی کے پیدا کیے بغیر ہی پیدا ہو گئے ہیں یا یہ خود اپنے آپ کو پیدا کرنے والے ہیں؟''

کیسے بے مثال عقلی اعتراضات اور کتنے صحیح فکری دلائل ہیں۔ عقلِ سلیم اور فکرِ صحیح ان کے سامنے پیکرِ تسلیم و اقرار ہو رہے ہیں۔

دوسری طرف بشری وجدان اور جذبے کو تحریک دینے والی ان عبارتوں پر غور کریں جو رقت آمیز اُسلوب اور پُر تاثیر الفاظ پر مشتمل ہیں مثلاً:

﴿ أَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَن تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللَّهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ وَلَا يَكُونُوا كَالَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِن قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْأَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوبُهُمْ ۖ وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ فَاسِقُونَ ۝ ﴾ [الحدید: ۱۶]

''کیا ابھی تک مومنوں کے لئے یہ وقت نہیں آیا کہ اللہ کی یاد کرتے وقت اور (قرآن) جو (اللہ بر) حق (کی طرف) سے نازل ہوا ہے اس کے سننے کے

وقت ان کے دل نرم ہو جائیں اور وہ ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں جنہیں (ان سے) پہلے کتابیں دی گئی تھیں پھر ان پر زمانہ طویل گزر گیا تو ان کے دل سخت ہو گئے اور ان میں سے اکثر نافرمان ہیں۔"

﴿مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَ اٰمَنْتُمْ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا﴾

[النساء : ١٤٧]

"اگر تم اللہ کے شکر گزار ہو جاؤ اور اس پر ایمان لے آؤ تو اللہ تمہیں عذاب دے کر کیا کرے گا، اور اللہ تو قدر شناس اور بہتر جاننے والا ہے۔"

﴿وَاللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْكُمْ ۟ وَ يُرِيْدُ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ اَنْ تَمِيْلُوْا مَيْلًا عَظِيْمًا﴾ [النساء : ٢٧]

"اور اللہ تو چاہتا ہے کہ تم پر مہربانی کرے اور جو لوگ اپنی خواہشوں کے پیچھے چلتے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ تم سیدھے راستے سے بھٹک کر دور جا پڑو۔"

﴿وَ لَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَ اَشَدَّ تَثْبِيْتًا﴾

[النساء : ٦٦]

"اگر یہ اس نصیحت پر کاربند ہوتے جو انہیں کی جاتی ہے تو ان کے حق میں بہتر اور (دین میں) زیادہ ثابت قدمی کا موجب ہوتا۔"

بیک وقت عقل و وجدان کو ابھارنے اور جذبے کو تحریک دینے والی ایک اور خوبصورت آیت ملاحظہ ہو:

﴿قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِضِيَآءٍ ؕ اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ﴾ [القصص : ٧١]

"آپ فرمائیں دیکھو تو ذرا اگر اللہ تم پر ہمیشہ قیامت کے دن تک رات (کی تاریکی) کیے رکھے تو اللہ کے سوا کوئی معبود ہے جو تمہیں روشنی لا دے، تو کیا تم سنتے نہیں؟"

نیز یہ عبارت بھی ملاحظہ کریں:

﴿ قُلْ أَرَءَيْتُمْ إِنْ أَخَذَ اللَّهُ سَمْعَكُمْ وَأَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلَىٰ قُلُوبِكُم مَّنْ إِلَٰهٌ غَيْرُ اللَّهِ يَأْتِيكُم بِهِ ۗ انظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْآيَاتِ ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُونَ ۝ ﴾

[الانعام: ٤٦]

''(ان کافروں سے) کہہ دو کہ دیکھو اگر اللہ تمہارے کان اور آنکھیں چھین لے اور تمہارے دلوں پر مہر لگا دے تو اللہ کے سوا کون سا معبود ہے جو تمہیں یہ نعمتیں پھر بخشے؟ دیکھو ہم کس کس طرح اپنی آیتیں بیان کرتے ہیں پھر بھی یہ لوگ روگردانی کئے جاتے ہیں۔''

﴿ قُلْ أَرَءَيْتُمْ إِنْ أَصْبَحَ مَاؤُكُمْ غَوْرًا فَمَن يَأْتِيكُم بِمَاءٍ مَّعِينٍ ۝ ﴾

[الملك: ٣٠]

''آپ کہیں کہ تم مجھے بتاؤ اگر تمہارا پانی (جو تم پیتے ہو اور برتتے ہو) خشک ہو جائے تو (اللہ کے سوا) کون ہے جو تمہارے لئے شیریں پانی کا چشمہ بہا لائے؟''

اللہ آپ کا بھلا کرے غور کریں اللہ تعالیٰ نے ''تمہارا کیا خیال ہے'' کہہ کر کس طرح عقل کو تحریک اور فکر کو مہمیز دی تا کہ انسان نصیحت حاصل کرے اور غور و فکر کرے کہ اگر ہمیشہ دن ہی دن ہوتا یا رات ہی رات رہتی تو صورتِ حال کیا ہوتی۔

یہ چیز ایمان میں اضافے اور اللہ تعالیٰ کا مزید شکر ادا کرنے کا سبب ہے۔ علاوہ ازیں انداز بیان کس قدر ولولہ انگیز ہے، اللہ کی طرف سے یہ خوف دلا رہا ہے کہ کہیں وہ رات کو مستقل اور دن کو دائمی نہ بنا دے، سماعت کو معطل، بصارت کو خیرہ اور دلوں کو مہر زدہ نہ کر دے۔

ج: انبیاء کی دعوت میں عقل اور جذبے میں توازن:...... انبیاء و رسل علیہم السلام نے بھی یہی طریقہ اختیار کیا، وہ بھی لوگوں سے مخاطب ہوتے ہوئے عقل و شعور اور جذبات کو تحریک دینے میں توازن کو ملحوظ رکھتے تھے۔

دیکھیے! حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی گفتگو میں دونوں کو ایک ساتھ رکھ کر کہہ رہے ہیں: اے

میرے پیارے ابا جان! آپ ایسی چیزوں کی عبادت کیوں کرتے ہیں جو نہ سنتی ہیں اور نہ دیکھتی ہیں۔" "اے میرے پیارے ابا جان!" کے الفاظ میں دل کو مخاطب کر کے اس میں جذبہ پیدا کرنے کا پہلو ہے جبکہ "آپ ایسی چیزوں کی عبادت کیوں کرتے ہیں؟" ان الفاظ میں عقل وشعور اور فہم وادراک کو بیدار کرنے کا پہلو ہے۔

ایسے ہی ایک موقع پر حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ان الفاظ میں مخاطب ہوئے تھے ﴿یَا ابْنَ أُمَّ﴾ اے میرے مادر زاد بھائی [طٰہٰ:۹۴] اس گہرے طرز تخاطب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وجدان کو حرکت میں لانے کا پہلو کتنا عیاں ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام بھی اپنے قیدی ساتھیوں سے اسی طرح مخاطب ہوتے ہوئے نظر آتے ہیں:

﴿يَٰصَٰحِبَيِ ٱلسِّجۡنِ ءَأَرۡبَابٞ مُّتَفَرِّقُونَ خَيۡرٌ أَمِ ٱللَّهُ ٱلۡوَٰحِدُ ٱلۡقَهَّارُ ۝ مَا تَعۡبُدُونَ مِن دُونِهِۦٓ إِلَّآ أَسۡمَآءٗ سَمَّيۡتُمُوهَآ أَنتُمۡ وَءَابَآؤُكُم مَّآ أَنزَلَ ٱللَّهُ بِهَا مِن سُلۡطَٰنٍۚ إِنِ ٱلۡحُكۡمُ إِلَّا لِلَّهِۚ أَمَرَ أَلَّا تَعۡبُدُوٓاْ إِلَّآ إِيَّاهُۚ ذَٰلِكَ ٱلدِّينُ ٱلۡقَيِّمُ وَلَٰكِنَّ أَكۡثَرَ ٱلنَّاسِ لَا يَعۡلَمُونَ ۝﴾ [یوسف:۳۹۔۴۰]

"اے میرے جیل کے دونوں ساتھیو! کیا الگ الگ بہت سے رب بہتر ہیں یا اکیلا اللہ جو سب پر حاوی وغالب؟ تم اس کے سوا صرف ناموں کو پوجتے ہو جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھے ہیں۔ اللہ نے ان کی کوئی دلیل نہیں اتاری، اختیار واقتدار صرف اللہ ہی کا ہے اس نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی پرستش نہ کرو یہی دین پائیدار ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔"

اس مضمون میں جذبے کو حرکت میں لانے، عقل وشعور کو بیدار کرنے اور استحکام فکر جیسے سارے پہلو موجود ہیں۔ "میرے ہم قید ساتھیو" کے الفاظ میں جذبے کو حرکت میں لانے کا ایسا انداز ہے جسے قید وبند کی صحبت ہی پیدا کر سکتی ہے۔ جبکہ "الگ الگ" کے الفاظ سے عقل وشعور اور فکر ووجدان کو متحرک کیا گیا ہے۔

﴿مَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِهٖٓ اِلَّآ اَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ﴾

[يوسف: ٤٠]

"تم اس کے سوا صرف ناموں کو پوجتے ہو جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھے ہیں۔" ان الفاظ میں پختگی اور دوٹوک انداز ہے۔

د: حدیثِ نبوی اور عقل و شعور:..... رسول اللہ ﷺ کا اُسلوب، قرآنِ مجید اور دیگر انبیاء و رسل ﷺ سے ہی حاصل کردہ ہے۔

آنحضرت ﷺ کا اندازِ گفتگو اس طرح ہوا کرتا تھا کہ اس میں عقل و شعور، اِدراک و وِجدان اور دِل کی کیفیت دونوں کو بیک وقت حرکت میں لے آتا۔ مثلاً: آپ ﷺ نے ایک نوجوان کو جس نے زِنا کرنے کی اجازت طلب کی تھی ان الفاظ میں جواب دیا تھا "کیا تم یہ کام اپنی ماں کے لئے پسند کرو گے؟ کیا تم اسے اپنی بہن کے لئے پسند کرو گے.....؟ ❶

اس میں وِجدان، شعور اور فطرتِ انسانی دونوں کو مدِ نظر رکھا گیا ہے۔ اسی طرح ایک اور موقع پر آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کرام ﷺ سے فرمایا تھا:

((إِنَّمَا أَنَا لَكُمْ بِمَنْزِلَةِ الْوَالِدِ......)) ❷

"میرا تو تمہارے ساتھ ایک والد کا سا تعلق ہے....."

"میرا تو تمہارے ساتھ ایک والد کا سا تعلق ہے" کیا اس سے بڑھ کر تحریکِ جذبہ کا کوئی انداز ہوسکتا ہے۔ آپ ﷺ کے مختلف کاموں میں شفقت و مہربانی پیدا کرنے کا انداز انتہائی نمایاں نظر آتا ہے، مثلاً آپ ﷺ بچوں کو بوسہ دے رہے ہیں، کسی مسلمان کو آپ ﷺ نے دستِ مبارک سے کبھی مارا نہیں، ایذاء رسانی کرنے والوں سے درگزر فرمایا

---

❶ أحمد: ج٥ ص ٢٥٦ ۔ ٢٥٧۔ معجم كبير طبرانی: ٧٦٧٩، ٧٧٥٩۔ مسند الشاميين: ١٥٢٣۔ قال الهيثمي في المجمع: ج١ ص ١٢٩ رواه احمد والطبراني في الكبير، ورجاله رجال الصحيح۔

❷ صحيح أبو داؤد: ٦۔

کرتے تھے۔

ایک داعی و مبلغ کا اسلوب بھی صرف گفتگو کی حد تک محدود نہیں ہے۔ اس میں ایسے کام بھی نہ صرف شامل ہیں بلکہ اس کے مدعا و مقصود میں زیادہ کردار ادا کرتے ہیں۔ جہاں تک عقل و شعور کا تعلق ہے تو حدیثِ نبوی میں اس کی بہت سی مثالیں ہیں، مثلاً ایک دفعہ آپ ﷺ سے پوچھا گیا: ''جب کوئی شخص شہوتِ نفس کو پورا کرتا ہے تو کیا اسے ثواب ہوتا ہے، آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا: ''تم مجھے یہ بتاؤ اگر وہ اسے حرام کام میں استعمال کرے تو کیا اسے گناہ نہیں ہوگا؟ ❶

جب آپ ﷺ سے بیماری کے متعدی ہونے کے بارہ میں پوچھا گیا کہ ایک خارشی اونٹ سے دوسرے اونٹ بھی خارش زدہ ہو جاتے ہیں اس کے بارہ میں آپ کا کیا خیال ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''پہلے تک یہ بیماری کس نے پہنچائی تھی؟'' ❷

ایک عورت نے آنحضرت ﷺ سے اپنی والدہ کی طرف سے حج کرنے کے متعلق پوچھا جو حج کئے بغیر فوت ہوگئی تھی۔ تو آپ ﷺ نے اسے ان الفاظ میں جواب دیا: ''تمہارا کیا خیال ہے اگر تمہاری والدہ پر قرض ہوتا تو کیا تم اسے ادا کرتی؟ اللہ تعالیٰ کا قرض بھی ادا کرو اس کے قرض کی ادائیگی زیادہ ضروری ہے۔'' ❸

یہ سارے اندازِ تخاطب عقل و شعور کو حرکت میں لاتے ہیں اور فکر و وجدان کو ابھارتے ہیں۔ ایک عقل مند داعی کا اسلوب بھی پُر تاثیر ہونا چاہیے اس کے دعوتی انداز میں جذبہ اور شوق پیدا کرنے اور عقل و فکر کو متحرک کرنے والے دونوں کا عنصر موجود ہوں۔

جب وہ شوق اور جذبہ پیدا کرنا چاہے تو اس کی بات مضبوط دلائل اور قطعی براہان پر مشتمل ہو اور جب عقل و شعور کو مخاطب کر رہا ہو تو اس میں فکر و وجدان اور شعور و آگہی کو متحرک کر دے۔

❶ مسلم: ١٠٠٦۔
❷ بخاری: ٥٧١٧۔ مسلم: ٢٢٢٠۔
❸ بخاری: ١٨٥٢، ٦٦٩٩، ٧٣١٥۔

عقل وشعور کے محرکات مخاطب کو قائل کریں گے اور جذبہ وشوق کو مخاطب کرنے میں بات پر عمل پیرا ہونے اور مطمئن ہونے کا سامان ہے۔ اسی طرح ایک داعی تمام مطلوبہ پہلوؤں میں توازن پیدا کرے گا اور اپنے سامعین کو عقل وشعور اور جذبہ وشوق سب کی ضروریات فراہم کرے گا۔ اللہ تعالیٰ سے ہماری دُعا ہے کہ وہ ہمیں روشن فکر اور سچا دل عطا فرمائے۔ وہ یقیناً اس پر قادر ہے۔ آمین

(۷) تذکیر بذریعہ تاریخِ اقوام اور دعوتی خطاب میں اس کے فوائد ونقصانات:

اس میں تین عنوانات ہیں:

الف: مذکورہ بالا اُصول کی اہمیت:...... انسان کی یہ فطرت ہے کہ وہ فائدہ مند چیزیں اور انہیں حاصل کرنے کے ذرائع واسباب کو پسند کرتا ہے اور نقصان دہ چیزوں اور ان کے اسباب سے نفرت کرتا ہے یہ چیز بھی اس کے مزاج میں شامل ہے کہ وہ مفید ومضر دونوں چیزوں میں لاپروائی کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے انعامات کو بھلا کر اس کی سزا اس کی پکڑ گزشتہ دور کی باغی اقوام کے برے انجام اور نیک لوگوں پر ہونے والے انعامات کو طاقِ نسیاں میں رکھ دیتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَذَكِّرْهُم بِأَيَّامِ اللَّهِ﴾ [البقرة: ۲۳۱]

''اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کے انعام کو یاد رکھیں۔''

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا تھا کہ وہ بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ کے انعامات کی یاددہانی کرائیں:

﴿وَذَكِّرْهُم بِأَيَّامِ اللَّهِ﴾ [ابراهيم: ۵]

''اور ان کو اللہ کے یادگار ایام یاد دلاؤ۔''

امام ابن کثیر رحمہ اللہ اس کی تشریح میں فرماتے ہیں ''اس سے مراد یہ ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ کے مختلف انعامات واحسانات یاد دلائیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں فرعون کے ظلم واستبداد اور

قید و بند کی صعوبتوں سے کیسے نکالا۔ ان کے لئے دریا عبور کرنے کے لئے راستے بنا دیئے ان پر بادل کا سایہ کر دیا اور آسمان سے منّ و سلویٰ اتارا۔" ❶

انسان کو جب کسی چیز سے مفاد کا حصول نظر آئے تو وہ خوشی محسوس کرتا ہے اور اسے تسلیم کر لیتا ہے اور اگر اسے نقصان دکھائی دے تو وہ راہِ فرار اختیار کرتا ہے۔ قرآن و سنت میں ان کی تاکید سے ہٹ کر بھی یہ ساری چیزیں داعی کے مدّ نظر رہنی چاہیے۔

امام قرطبی رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے: آپ انہیں ایسی باتیں سنائیں جن سے انہیں گزشتہ اقوام کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا تصرّف یاد آئے۔ ابن عباس، مجاہد اور قتادہ تینوں نے اس کی تفسیر یہ کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے انعامات یاد دلا کر انہیں نصیحت کریں۔ ❷

حضرت ابی بن کعب رسول اللہ ﷺ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ کے انعامات یاد دلائیں کیسے اس نے انہیں فرعون سے نجات دلائی، میدانِ تیہ سے نکالا اور اس کے علاوہ بہت انعامات سے نوازا۔ ❸

وہ فرماتے ہیں کہ کبھی کبھی انعامات کو "تاریخ" سے بھی تعبیر کر دیا جاتا ہے۔ ❹

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو بھی اپنے انعامات بیان کرنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

﴿وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ﴾ [الضحیٰ: ۱۱]

"اور اپنے پروردگار کی نعمت بیان کرو۔"

ب: قرآنِ مجید میں تذکیر بذریعہ تاریخِ اقوام:..... اللہ تعالیٰ کی ذات اس قدر

❶ تفسیر ابن کثیر: ج ۲ ص ۵۴۲۔

❷ تفسیر عبد الرزاق: ج ۲ ص ۳۴۱۔ تفسیر ابن ابی حاتم: ج ۷ ص ۲۲۳۵ الدر المنثور: ج ۵ ص ٦۔

❸ زوائد المسند: ج ۵ ص ۱۲۲۔ مسند عبد بن حمید: ۱٦۸۔

❹ تفسیر القرطبی ج: ۹ ص: ۴۱۔

عظیم اور جلیل القدر ہے کہ اس کا کوئی بھی حکم وہ کسی کام کو کرنے سے تعلق رکھتا ہو یا اس سے رکنے سے، کسی نہ کسی حکمت اور مصلحت سے خالی نہیں ہوتا۔ اس کے باوجود قرآن مجید میں باری تعالیٰ نے اسی اُسلوب کو بندوں پر مہربانی وشفقت کے طور پر اور ان میں جذبۂ قبولیت پیدا کرنے کے لئے اختیار کیا ہے۔

ارشادِ ربّ العزت ہے:

﴿وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ﴾ [الاعراف: ۹۶]

''اور اگر بستیوں والے ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان و زمین کی برکتوں کے دروازے کھول دیتے لیکن انہوں نے جھٹلایا تو ہم نے ان کی کرتوتوں کی پاداش میں ان کو پکڑ لیا۔''

یہ فرمان بھی ملاحظہ ہو:

﴿وَّاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّآءً غَدَقًا﴾ [الجن: ۱۶]

''اور (مجھے وحی آئی ہے) کہ اگر یہ (قریش) سیدھی راہ پر گامزن رہتے تو ہم ان کو خوب سیراب کرتے۔''

نیز فرمایا:

﴿يَدْعُوْا لَمَنْ ضَرُّهٗٓ اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِهٖ﴾ [الحج: ۱۳]

''وہ ایسی چیزوں کو پکارتے ہیں جن کا ضرر ان کے نفع سے قریب تر ہے۔''

اور فرمایا:

﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا وَيَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ﴾ [البقرۃ: ۲۱۹]

''وہ تم سے شراب اور جوئے کے متعلق سوال کرتے ہیں، کہہ دو: ان

دونوں چیزوں کے اندر بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لئے کچھ فائدے بھی ہیں، لیکن ان کا گناہ ان کے فائدے سے بڑھ کر ہے۔ اور وہ تم سے پوچھتے ہیں کہ کتنا خرچ کریں؟ کہہ دو کہ جو ضروریات سے بچ رہے۔ اسی طرح اللہ تمہارے لئے اپنی آیتوں کی وضاحت کرتا ہے تا کہ تم غور کرو۔"

عورتوں کے سرپرستوں کو شادی سے روکنے سے منع کرنے کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے:

﴿ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَ اَطْهَرُ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۝﴾

[البقرۃ: ۲۳۲]

"یہی تمہارے لئے زیادہ پاکیزہ اور ستھرا طریقہ ہے، اور اللہ جانتا ہے تم نہیں جانتے۔"

قرآن مجید کا تقریباً ایک تہائی حصہ گزشتہ اقوام پر انعامات کرنے یا ان پر عذاب بھیجنے کی تاریخ پر مشتمل ہے۔

ج: انبیاء کرام علیہم السلام کا طریق کار:..... مفید اور مضر باتوں کی نشاندہی کے ذریعے وعظ و ارشاد کرنے کا اُصول انبیاء و رسل کے ہاں بھی رائج رہا ہے۔

دیکھئے! حضرت نوح علیہ السلام بیان کر رہے ہیں "(اے میرے ربّ) میں نے ان سے یہ بھی کہا کہ تم اپنے ربّ سے معافی مانگو وہ بہت زیادہ بخشنے والا ہے وہ تم پر موسلادھار بارش اتارے گا۔"

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وعظ و ارشاد کا حکم ہوا تو انہوں نے بھی باری تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے سابقہ تاریخ ہی کے ذریعے نصیحت کی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارہ میں فرمایا ہے:

﴿وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ اَنْجٰىكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ﴾ [ابراهيم: ٦]

"اور (یاد کرو) جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا کہ اپنے اوپر اللہ کے اس فضل کو یاد رکھو کہ اس نے تمہیں آلِ فرعون کے پنجہ سے نجات دی۔"

ہارون علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کے سامنے ان کے حکم کی عدم تعمیل کے لئے یہ عذر پیش کیا کہ مجھے بنی اسرائیل میں فرقہ بندی ہوجانے کا خدشہ ہوگیا تھا۔ قرآنِ مجید کے مطابق ان کے الفاظ یہ ہیں:

﴿إِنِّي خَشِيتُ أَن تَقُولَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِي إِسْرَاءِيلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِي ۝﴾

[طه: ٩٤]

"مجھے اندیشہ ہوا کہ مبادا آپ یہ کہیں کہ تم نے بنی اسرائیل کے درمیان پھوٹ ڈال دی اور میری بات کا لحاظ نہ کیا۔"

اس وقت یہ بھی ہارون علیہ السلام کے خیال میں ایک واضح مصلحت کی بنا پر تھا۔ علاوہ ازیں سنتِ مطہرہ میں کچھ عبادتوں کے فوائد بیان کرکے بھی اس منہجِ مستقیم کو اپنایا گیا ہے، مثلاً: آپ ﷺ کا فرمان ہے "اگر کسی شخص کے گھر کے دروازے سے نہر بہتی ہو اور وہ ہر روز پانچ دفعہ اس سے نہائے تو کیا اس کے جسم پر کوئی میل رہ جائے گی؟ لوگوں نے کہا: "میل تو کچھ بھی باقی نہیں رہے گی" آپ ﷺ نے فرمایا: "پانچ نمازوں کی یہی مثال ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے گناہ مٹا کر رکھ دیتا ہے۔" ❶

اور آپ ﷺ کا فرمان ہے:

((وَالصِّيَامُ جُنَّةٌ .)) ❷

"روزہ ڈھال ہے۔"

برائیوں سے بچنے اور لغزشوں سے تحفظ کا کیا خوبصورت علاج ہے۔

نیز فرمایا:

((صِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ تُذْهِبُ وَحَرَ الصَّدْرِ .)) ❸

---

❶ بخاري: ٥٢٨، مسلم: ٦٦٧۔

❷ بخاري: ١٨٩٤، مسلم: ١١٥١۔

❸ احمد: ج٥ ص ٣٦٣، ٧٨۔ نسائي: ج٤ ص ٢٠٨۔ صحيح الترغيب والترهيب: ١٠٢٣۔

"ہر ماہ تین دن روزہ رکھنے سے دل کا کینہ ختم ہو جاتا ہے۔"

ایک دفعہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "پانچ کے بدلے پانچ" سامعین میں سے کسی نے پوچھا یا رسول اللہ! پانچ کے بدلے پانچ کا کیا مطلب ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "جو قوم عہد شکنی کرنے لگے اللہ تعالیٰ ان پر ان کے دشمن کو مسلط کر دیتا ہے، جو لوگ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ حکم کے خلاف فیصلے کریں گے، اللہ تعالیٰ ان میں غربت عام کر دے گا، جس قوم میں فحاشی سرِ عام ہوگی ان میں قتل و غارت بڑھ جائے گی، اگر لوگ زکاۃ نہیں دیں گے تو ان پر بارش نہیں برسے گی اور اگر وہ ناپ تول میں کمی کریں گے تو ان کی پیداوار کو روک دیا جائے گا اور ان پر قحط سالی کا عذاب آ جائے گا۔" ❶

آنحضرت ﷺ کا یہ بھی فرمان ہے:

((دَاوُوْا مَرْضَاكُمْ بِالصَّدَقَةِ .)) ❷

"اپنے مریضوں کا علاج صدقہ وخیرات کے ذریعے کرو"

سنتِ مطہرہ میں سے یہ فرامین مذکورہ بات کی واضح نشاندہی کرتے ہیں کہ اُسلوبِ دعوت میں خوبیوں اور خامیوں کا ذکر کرنا کس قدر ضروری ہے۔

(۸) اُسلوبِ بیان کے مختلف طریقے:

کامیاب اُسلوبِ بیان کے لئے مختلف الفاظ اور تعبیرات ہیں۔ داعی کو اس سے بھی صرفِ نظر نہیں کرنا چاہیے انہیں ایک باب یا ایک فصل کے ذیل میں تو بیان نہیں کیا جا سکتا۔ تاہم انہیں ایک عام مضمون کے زمرہ میں پانچ عنوانات کے تحت بیان کیا جا سکتا ہے۔

الف: جمع کے لفظ سے مخاطب ہونا:...... ایک طریق کار یہ ہے کہ جمع متکلم کا صیغہ مثلاً: "ہم لوگ" استعمال کیا جائے۔ مخاطب کے الفاظ "آپ" "تم" اور "تمہیں" وغیرہ استعمال

---

❶ معجم کبیر طبرانی: ج۱۱ ص ۴۵۔ صحیح الجامع: ۳۲۴۲۔ صحیح الترغیب والترھیب: ۷۶۵۔

❷ شعب الایمان بیہقی: ۳۵۵۷۔ صحیح الجامع: ۳۳۵۸۔

نہ کئے جائیں۔ غلطیوں کی اصلاح یا نصیحت کرتے ہوئے ایسے فقرے استعمال نہ کئے جائیں۔

مسلمان بھائیو! تم نے ایسے کیا، تم نے کوتاہی کی، تم دل شکستہ ہوئے، تمہیں اللہ کے حضور توبہ کرنی چاہیے، تمہیں اللہ کے رسول ﷺ کا طریقہ اپنانا چاہیے، یہ تمہارے گناہوں اور عملوں کا نتیجہ ہے وغیرہ۔

بلکہ یوں کہنا چاہیے: ہم مسلمانوں نے کوتاہی کی، اگر ہم اس طرح کر لیتے، اگر ہم توبہ کرلیں وغیرہ یا پھر شرطیہ الفاظ استعمال کیے جائیں مثلاً: جو شخص ایسے کرے گا اسے یہ ملے گا، اسے اتنا گناہ ہوگا۔ یا عام صیغہ استعمال کرتے ہوئے یوں کہے: اگر مسلمان توبہ کرلیں، اگر مسلمان یہ کام کرنے لگ جائیں۔

اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ "تم" کا لفظ استعمال کرنا ایک لحاظ سے سامعین کو اس میں ملوث قرار دینا اور خود کو اس سے محفوظ ظاہر کرنا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سامعین نہ صرف بات کو سننے کے لئے خاموشی اختیار نہیں کرتے بلکہ وہ داعی پر بے جا تنقید کرنے لگ جاتے ہیں۔

اس کے مقابلہ میں "ہم لوگ" کا لفظ یا عام لفظ استعمال کرنے سے سامعین کے دل میں داعی کی تواضع اور عجز وانکساری کا تصور آ جاتا ہے اور وہ اسے اپنا ہی ایک فرد سمجھتے ہوئے یہ خیال کرتے ہیں کہ اسے اور ہمیں ایک ہی چیز کا سامنا ہے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اس کے ساتھ مختلف کاموں میں شامل ہو جاتے ہیں۔

اس موقع پر ان آیات کو حجت نہیں بنایا جا سکتا جن میں لفظ "ہم" کہہ کر باتیں بیان کی گئی ہیں کیونکہ وہاں متکلم اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہے۔ ربِّ عظیم کے کلام اور خامی سے نا معصوم بندے کے کلام میں نمایاں فرق ہونا چاہیے۔

دیکھئے! یہ چیز ممکن ہی نہیں کہ کسی چیز کی تخلیق میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور شامل ہو اور اس فعل یا ضمیر کے استعمال میں لوگوں کے لئے ترجیحی یا حکمیہ خطاب میں کسی کو شامل کیا جائے اس کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن مجید میں بیشتر مقامات پر عام کلام ہو یا کسی قول وفعل کے ساتھ مشروط ہو اسے بلا تعیین استعمال کیا جاتا ہے۔ مثلاً:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ لَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰۤى اٰمَنُوْا وَ اتَّقَوْا ﴾ [الاعراف : ۹۶]

''اور اگر بستیوں والے ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے۔''

اسی طرح سورۃ النساء میں فرمایا:

﴿ وَ لَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَ اَشَدَّ تَثْبِيْتًا ۟ ﴾

[النساء : ٦٦]

''اور اگر یہ لوگ وہ کام کرتے جس کی نصیحت کی جاتی ہے تو ان کے لئے یہ بات بہتر اور ایمان پر قدم جمانے والی ہوتی۔''

ب: عام طرزِ گفتگو:...... بہتر یہ ہے کہ داعی اپنی تقریر میں کچھ افراد یا کچھ اقوام کو نشانہ بنانے کی بجائے ان کی اصلاح کے لئے عام الفاظ استعمال کرے۔ وہ اپنی غلطی پر مصر ہوں یا اسے مسلسل دہرا رہے ہوں تب بھی یہی انداز اپنائے۔ ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ مجبوری کے موقع پر وہ کسی بات یا کسی کام کے حوالے سے فتویٰ لگا دے یا فیصلہ سنا دے۔

قرآنِ مجید نے اس انداز کو اختیار کیا ہے۔ مثلاً:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ۟ۙ ﴾ [هود : ۱۸]

''آگاہ رہو اللہ کی لعنت ہے ان ظالموں پر۔''

نیز فرمایا:

﴿ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَ مَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّاۤ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ وَ اِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۟ ﴾

[المائدة : ۷۳]

''ان لوگوں نے بھی کفر کیا، جنہوں نے کہا کہ اللہ تین کا تیسرا ہے حالانکہ وہ ایک ہی معبود ہے اور اگر یہ ان باتوں سے باز نہ آئے جو یہ کہہ رہے ہیں تو ان میں

سے جنہوں نے کفر کیا ان کو ایک دردناک عذاب پکڑے گا۔"

اور فرمایا:

﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ﴾ [التوبۃ: ۷۵]

"اور ان میں سے وہ بھی ہیں جنہوں نے اللہ سے عہد کیا۔"

ایک صاحبِ فہم وفراست کو یہ بات ملحوظ رکھنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے فتوے کا تعلق اقوال وافعال کے ساتھ جوڑا ہے انہیں کرنے یا کہنے والوں کے نام ذکر نہیں کیے۔

آنحضرت ﷺ بھی مدِ مقابل یا قابلِ نصیحت فرد سے کلام کرتے ہوئے اس کا نام ذکر کرنے کی بجائے اس کی طرف اشارہ فرماتے اور عام الفاظ استعمال کیا کرتے تھے۔ یہ الفاظ آپ ﷺ نے بکثرت استعمال فرمائے ہیں:

((مَا بَالُ أَقْوَامٍ ......)) ❶

"لوگوں کو پتہ نہیں کیا ہو گیا ہے؟"

ملاحظہ فرمائیے! حالانکہ اس موقع پر آپ ﷺ کے مخاطب کچھ ایسے لوگ ہیں جنہوں نے آپ ﷺ کے حکم کی مخالفت کی لیکن آپ نے انہیں سمجھانے کے لئے ان کے نام نہیں لئے آپ نے فرمایا:

((مَا بَالُ أَقْوَامٍ يَشْتَرِطُوْنَ شُرُوْطًا لَيْسَتْ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ......)) ❷

"کچھ لوگوں کو نامعلوم کیا ہو گیا ہے؟ معاملات میں ایسی شرطیں لگاتے ہیں جو قرآنِ مجید کے مطابق نہیں ہوتیں......"

آپ ﷺ نے ایک دفعہ فرمایا:

((مَا بَالُ رِجَالٍ يَحْضُرُوْنَ الصَّلَاةَ مَعَنَا بِغَيْرِ طُهُوْرٍ......)) ❸

---

❶ أحمد: ج۲ ص ۲۔ بخاری: ۷۵۰۔ مسلم: ۱۴۰۱۔

❷ بخاری: ۲۱۶۸، مسلم: ۱۵۰۴۔

❸ مسند احمد: ج۵ ص ۳۶۳، سنن نسائی کبریٰ: ۱۰۱۹۔

"کچھ لوگوں کو پتہ نہیں کیا ہو گیا ہے وہ ہمارے ساتھ نماز میں بے وضو شامل ہو جاتے ہیں؟ ....."

"کچھ لوگوں کو کیا ہو گیا ہے جب ہم اللہ کی راہ میں نکلتے ہیں تو یہ اپنی عورتوں کے پاس بیٹھے رہ جاتے ہیں۔" ❶

رسول اللہ ﷺ نے دیکھا کہ لوگ اچھی طرح وضو نہیں کرتے، پاؤں کی کچھ جگہوں کو پانی لگائے بغیر چھوڑ دیتے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((وَيْلٌ لِّلْأَعْقَابِ مِنَ النَّارِ.)) ❷

"(خشک) ایڑیوں کو دوزخ میں ویل کا عذاب ہو گا۔"

آپ ﷺ نے ان لوگوں کے بارہ میں یا ان کی ایڑیوں کے بارہ میں کوئی فیصلہ نہیں سنایا بلکہ لوگوں کا نام تک نہیں لیا اور نہ ہی "تمہارے" کا لفظ استعمال کر کے کہا کہ تمہارے لئے تباہی ہے یا تمہاری ایڑیوں کے لئے تباہی ہو۔

نبی مکرم ﷺ کبھی کبھی فرماتے "ہم لوگ یوں کرتے ہیں" حالانکہ آپ ﷺ نے بذاتِ خود وہ کام نہیں کیا ہوتا تھا۔ حجۃ الوداع کے خطاب میں آپ ﷺ نے فرمایا: "سب سے پہلے ہم اپنا سود ختم کرتے ہیں، وہ ہے عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کا سود" ❸ جب کہ نبی کریم ﷺ نے کبھی بھی سودی کام نہیں کیا۔

غور کیجئے! منافقوں اور غلطی کے مرتکب افراد کے یہ کام بے وضو نماز پڑھ لینا، جہاد میں شامل نہ ہونا، گناہوں کا مرتکب ہونا اس سے بڑھ کر یہ کہ رسول اللہ ﷺ کو ایذاء پہنچانا کتنے سنگین ہیں لیکن آپ ﷺ نے نہ تو ان افراد کے نام لئے اور نہ لوگوں کو ان سے بچنے کی تلقین کی۔

---

❶ مسند أحمد: ج ۵ ص ۱۱۲۔ مسلم: ۱۶۹۲۔

❷ بخاری: ۶۰۔ مسلم: ۲۴۱۔

❸ مسلم: ۱۲۱۸۔

تاہم آنحضرت ﷺ کاموں کی شرعی حیثیت سے آگاہ کرتے اور غلطیوں کی اِصلاح خود فرمایا کرتے تھے۔ آپ ﷺ کے اس انداز سے ہم یہ اُصول بنا سکتے ہیں کہ "ہم اِصلاح کریں زخم نہ لگائیں" کاش اس اُصول کی مخالفت کرنے والے اپنی اِصلاح کر لیں۔

اے اللہ! ہم تیری ہدایت کے طلب گار ہیں۔ آمین یا ربّ العالمین

کسی انتہائی مجبوری کے بغیر، جب کسی بڑی خرابی کا اِزالہ، یا کسی بڑے مفاد کا حصول مطلوب ہو عام محفلوں میں برے انداز میں لوگوں کا نام ذکر کرنا درست نہیں۔ عوام الناس کے سامنے ایسا کرنا تو اور بھی بُرا ہے۔

ایک سمجھ دار مسلمان اس سے اندازہ لگا سکتا ہے کہ منبر و محراب اور اسٹیج پر کھڑے ہو کر یا عام محفلوں میں کسی کی برائی کی تشہیر کتنی بڑی غلطی ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دُعا گو ہیں کہ وہ نیکی کرنے اور برائی سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔

رسول اللہ ﷺ کا طریق کار تو یہ تھا کہ جہاں آپ ﷺ غلطی کرنے والے کا نام لے کر اِصلاح کرنے سے گریز کرتے وہاں اہلِ علم اور اہلِ مرتبہ کا نام لے کر سرِ عام تذکرہ کرتے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "میری اُمت میں سے لوگوں کے لئے سب سے زیادہ شفیق و مہربان ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں۔ دینِ اسلام میں سب سے زیادہ سخت عمر رضی اللہ عنہ ہیں، سب سے زیادہ باحیا عثمان رضی اللہ عنہ ہیں۔ قرآنِ مجید کو سب سے زیادہ اور بہتر پڑھنے والے اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ ہیں۔ مسائل وراثت سب سے زیادہ سمجھنے والے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ہیں۔ حلال و حرام کے مسائل جاننے والے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ہیں لوگو! ہر ایک اُمت کا ایک امین ہے اس اُمت کا امین ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ ہے۔ ❶

جنت کی بشارت پانے والے دس افراد کی حدیث تو زبانِ زدِ عام و خاص ہے۔

حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں صدقِ دل سے کہتا ہوں کہ میں

---

❶ ترمذی: ج ۲ ص ۳۰۹۔ ابن ماجہ: ۱۵٤۔ ابن حبان: ۷۲۵۲، ۷۱۳۱۔ حاکم: ج ۳ ص ٤۲۲۔

نے آنحضرت ﷺ کی زبانِ اطہر سے سنا آپ فرما رہے ہیں، یہ دس لوگ جنتی ہیں۔ نبی ﷺ جنتی ہیں، ابو بکر رضی اللہ عنہ جنتی ہے، عمر رضی اللہ عنہ جنتی ہے، عثمان رضی اللہ عنہ جنتی ہے، علی رضی اللہ عنہ جنتی ہے، طلحہ رضی اللہ عنہ جنتی ہے، زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ جنتی ہے، سعد بن مالک رضی اللہ عنہ بھی جنتی ہے اور عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ بھی جنتی ہے۔ میں چاہوں تو دسویں شخص کا نام بھی لے دوں۔ سامعین نے پوچھا وہ کون ہے؟ لیکن سعید بن زید رضی اللہ عنہ خاموش رہے انہوں نے پھر پوچھا: وہ کون ہے؟ تو انہوں نے بتایا وہ سعید بن زید رضی اللہ عنہ ہے۔'' ❶

رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا: ''ابو بکر رضی اللہ عنہ بہت اچھا آدمی ہے، عمر رضی اللہ عنہ بہت اچھا آدمی ہے، ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ بہت اچھا آدمی ہے اُسید بن حضیر رضی اللہ عنہ بہت اچھا آدمی ہے، ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ بہت اچھا آدمی ہے، معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بہت اچھا آدمی ہے اور معاذ بن عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ بھی بہت اچھا آدمی ہے۔ ❷

ج: اُمید اور استفہام کا اندازِ بیان:...... داعی کے زیادہ تر الفاظ اِستفہامیہ ہونے چاہئیں خواہ وہ حقیقی اِستفہام ہو یا انکار کے انداز میں یا تعجب کی صورت میں۔ اسے کثرت سے اُمید بھرے الفاظ استعمال کرنے چاہئیں۔ مثلاً وہ کیسے ہوسکتا ہے؟ آپ لوگوں کا کیا خیال ہے؟ بسا اوقات.......... وغیرہ وغیرہ۔ وہ پختگی اور انکارِ مطلق کا انداز نہ اپنائے اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ اگر تقریر میں براہِ راست تنقید بھی ہو تب بھی اِستفہام اور اُمید کے الفاظ کے استعمال سے اس کے مثبت اثرات زیادہ اور منفی اثرات بہت کم ہو جاتے ہیں۔

مثلاً: بجائے اس کے کہ وہ یوں کہے ایک مسلمان کے لئے سگریٹ نوشی حرام ہے یا رمضان المبارک کے تقدس کو پامال کرنا حرام ہے۔ تم اس مجرمانہ حالت میں اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہو گے۔ تمہاری بداعمالیاں نیکیوں سے بڑھ جائیں گی بلکہ وہ اس طرح کہے کیا

---

❶ احمد: ج۱ ص ۱۸۷ ؛ ابو داؤد: ٤٦٤٩ ، ٤٦٥٠۔ ابن ماجہ: ۱۳۳۔

❷ احمد: ج۲ ص ٤١٩۔ بخاری فی الأدب المفرد: ۳۳۷۔ ترمذی: ۳۷۹۵۔ مستدرک حاکم: ج۳ ص ۲۳۳۔

ایسے میں ہماری نیکیاں ہمارے گناہوں سے بڑھ جائیں گی؟ بجائے اس کے کہ وہ اس طرح کہے : تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت نہیں رکھتے ، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرنا فرض ہے۔ اسے اس طرح کہنا چاہیے:

- کیا تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت نہیں رکھتے ہو؟
- کیا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرنے والا ایسی مخالفت کرے گا؟

یا اس طرح کہے:

- شاید ہم اللہ تعالیٰ کے سامنے تائب ہو جائیں۔
- کیا خیال ہے اگر ہم اللہ کے سامنے توبہ کر لیں؟

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے کافر باپ کے سامنے اُمید، عقل و خرد کو ابھارنے اور جذبہ وشوق دلانے کے سارے دعوتی انداز اختیار کر لینے کے بعد بیک وقت شفقت و مہربانی اور خوف و ہراس سے ملا جلا اُسلوب اپنا کر دعوت دی اور فرمایا:

﴿ يَٰٓأَبَتِ إِنِّىٓ أَخَافُ أَن يَمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ ٱلرَّحْمَٰنِ فَتَكُونَ لِلشَّيْطَٰنِ وَلِيًّا ۝ ﴾

[مريم : ٤٥]

"اے میرے پیارے ابا جان! مجھے اندیشہ ہے کہ آپ کو رحمان کا کوئی عذاب لپیٹ میں لے لے گا اور آپ شیطان کے ساتھی بن کے رہ جائیں۔"

ان دو الفاظ پر غور کریں (۱) مجھے اندیشہ ہے۔ (۲) تمھیں لپیٹ میں لے لے گا۔ یہ دونوں الفاظ کتنے شفاف بھی ہیں اور خوف سے لبریز بھی۔

حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی قوم کے تمام ترظلم وستم سہنے کے بعد یہ انداز اختیار کیا:

﴿ إِنِّىٓ أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ۝ ﴾ [الشعراء : ١٣٥]

"مجھے تمہارے بارہ میں بڑے عذاب کا اندیشہ ہے۔"

مختصر یہ ہے کہ داعی تقریر سے پہلے استفہام اور اُمید ورجاء اور ان سے ملتے جلتے الفاظ استعمال کرے تاکہ اس کا انداز میٹھا اور خوبصورت ہو اس میں خشکی اور تلخی نہ آئے۔

د: قرآنِ مجید میں متذکرہ بالا اُسلوب کا استعمال:...... قرآنِ مجید پر غور کرنے والے کو یہ با مقصد اُسلوب اور افادیت سے بھرپور اندازِ تعبیر بکثرت ملے گا۔ حتیٰ کہ کافروں، اللہ تعالیٰ اور اہلِ ایمان کے دشمنوں کے ساتھ کلام کے دوران بھی۔ بطور مثال اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿ أَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِينَ كَالْمُجْرِمِينَ ۝ مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ ۝ ﴾

[القلم: ۳۵۔۳۶]

''کیا ہم فرمانبرداروں کو مجرموں کے برابر کر دیں گے؟ تمہیں کیا ہوا ہے تم کیسا فیصلہ کرتے ہو؟''

پے درپے دو استفہام ہیں جو ضمیر کو جھنجھوڑتے اور ذہن کو تحریک دلاتے ہیں۔ ایک دلنشین اور موثر پیرائے میں حق کو پیش کرتے ہیں جس سے صاحبِ فہم وفراست آدمی اسے تسلیم کرنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔

فرمانِ الٰہی ہے:

﴿ أَمْ لَهُمْ إِلَٰهٌ غَيْرُ اللَّهِ ۚ سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ ۝ ﴾ [الطور: ۴۳]

''کیا اللہ کے سوا اور کوئی معبود بھی ان کے لئے ہے؟ اللہ پاک ہے، ان چیزوں سے جن کو یہ شریک بناتے ہیں۔''

نیز فرمایا:

﴿ أَوَلَا يَذْكُرُ الْإِنسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِن قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْئًا ۝ ﴾

[مریم: ٦٧]

''کیا انسان اس بات کو یاد نہیں کر رہا کہ ہم نے اسے اس سے پہلے پیدا کیا جبکہ وہ کچھ بھی نہ تھا؟''

﴿ أَإِلَٰهٌ مَّعَ اللَّهِ ﴾ ''کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟''

﴿ أَرَأَيْتُمْ ﴾ ''تمہارا کیا خیال ہے؟''

﴿لَعَلَّ﴾ "شاید۔"

﴿لَعَلَّهُمْ﴾ "ہو سکتا ہے وہ۔"

باری تعالیٰ نے مذکورہ بالا طرزِ بیان بار بار اختیار کیا ہے۔

ان الفاظ سے سامع اور قاری پر بے انتہا نفسیاتی اثر پڑتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان براہِ راست سرزنش اور واضح الزام تراشی کو مجرم ہوتے ہوئے اور جرم کا اِقرار کرتے ہوئے بھی ناپسند کرتا ہے۔ اس اُسلوب میں حقائق کا اثبات سامعین کے حالات کے تناظر میں کیا گیا ہے، حق بات اور اسے پیش کرنے کا حسین اُسلوب دونوں ایک ساتھ موجود ہیں۔

اے اللہ! ہمیں بہتر اُسلوب اپنانے کی توفیق نصیب فرما، تیرے سوا کوئی بہتر اُسلوب کی راہنمائی نہیں کرسکتا۔ آمین

ھ: سنتِ مطہرہ میں مذکورہ بالا اُسلوب کا اِستعمال:...... بہت سے انبیاء کرام علیہم السلام نے اپنے خطابات میں یہ اُسلوب اختیار کیا ہے۔ ارشادِ ربّ العزت ہے:

﴿قَالَتْ رُسُلُهُمْ أَفِي اللَّهِ شَكٌّ﴾ [ابراهيم: ۱۰]

"ان کے رسولوں نے کہا: کیا تمہیں اللہ کے بارے میں شک ہے؟"

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا تھا:

﴿مَا هَٰذِهِ التَّمَاثِيلُ الَّتِي أَنتُمْ لَهَا عَاكِفُونَ﴾ [الانبياء: ۵۲]

"یہ کیا مورتیں ہیں جن پر تم دھرنا دیئے بیٹھے ہو؟۔"

انہوں نے یہ بھی کہا:

﴿أَئِفْكًا آلِهَةً دُونَ اللَّهِ تُرِيدُونَ﴾ [الصّافات: ۸۶]

"کیا تم اللہ کے سوا دوسرے من گھڑت معبودوں کے طالب ہو؟"

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا:

﴿أَتَقُولُونَ لِلْحَقِّ لَمَّا جَاءَكُمْ ۖ أَسِحْرٌ هَٰذَا وَلَا يُفْلِحُ السَّاحِرُونَ﴾

[یونس: ۷۷]

"کیا تم حق کو سحر کہتے ہو جبکہ وہ تمہارے پاس آ چکا ہے؟ کیا یہ سحر ہے؟ حالانکہ ساحر کبھی فلاح نہیں پاتے۔"

انہوں نے یہ بھی کہا:

﴿لِمَ تُؤْذُوْنَنِيْ وَقَدْ تَّعْلَمُوْنَ اَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ﴾ [الصف: ۵]

"تم مجھے کیوں دکھ پہنچاتے ہو؟ حالانکہ تم اچھی طرح جانتے ہو کہ میں تمہارے پاس اللہ کا رسول بن کر آیا ہوں۔"

میرے بھائی! اللہ ہمیں اپنی رحمت سے نوازے، غور کریں کیسا دلنشیں انداز ہے۔ پیش کرنے کا انداز کیسا عجیب ہے؟ حق بات، مقبول انداز اور پیش کرنے کا مؤثر طریقہ کیا ہی خوب ہے۔

سورۂ یٰسین میں ایک صاحبِ ایمان کے بارہ میں بیان ہوا ہے کہ اس نے اپنی قوم سے کہا:

﴿ءَاَتَّخِذُ مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً﴾ [یٰس: ۲۳]

"کیا میں اس کے علاوہ کوئی اور معبود بنا لوں؟"

رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا تھا "اس وقت تمہاری کیا کیفیت ہوگی؟ جب کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے جو قرآن پڑھیں گے اور وہ ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔ ❶

آنحضرت ﷺ نے اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو کہا تھا کیا تم نے اُسے "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه" کہنے کے بعد بھی قتل کر دیا؟ ❷

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو امر بالمعروف کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ "تم دونوں میاں بیوی نماز کیوں نہیں پڑھ لیتے؟" ❸

حکیمانہ انداز میں یہ نہیں فرمایا "دونوں کھڑے ہو جاؤ، نماز پڑھو۔"

❶ مسند احمد: ج۱ ص۱۶۰۔ ابو یعلی: ۴۸۲، ۴۷۲۔

❷ بخاری: ۴۲۶۹، مسلم: ۹۶۔ ❸ بخاری: ۱۱۲۷، مسلم: ۷۷۵۔

ایک انصاری صحابی کے نام آپ ﷺ نے پیغام بھیجا تو وہ جلدی سے آیا اس کے سر سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے یہ دیکھ کر آپ ﷺ نے فرمایا: شاید ہم نے تمہیں جلدی میں ڈال دیا ہے؟ وہ کہنے لگا یا رسول اللہ! بات تو ایسے ہی ہے، یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا: ''جلدی ہو تو نہانے کی بجائے وضو کر لیا کرو۔'' ❶

ایک شخص نے ماعز اسلمی کو (زنا کی سزا کے دوران) گدھے کی ہڈی مار کر گرا دیا تھا جبکہ وہ زخم کی تکلیف کی وجہ سے بھاگ گیا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے اسے فرمایا تھا کہ ''تم نے اسے چھوڑ کیوں نہیں دیا تھا؟ شاید وہ توبہ کر لیتا اور اس کی توبہ قبول ہو جاتی۔'' ❷

داعی کو چاہیے کہ وہ آنحضرت ﷺ کے اس فرمان پر رُک کر غور کرے۔ تم نے اسے چھوڑ کیوں نہ دیا، ہوسکتا تھا کہ وہ توبہ کر لیتا؟ یہ سب ماعز کے ارتکاب جرم کرنے اور حد کے نفاذ کے مطالبے بلکہ اس کے نفاذ کے شروع ہو جانے کے بعد آپ ﷺ فرما رہے ہیں ''ہوسکتا تھا کہ وہ توبہ کر لیتا'' بے شمار ایسی احادیث ہیں جن میں رسول اللہ ﷺ نے ''شاید'' اور ''تم مجھے بتاؤ'' کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔

خلاصۂ کلام:

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ داعی کو اُسلوبِ بیان میں ایسی ضمیریں استعمال کرنی چاہئیں جن میں وہ مدعوین کے ساتھ شامل ہو اور بات کا رُخ سب کی طرف ہو، صرف مخاطب ہی اس کے زُمرہ میں نہ آ رہے ہوں۔ اسے استفہامیہ، رقت آمیز، نرمی اور اُمید کے الفاظ زیادہ استعمال کرنے چاہئیں۔ اس سے اس کے اُسلوبِ بیان میں سننے والے کو لذت محسوس ہوگی اور اس کی بات کو پذیرائی حاصل ہوگی۔ اس سلسلہ میں قرآن وحدیث کے بہت سے شواہد موجود ہیں۔

اے اللہ! ہمیں لوگوں سے اَحسن انداز میں بات کرنے کی توفیق نصیب فرما۔ (آمین)

---

❶ بخاری: ۱۸۰، مسلم: ۳٤٥۔

❷ احمد ج ٥ ص ۲۱۷۔ سنن کبریٰ نسائی ۷۲۷٤۔ مستدرک حاکم ج ٤ ص ۳٦۳۔

(۹) تاریخی واقعات اور ضرب الامثال بیان کرنا:

اس میں چار عنوانات ہیں:

الف: مفہوم اور اہمیت:..... دعوتی کلام کے دوران اللہ تعالیٰ نے جن بہترین اسالیب کو اختیار فرمایا ہے۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ تاریخی واقعات اور ضرب الامثال بیان کی جائیں۔

بامقصد واقعات اور واضح مثالوں کو سننے کو جی چاہتا ہے اور ان کا دل پر گہرا اثر ہوتا ہے۔ جہاں یہ متکلم کا مقصد واضح کرتے ہیں، واقعہ سے آگاہ کرتے ہیں، وہاں یہ گفتگو کے سیاق کو مدلّل بھی بناتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں اور رسول اللہ ﷺ نے احادیث میں اسے کثرت سے اپنایا ہے۔

فرمانِ الٰہی ہے:

﴿فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ﴾ [الاعراف: ۱۷۶]

''آپ انہیں سرگزشت سنائیں تاکہ وہ غور کریں۔''

نیز فرمایا:

﴿وَلَا يَأْتُونَكَ بِمَثَلٍ إِلَّا جِئْنَاكَ بِالْحَقِّ وَأَحْسَنَ تَفْسِيرًا﴾

[الفرقان: ۳۳]

''اور یہ لوگ جو اعتراض بھی اٹھائیں گے ہم اس کا صحیح جواب اور اس کی بہترین توجیہ تمہیں بتادیں گے۔''

واقعات اور مثالوں سے انداز بیان میں حلاوت پیدا ہوتی ہے، ان کے ذریعے بات لوگوں کی سمجھ کے قریب تر ہو جاتی ہے اور اسے پذیرائی ملتی ہے۔ یہ تنگی اور اکتاہٹ پیدا نہیں ہونے دیتے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآنِ مجید کی کوئی بھی بڑی سورت اور کچھ چھوٹی سورتیں ایک یا ایک سے زیادہ واقعہ یا مثال سے خالی نہیں ہے۔ بلکہ کبھی تو پوری کی پوری سورت یا اس کا

بیشتر حصہ ایک مکمل واقعہ یا کئی واقعات پر مشتمل ہوتا ہے، مثلاً: سورہ ہود، سورہ یوسف، سورہ القصص اور سورہ الانبیاء وغیرہ۔

حدیثِ نبوی میں بھی واقعات اور مثالوں کی کمی نہیں ہے۔ وہ بھی اس سلسلہ میں بحرِ زخار اور میٹھے پانی کا بہتا ہوا دریا ہے۔ اس سے متعلق ایک باب مقرر ہے جس میں اس کا تذکرہ ہوگا۔

ب: تاریخی واقعہ بیان کرنے کی شرائط اور مثالیں:..... واقعہ اور مثال کی کچھ شرطیں اور کچھ تقاضے ہوتے ہیں۔ یہاں ان کی تفصیل میں جانا مقصود نہیں تاہم چند ایک بیان کی جا رہی ہیں۔

(۱)..... واقعہ سچائی اور عبرت سے لبریز ہو۔ پرتاثیر باتوں پر مشتمل ہو اور اس کا مفہوم واضح ہو۔

(۲)..... واقعہ نہ تو انتہائی مختصر ہو کہ اس کا اصل مقصد سمجھنا مشکل ہو جائے اور نہ اتنا طویل کہ باعثِ ملال بن جائے۔

(۳)..... واقعہ ایسا نہ ہو کہ داعی کی تقریر پر چھا جائے۔ اس میں مسائل بہت کم یا بالکل معدوم ہوں کہ داعی کی حیثیت ایک قصہ گو کی طرح ہو جائے۔ جس کا مقصد قصہ گوئی کے علاوہ کچھ نہیں ہوتا۔

(۴)..... واقعے کے دوران علمی بنیاد سازی ہو، اس کے مقصد سے آگاہ کر دیا جائے۔ اس کے فوائد بتائے جائیں۔ یہ ساری چیزیں قرآن مجید کے واقعات میں نمایاں طور پر موجود ہیں، مثلاً: حضرت یوسف علیہ السلام اپنے بھائیوں سے کہہ رہے ہیں:

﴿إِنَّهُ مَن يَتَّقِ وَيَصْبِرْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ۝﴾

[یوسف: ۹۰]

"بے شک جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور ثابت قدم رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے نیک لوگوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔"

کبھی یہ کہہ رہے ہیں:

﴿ يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴾

[یوسف: ۳۹]

"اے میرے جیل کے دونوں ساتھیو! کیا الگ الگ بہت سے رب بہتر ہیں یا اکیلا اللہ ہی جو سب پر حاوی و غالب ہے؟"

نیز فرمایا:

﴿ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ ﴾

[یوسف: ٤٠]

"تم اس کے سوا جنہیں پوجتے ہو وہ محض نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ داداؤں نے رکھ چھوڑے ہیں۔"

اور فرمایا:

﴿ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ۭ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۚ وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴾

[یوسف: ٦٧]

"اختیار تو بس اللہ ہی کا ہے، میرا بھروسہ اسی پر ہے اور بھروسہ کرنے والوں کو اسی پر بھروسہ کرنا چاہیے۔"

قرآنِ مجید اور تاریخی واقعات:

قرآنِ مجید میں تاریخی واقعات مختلف الفاظ کے ساتھ اور مختلف پیراؤں میں بیان ہوئے ہیں۔ کہیں تو پوری سورت یا سورت کے بیشتر حصے میں ایک واقعہ بیان ہوا ہے اور کہیں ایک واقعہ چار، پانچ سطروں میں مختصر طور پر اس طرح بیان ہوا ہے کہ اس سے مقصد پورا ہو جاتا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ ایک پوری سورت پر مشتمل ہے۔ قاری اسے کسی اکتاہٹ کے بغیر پڑھتا جاتا ہے بلکہ اسے بار بار پڑھنے کو جی چاہتا ہے اور اس کے معلوم ہونے کے

باوجود شوقِ تلاوت اس کی جزئیات پر ٹھہرنے کے لئے آمادہ کرتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ قرآنِ مجید میں کئی دفعہ بیان ہوا ہے لیکن ہر مرتبہ اُسے پرکشش انداز، جذبات کو حرکات میں لانے والے نظریات اور جدید معلومات کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ کہیں طویل ذکر ہوا ہے جیسے سورت طٰہٰ اور سورت قصص میں ہے۔ کہیں متوسط ہے جیسے سورۃ الاعراف اور سورۃ الشعراء میں ہے اور کہیں مختصر جیسے سورۃ مؤمنون اور نازعات میں ہے۔ یہ تمام تر تنوع مخصوص مقاصد کے پیش نظر اور کئی عبرت آموز اسباق کے لئے اختیار کیا جاتا ہے جن کی تفصیل کسی اور موقع پر بیان کی جائے گی۔

سنتِ مطہرہ اور تاریخی واقعات:

حدیثِ نبوی میں بھی آسان انداز اور مختصر الفاظ میں لوگوں کو سمجھانے کی خاطر تاریخی واقعات بیان کئے گئے ہیں۔

ان سب کو بیان کرنا تو مشکل ہے تاہم اس مقالے میں بطور یاد دہانی تین واقعات پر اکتفاء کر رہا ہوں۔

(۱)...... پہلا واقعہ ہے ان تین افراد کا جنہوں نے غار میں پناہ لی اور غار کا راستہ بند ہوگیا...... ❶ اس واقعے پر غور کرنے سے بہت سی عبرتیں اور نصیحتیں حاصل ہوتی ہیں۔

(۲)...... دوسرا واقعہ وہ ہے جو ان تین افراد کا ہے جن میں سے ایک اندھا، ایک گنجا اور ایک برص زدہ تھا۔ ان کے پاس ایک فرشتہ انسانی شکل میں آیا.........'' ❷

اس میں بھی بہت سی پند و نصائح ہیں۔

(۳)...... ایک واقعہ وہ ہے جس میں ننانوے افراد کے قاتل کا ذکر ہے۔ پھر اس نے ایک صوفی کے فتوے کی بنا پر ایک اور آدمی کو قتل کیا اور سو افراد کا قاتل بن گیا۔ پھر اسے ایک عالم نے توبہ قبول ہونے کا راستہ بتایا اور اس نے توبہ کر لی۔ یہ واقعہ بھی بہت سے عظیم

❶ بخاری: ۲۲۱۵، مسلم: ۲۷۴۳۔

❷ زاد المعاد: ج۳ ص۶۴۳۔ فتح الباری: ج۸ ص ۹۵۔

مقاصد اور اسباق کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ مناسب ہوگا کہ متوقع مقام سے اس کا مطالعہ کرلیا جائے۔ ❶

ج: ضرب الامثال اور ان کے اُصول وضوابط کی قرآن و حدیث سے کچھ مثالیں:...... (۱) مثال ایسی ہونی چاہیے جو معاشرے میں وقوع پذیر ہوا سے بیشتر سامعین سمجھتے ہوں۔ وہ محض خیالی اور فرضی نہ ہو۔ جسے وہ سمجھ ہی نہ سکیں۔

(۲) اس کا انداز سادہ، عام فہم اور سامعین کو سمجھ آرہا ہو۔

(۳) اس کے ساتھ کوئی واضح مقصد اور بہت بڑا مفاد وابستہ ہو۔

قرآنِ مجید کی مثالیں:

قرآنِ مجید کی مثالوں پر غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان میں ماحول پر منطبق ہونے کے ساتھ ساتھ اُسلوب کی عمدگی، مقصد کی گہرائی اور سہل اندازی کا عنصر موجود ہے۔ وہ عام فہم اور عوام الناس کے ذہنوں کے مطابق ہیں۔ انصاف پسند سامع اسے سن کر گہری فکر حاصل کرتا ہے اور حد درجہ قائل ہوجاتا ہے۔

غور فرمایئے! اللہ تعالیٰ نے اس مثال میں مخلوق میں کسی بھی چیز کی تخلیق کی صلاحیت نہ ہونے کا مضمون کیسے خوبصورت انداز میں بیان کیا ہے۔

فرمانِ ربّ العالمین ہے:

﴿ يَاأَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوا لَهُ ۚ إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ لَن يَخْلُقُوا ذُبَابًا وَلَوِ اجْتَمَعُوا لَهُ ۖ وَإِن يَسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا لَّا يَسْتَنقِذُوهُ مِنْهُ ۚ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوبُ ﴾ [الحج : ۷۳]

''اے لوگو! ایک مثال بیان کی جارہی ہے، اسے توجہ سے سنو۔ جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو وہ ایک مکھی بھی پیدا کرنے پر قادر نہیں ہیں۔ اگرچہ وہ اس کے لئے سب مل کر کوشش کریں۔ اور اگر مکھی ان سے کوئی چیز چھین لے تو وہ اس

❶ بخاري: ۳٤۷۰، مسلم: ۲۷٦٦۔

سے اس کو بچا بھی نہیں پائیں گے۔ طالب اور مطلوب دونوں ہی ناتواں۔"

اللہ رب العزت کے اس فرمان پر بھی غور کیجئے جس میں غیر اللہ کو معبود بنانے اور اس پر اعتماد کر لینے کی عجیب مثال بیان ہوئی ہے۔

نیز فرمایا:

﴿مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ ۚ اِتَّخَذَتْ بَيْتًا ؕ﴾ [العنکبوت: ٤١]

"ان لوگوں کی مثال جنہوں نے اللہ کے سوا دوسرے کارساز بنائے ہیں بالکل مکڑی کی طرح ہے۔ جس نے ایک گھر بنایا اور بے شک تمام گھروں سے بودا گھر مکڑی کا گھر ہوتا ہے۔"

دیکھئے! مکھی کو کون نہیں جانتا؟ مکڑی کے بارے میں کسے معلوم نہیں؟ کیا ممکن ہے کہ کوئی شخص اس مثال کو سمجھ نہ سکے۔

اللہ رب العزت نے اپنی قدرتِ تخلیق کے اثبات کے لئے جو نشانیاں ذکر کی ہیں ان کا مطالعہ کیجئے باری تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ۝ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗۤ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ۝﴾

[الواقعہ: ٦٣۔ ٦٤]

"کیا تم نے غور کیا ہے اس چیز پر جو تم بوتے ہو؟ اسے تم پروان چڑھاتے ہو یا پروان چڑھانے والے ہم ہیں؟"

نیز فرمایا:

﴿اَفَرَءَيْتُمُ الْمَآءَ الَّذِيْ تَشْرَبُوْنَ ۝ ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ ۝﴾ [الواقعہ: ٦٨۔ ٦٩]

"ذرا غور تو کرو اس پانی پر جو تم پیتے ہو۔ کیا تم نے اسے اتارا ہے بادلوں سے یا اسے اتارنے والے ہم ہیں۔"

نیز فرمایا:

﴿اَفَرَءَیْتُمُ النَّارَ الَّتِیْ تُوْرُوْنَ ۝ ءَاَنْتُمْ اَنْشَاْتُمْ شَجَرَتَهَاۤ اَمْ نَحْنُ الْمُنْشِـُٔوْنَ ۝﴾ [الواقعہ : ۷۱۔ ۷۲]

''ذرا غور تو کرو اس آگ پر جسے تم جلاتے ہو! کیا تم نے اس کے درخت کو پیدا کیا ہے یا اسے پیدا کرنے والے ہم ہیں۔''

اب ذرا غور کیجیے! کھیتی کو کون نہیں جانتا؟ پانی کسے معلوم نہیں؟ آگ سے کون ناواقف ہے؟

اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کی یہ مثال کتنی عظیم، آسان اور گہری ہے۔

﴿مَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِیْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ﴾ [البقرۃ : ۲۶۱]

''ان لوگوں کی مثال جو اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اس دانے کی طرح ہے جس سے سات بالیاں پیدا ہوں اور اس کی ہر بالی میں سو دانے ہوں۔''

کون سا انسان گندم کو یا اس کی بالی کو نہیں جانتا؟ سامعین وقارئین میں سے کون نہیں سمجھ سکا؟ کون اس سے متاثر نہیں ہوا؟

جو لوگ عالم ہوتے ہوئے اس کے مطابق عمل نہیں کرتے ان کی مثال پر غور کریں۔

﴿مَثَلُ الَّذِیْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ یَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ یَحْمِلُ اَسْفَارًا ؕ﴾

[الجمعۃ : ۵]

''ان لوگوں کی مثال جن پر تورات لادی گئی پھر انہوں نے اسے نہ اٹھایا، اس گدھے کی طرح ہے جو کتابوں کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہو۔''

کتابیں کون نہیں جانتا؟ گدھے اور اس کے مزاج سے کون ناواقف ہے؟ کوئی ہے جو اس مثال کو نہ سمجھ سکا ہو؟

حدیثِ نبوی سے کچھ مثالیں:

حدیث نبوی میں بھی مثالیں ذکر کرنے کا انداز قرآن مجید سے مختلف نہیں ہے۔ اس

میں بھی حقیقت پسندی، ماحول سے مطابقت، منظر کشی اور سہل اندازی کے سارے پہلو موجود ہیں۔ آنحضرت ﷺ مثالیں بیان کر کے بات کو ذہنوں کے قریب لاتے ہیں۔ اس میں آپ کا وہی مشہور اسلوب اور جامعیت پر مبنی انداز اور تشویق بھرا انداز ہے۔

میرے بھائیو! اللہ تعالیٰ آپ پر نظر کرم فرمائے۔ مسلمانوں کے باہمی تعاون کی اس مثال پر غور کریں۔ کتنی خوبصورت، آسان، جامع اور مبنی بر حقیقت ہے۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں:

((مَثَلُ الْمُؤْمِنِ فِيْ تَوَادِّهِمْ، وَتَرَاحُمِهِمْ، وَتَعَاطُفِهِمْ كَمَثَلِ الْجَسَدِ إِذَا اشْتَكَى مِنْهُ عُضْوٌ تَدَاعَى لَهُ سَائِرُ جَسَدِهِ بِالسَّهَرِ وَالْحُمَى.)) ❶

''مسلمانوں کی باہمی محبت وشفقت اور نرمی کی مثال ایک آدمی کے جسم کی طرح ہے اگر اس کے کسی حصے میں تکلیف ہو تو باقی سارا جسم بے چین اور بخار میں مبتلا ہو جاتا ہے۔''

آنحضرت ﷺ کے اس فرمان میں مومن کے عمل، گفتگو اور محنت کے بارہ میں دی گئی مثال پر غور کریں آپ ﷺ کا ارشاد ہے ''مومن کی مثال کھجور کے درخت کی طرح ہے۔ جو عمدہ خوراک لیتا ہے اور عمدہ ہی پھل دیتا ہے۔'' ❷

آپ ﷺ نے مومن کے داد و دہش اور افادیت کی مثال صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی واقعاتی دنیا میں سے اس انداز میں دی کہ کسی بھی دور کا عقل مند اس کی تہہ تک پہنچ جاتا ہے۔

آپ ذرا غور و فکر کریں! نظر دوڑائیں، دل کی نگاہ سے دیکھیں کہ رسول اللہ ﷺ نے گناہوں کے لئے نماز کو کفارہ قرار دینے کی کیا خوبصورت مثال بیان کی ہے آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے: ''اگر کسی شخص کے گھر کے دروازے سے ایک نہر گزرتی ہو اور وہ ہر روز پانچ دفعہ اس میں نہائے، تو کیا اس کی میل باقی رہے گی؟ صحابہ نے کہا: نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

❶ بخاری: ٦٠١١، مسلم: ٢٥٨٦۔

❷ سنن کبریٰ نسائی: ١١٢٧٨، ابن حبان: ٢٤٧، السلسلة الصحيحة: ٣٥٥۔

"پانچ نمازوں کی بھی یہی مثال ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے گناہوں کو ختم کر دیتا ہے۔" ❶

قارئین غور کیجئے! اس مثال میں کتنی حقیقت پسندی ہے اور اس کا انداز بیان کتنا خوبصورت ہے۔

ھ: خلاصہ اور ہدایات:..... سابقہ مضمون سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ داعی کو اپنے خطاب کے دوران واقعات اور مثالوں کا بھی اہتمام کرنا چاہیے تاکہ اس کے انداز میں تنوع آ جائے۔ اس کی تقریر عبرت آموز واقعات سے مزین اور وضاحتی مثالوں سے آراستہ ہو۔ اس سے یہ ہوتا ہے کہ سامعین خاموشی سے سنتے اور سمجھتے ہیں۔ پھر اسے اپناتے اور عمل پیرا ہوتے ہیں وگرنہ تقریر خشک اور اکتاہٹ کا باعث بن جاتی ہے۔

داعی کو چاہیے کہ وہ دورانِ تقریر اس قدر واقعات بیان نہ کرے کہ وہ معلومات اور بنیادی مسائل اور عقائد پر چھا جائیں جب کہ عام مقررین کے ہاں یہ چیز محسوس ہوتی ہے کہ ان کی تقریر معلومات اور عقیدہ و منہج سے عاری ہوتی ہے۔

(۱۰) پُر مزاح اُسلوب:

خوش طبعی کے ذریعے اُسلوب کلام میں خوبصورتی پیدا ہوتی ہے۔ گفتگو مزین اور بات دلنشین ہو جاتی ہے۔ اور گفتگو کرنے والا سامعین کا دلپسند ہو جاتا ہے۔ اس کے فقدان سے خشکی، اس کی کمی سے کلام قابلِ نفرت اور اس کے افراط سے ناپسندیدہ ہو جاتا ہے۔

اس کی حیثیت مشروب میں چینی یا کھانے میں نمک کی طرح ہے رسول اللہ ﷺ بہت خوبصورت انداز میں خوش طبعی کرتے نہ تو اس قدر زیادہ کہ اس سے شخصی وقار ختم ہو جائے اور خطاب و کلام علمی اور مدلل نہ رہے۔ اور نہ ہی اس قدر ناپید کہ خشکی کا اشارہ دینے لگے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ عرض کیا گیا کہ آپ ﷺ تو خوش طبعی بھی کر لیتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا:

---

❶ بخاری: ۵۲۸، مسلم: ۶۶۷۔

((إِنِّي لَا أَقُولُ إِلَّا حَقًّا.)) ❶

”میں بہر کیف حق بات کہتا ہوں۔“

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سواری طلب کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تمہیں سواری کے لئے اونٹنی کا بچہ دے رہا ہوں۔ اس نے کہا یا رسول اللہ! میں اونٹنی کے بچے کو کیا کروں گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ اونٹ بھی تو اونٹوں کے بچے ہی ہیں۔ ❷

حضرت حسن رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ ایک بڑھیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئی۔ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے وہ مجھے جنت میں داخل کر دے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے: اری! جنت میں کوئی بڑھیا نہیں جائے گی۔ وہ پیچھے ہٹی اور رونے لگی یہ دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے بتاؤ کہ وہ بڑھیا ہوتے ہوئے جنت میں نہیں جائے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿إِنَّا أَنشَأْنَاهُنَّ إِنشَاءً ۝ فَجَعَلْنَاهُنَّ أَبْكَارًا ۝ عُرُبًا أَتْرَابًا ۝﴾

[الواقعہ:۳۵۔۳۷]

”(اور ان کی بیویاں ہوں گی) جنہیں ہم نے ایک خاص اٹھان پر اٹھایا ہوگا۔ پھر ہم انہیں رکھیں گے کنواریاں، دلربا اور ہم عمر۔“ ❸

کچھ لوگ خوش طبعی کو معمولی اور ناپسندیدہ قرار دیتے ہیں بلکہ وہ خوش طبعی کرنے والے کو گھٹیا سمجھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی اپنی گفتگو میں خوش طبعی سرے سے نہیں ہوتی۔ یہ مزاج کی خشکی اور سنت نبوی سے لاعلمی کا نتیجہ ہے۔

---

❶ احمد: ج ۲ ص ۳۶۰۔ سنن ترمذی: ۱۹۹۰۔ شمائل ترمذی: ۲۳۸۔ معجم اوسط طبرانی: ۸۷۰۶۔

❷ أحمد: ج ۳ ص ۲۶۷۔ بخاری فی الأدب المفرد: ۲۶۸۔ أبو داؤد: ۴۹۸۸، سنن الترمذی: ۱۹۹۱۔ شمائل ترمذی: ۲۳۹۔ سنن کبریٰ بیہقی: ج ۱۰ ص ۲۴۸۔

❸ حسن لغیرہ: شمائل ترمذی: ۲۴۱۔ معجم اوسط طبرانی: ۵۵۴۵۔

اس کے مد مقابل کچھ لوگ اس قدر خوش طبعی کرتے ہیں کہ ان کا وقار ختم ہو جاتا ہے اور انداز گفتگو ان کی بات کو نا قابلِ اعتماد حد تک پہنچا دیتا ہے۔

متوسط طریقہ ہی درست ہے اور اعتدال ہی حدیث سے ثابت ہے اور یقیناً اتباع سنت ہی میں برکت ہے۔ علاوہ ازیں خوش طبعی اور خندہ پیشانی میں نرمی کا پہلو بھی موجود ہے۔

سامعین کی طرف رخ کرنا، اعتدال کے ساتھ حرکت کرنا اور تقریر کے مطابق تاثر دینا:

اللہ تعالیٰ نے آنکھ کو دیکھنے کے لئے، کان کو سننے کے لئے، عقل کو سوچ وبچار کے لئے اور دل کو فیصلہ کرنے کے لئے پیدا کیا ہے۔ جب یہ تمام اعضاء کسی خطاب میں ایک ساتھ کام کریں تو ان کا اثر پُر زور اور فیصلہ زیادہ صائب ہو جاتا ہے۔

اس لئے داعی کو اپنی تقریر میں جامد نہیں ہو جانا چاہیے کہ وہ آواز اور ہاتھوں کی حرکت کو ہر مقام پر ایک سا رکھے۔ اہم اور غیر اہم میں کوئی فرق وامتیاز ہی نہ کرے۔

عقل مند داعی وہ ہے جو اپنی گفتگو سے مدعوین کے تمام حواس کو متحرک رکھے۔

اس کی آواز معتدل ہو اور سنائی دے رہی ہو۔ نہ اس قدر دھیمی ہو کہ سنائی نہ دے اور نہ اس قدر زور دار کہ پریشان کرے۔ جہاں ضرورت پڑے موقع ومحل کی مناسبت سے اسے اونچا کرے اور جہاں ضرورت ہو دھیما کرے۔ تاہم کسی بھی حالت میں معقول حد سے اسے بڑھنے نہ دے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب خطاب فرماتے تو ان کی آنکھیں سرخ ہو جاتیں، آواز اُونچی ہو جاتی اور غصّے میں آ جاتے۔ مکمل حدیث آئندہ آئے گی۔

داعی اپنا چہرہ لوگوں کی طرف رکھے۔ بلا ضرورت سرکو شرمندگی کے باعث زمین پہ جھکائے نہ رکھے، نگاہ کو ایک ہی طرف نہ رکھے۔ تمام حاضرین کو یکے بعد دیگرے دیکھے تاکہ ہر سامع کو احساس ہو کہ وہ اسے دیکھ رہا ہے اور اس سے محوِ گفتگو ہے۔

حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کی رات کی

بارش کے بعد ہمیں نمازِ فجر پڑھائی، سلام پھیرنے کے بعد لوگوں کی طرف رُخ کیا اور فرمانے لگے کیا تمھیں معلوم ہے کہ تمھارے رب نے کیا فرمایا ہے؟ ❶

اس کی حرکات بھی مطلوبہ تقاضوں کے مطابق ہوں، حرکت کا بھی بات کو سمجھنے، توجہ مبذول کرانے اور سامعین کو گفتگو میں شامل کرنے میں بہت دخل ہوتا ہے۔ زیادہ حرکت بات سے توجہ ہٹا دیتی ہے اور کم حرکت جمود کی ایک قسم ہے۔ رسول اللہ ﷺ بقدرِ ضرورت اشارہ کیا کرتے تھے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم ایک جنازے میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے۔ آپ لکڑی کے ساتھ زمین کریدنے لگ گئے۔ پھر فرمانے لگے ''تم میں سے ہر ایک کا جنت اور دوزخ میں ٹھکانہ تیار ہو چکا ہے۔'' ❷

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے حکم ہوا ہے کہ میں سات ہڈیوں کے بل سجدہ کروں۔ ناک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمانے لگے پیشانی کے بل اور............'' ❸

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہمیں ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھائی پھر منبر پر چڑھے پھر دونوں ہاتھوں سے مسجد کے قبلہ کی طرف اشارہ کیا، پھر فرمایا: میں نے ابھی نماز پڑھانے کے بعد جنت اور دوزخ کو اس دیوار کی طرف پوری پوری شکلوں میں دیکھا ہے۔ آج تک اس جیسا اچھا اور بُرا منظر میں نے کبھی نہیں دیکھا۔ ❹

حجۃ الوداع کے موقع پر آخری خطاب کے دوران آپ ﷺ شہادت کی اُنگلی آسمان کی طرف اٹھاتے اور اسے لوگوں کی طرف بڑھا کر کہتے:

---

❶ بخاری: ٨٤٦، ١٠٣٨۔ مسلم: ٧١۔ بیہقی سنن کبریٰ: ج٢ ص ١٨٨۔
❷ بخاری: ٦٢١٧۔ مسلم: ٦٢٤٧۔
❸ بخاری: ٨١٢، مسلم: ٤٩٠۔
❹ بخاری: ٧٤٩۔ مسلم: ٢٣٥٩۔

((اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ ، اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ ، اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ .)) ❶

"اے اللہ! گواہ رہنا، اے اللہ! گواہ رہنا، اے اللہ! گواہ رہنا۔"

اس سلسلہ میں اور بھی بہت سی احادیث ہیں۔ عقل مند کے لئے اشارہ ہی کافی ہے۔

(۱۴) مختلف اُسلوبِ خطاب:

اس میں دو عنوان ہیں:

الف: اُسلوبِ خطاب کی مختلف اقسام:..... تمام لوگ عقل وفہم میں اور حواسِ خمسہ کے استعمال میں برابر نہیں ہیں اور وتعات بھی مختلف اور حالات جُدا جُدا ہیں۔ اس لئے ایک داعی کے لئے ضروری ہے کہ اس کے اُسلوب میں تنوّع ہو اور اس کا اندازِ گفتگو حالات کی مناسبت سے بدلتا رہے تاکہ وہ باعثِ اکتاہٹ نہ ہو اور تمام طبقے کے لوگوں کو معلومات حاصل ہوتی رہیں۔

(۱) تقریر:..... اس میں داعی حاضرین کو سوال وجواب یا کسی اور طریقے سے اپنے ساتھ شامل کئے بغیر اپنی بات بیان کرتا چلا جاتا ہے یہ اُسلوب خطبۂ جمعہ اور عام وعظ وارشاد کے لئے موزوں ہے۔

(۲) سوال وجواب:..... اس اُسلوب میں داعی حاضرین کے ساتھ سوال وجواب کے ذریعے اپنے مدّعا ومقصود تک پہنچتا ہے۔

(۳) کوئی سوال پوچھنا:..... اس کا طریقہ یہ ہے کہ داعی کوئی علمی سوال طلبہ کے سامنے پیش کرکے اس کا جواب پوچھے تاکہ اس کے مخاطب اس کے ساتھ شامل ہوجائیں۔ یہ دو آخری طریقے تعلیمی اسباق میں بہتر ہوتے ہیں۔ کبھی کبھی یہ انداز جمعہ کے علاوہ وعظ وارشاد میں بھی اپنا لیا جاتا ہے۔ اگر داعی اُنہیں اچھے انداز میں اپنا سکے۔ یہ معلومات کو ذہن میں پختہ کرتے ہیں۔ مخاطب کو باہمی شرکت کی دعوت دیتے اور اکتاہٹ اور گھٹن کو دور کرتے ہیں۔

---

❶ مسلم: ۱۲۱۸۔

یہ کوئی دانائی نہیں ہے کہ داعی ایک ہی اُسلوب اپنائے رکھے اس سے ہٹنے کا نام نہ لے۔اس سے سامعین میں اکتاہٹ اور عدم دلچسپی آجاتی ہے اور وہ اس کے ساتھ گفتگو میں شامل نہیں رہتے۔اس کا دوسرا نقصان یہ ہے کہ اس سے سامعین میں کم فہمی اور معلومات کو ذہن میں راسخ نہ کرنے کا پہلو بھی پایا جاتا ہے۔

ب: کتاب وسنت میں خطاب کے تنوع کی مثالیں:.....قرآن مجید پڑھنے والے کو یہ اُسلوب واضح اور بکثرت ملے گا۔''مناظرہ'' کے عنوان میں اس سے متعلق تفصیلی گفتگو ہو چکی ہے مناسب ہوگا کہ اسے دوبارہ پڑھ لیں۔

حدیث کے مطالعہ سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ سرور کونین تقریر وخطابت، باہمی مکالمہ اور سوال وجواب جیسے سب اُسلوب اختیار کر لیا کرتے تھے۔کبھی آپ ﷺ کا اندازِ خطابت ایسا مرعوب کن ہوتا ہے گویا کہ آپ ﷺ کسی لشکر کی آمد کی اطلاع دے رہے ہوں۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ جب خطاب فرماتے تو آپ کی آنکھیں سُرخ ہو جاتیں، آواز بلند ہو جاتی اور انتہائی غصے ہو جاتے گویا کوئی شخص لشکر کی آمد کی اطلاع دیتے ہوئے کہہ رہا ہے۔وہ صبح صبح تم پر حملہ آور ہونے والا ہے، شام کو حملہ آور ہوگا۔آپ ﷺ شہادت والی اور درمیانی اُنگلی ملا کر اس طرح بھی ارشاد فرماتے ''مجھے اور قیامت کو اس طرح بھیجا گیا ہے'' کبھی آپ ﷺ کا اُسلوب رقّت آمیز ہوتا ہے اس سے جسم کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے اور دل ودماغ رُک کر سوچتے رہ جاتے۔

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے نمازِ فجر کے بعد ایک پُر تاثیر وعظ کیا جسے سن کر آنکھوں سے آنسو بھر آئے، دل پر خوف طاری ہو گیا۔ایک آدمی نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! یہ تو الوداعی خطاب ہے۔آپ ہمیں کیا نصیحت فرمائیں گے آپ ﷺ نے فرمایا: ''...........''[1]

کبھی کبھی آپ اپنے شاگردوں سے سوال وجواب کا اُسلوب اختیار کرتے۔

---

[1] ابو داؤد: ۴۶۰۷؛ ابن ماجہ: ۴۲؛ ترمذی: ۲۶۷۶۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے پوچھا! آج تم میں سے روزہ کس نے رکھا ہے؟ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے۔ آپ نے پوچھا آج تم میں سے جنازے کے ساتھ کون گیا؟ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں۔ آپ ﷺ نے پوچھا! تم میں سے آج کسی غریب کو کھانا کس نے کھلایا؟ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"مَا اجْتَمَعْنَ فِیْ امْرِیءٍ اِلَّا دَخَلَ الْجَنَّةَ۔" ❶

"یہ کام جس آدمی میں اکٹھے ہو گئے وہ ہر صورت جنت میں جائے گا۔"

ایک دوسری روایت میں ان الفاظ کا اضافہ ہے "یہ کام ایک دن اکٹھے ہو گئے۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے پوچھا "اے معاذ! تمہیں پتہ ہے کہ اللہ کا اپنے بندوں پر کیا حق ہے؟"

انہوں نے کہا: اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "وہ حق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کی جائے اور اس کے ساتھ کسی قسم کا شرک نہ کیا جائے۔" پھر آپ ﷺ نے پوچھا: کیا تمہیں معلوم ہے کہ جب بندے ایسے ہی کریں تو بندوں کا اللہ تعالیٰ پر کیا حق ہے؟ انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا:

"ان کا حق یہ ہے کہ وہ انہیں عذاب نہ دے۔" ❷

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ "ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک ایسا درخت ہے جس کے پتے نہیں گرتے وہ مسلمان کی طرح (مفید) ہے۔ تم مجھے بتاؤ کہ وہ کون سا درخت ہے لوگوں نے جنگل کے مختلف درختوں کے نام لیے۔ حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میرے ذہن میں آیا کہ وہ کھجور کا درخت ہے لیکن میں بتانے سے شرما گیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! آپ ہمیں بتائیں کہ وہ کون سا درخت ہے آپ ﷺ نے

---

❶ بخاری ۵:۱۰۵، مسلم: ۱۰۲۷۔
❷ بخاری: ۷۳۷۳، مسلم: ۳۰۔

فرمایا: "وہ کھجور کا درخت ہے۔" ❶

ان مکالموں کو ذرا دیکھیں یہ کس قدر مفید ہیں۔ اس طریقۂ تدریس پر غور کریں یہ کتنا دلنشین ہے۔ آج ہمارے اہلِ علم اور مبلغین کو بھی رسول اللہ ﷺ کا طریقہ ہی اپنانا چاہیے۔ آپ کا اُسلوب ہی میدانِ دعوت میں ان کا طرزِ عمل ہونا چاہیے۔

قربان جائیں آپ ﷺ کتنے عظیم مدرس، کتنے خوبصورت مبلّغ تھے۔

آج کے ماہرینِ تربیت اسے پہیلی کے نام سے یاد کرتے ہیں یعنی کسی انوکھی بات کو طلبہ کے سامنے پیش کرنا پھر اسے تلاش کرنے میں ان کے ساتھ شامل ہو جانا۔

ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بتایا کہ میری امت میں سے ستر ہزار افراد حساب اور عذاب کے بغیر جنت میں جائیں گے۔ اس کے بعد آپ ﷺ گھر تشریف لے گئے اور یہ نہیں بتایا کہ وہ کون ہوں گے؟

یہ طلبہ کی ذہنی آزمائش کا بہترین انداز ہے۔ وہ طلبہ جو یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ یہ ستر ہزار افراد کون ہیں تاکہ وہ بھی ان میں شامل ہو سکیں۔

اس میں ذہنوں کو جوش دلانے، سوچ و بچار کو حرکت میں لانے اور بات کو لوحِ دماغ پر پختہ کرنے کا پہلو موجود ہے۔

یہ انداز ایک دوسرے انداز سے زیادہ پُر اثر ہے کہ جس میں انہیں ان ستر ہزار کے بارہ میں سادہ طور سے بتا دیا جاتا۔ ہوا بھی ایسے ہی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ذہن اس بجھارت نما سوال کے جواب کی تلاش و جستجو کے لئے حرکت میں آ گئے۔ کچھ صحابہ نے کہا! وہ ہم ہی ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور ہم نے رسول اللہ ﷺ کی اتباع کی، کچھ کہنے لگے وہ ہمارے بچے ہیں جو پیدائشی مسلمان ہیں۔ کوئی کچھ کہنے لگے اور کوئی کچھ۔

نبی کریم ﷺ کو پتہ چلا تو آپ ﷺ باہر تشریف لائے اور فرمایا:

((هُمُ الَّذِيْنَ لَا يَسْتَرْقُوْنَ، وَلَا يَتَطَيَّرُوْنَ، وَلَا يَكْتَوُوْنَ،

---

❶ بخاری: ٦١، ٦٢۔ مسلم: ٢٨١١۔

وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ)) ❶

''یہ وہ لوگ ہوں گے جو دم بھی نہیں کرواتے، فال بھی نہیں لیتے، اور داغ کے ذریعے علاج بھی نہیں کرواتے اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔''

سابقہ حدیث میں مسلمان سے ملتے جلتے درخت کے بارہ میں سوال کرنا استفہامیہ طریقے ہی کا استعمال اور جذبے کی تحریک کا ہی پہلو ہے۔

حدیثِ نبوی ایسے تعلیمی، تربیتی اور دعوتی اُسلوبوں سے بھری پڑی ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اسے اپنائیں۔

(۱۳) بات میں طوالت نہ ہونا، تکلّف، تصنّع، بسیار کلام نہ ہونا، مصنوعی سجع اور ذُو معنی فقرے استعمال نہ کرنا بھی اچھے اُسلوب میں شامل ہے:

اس میں دو عنوان ہیں:

الف: مذکرہ عنوان کا مفہوم اور اہمیت: ..... تقریر لمبی ہو جائے تو سامعین اکتاہٹ محسوس کرتے ہیں۔ موضوع میں یکسانیت نہ رہے تو ان کی سوچ اور فکر منتشر ہو جاتی ہے۔

انسانی مزاج کچھ ایسا واقع ہوا ہے کہ وہ تکلّف کو ناپسند کرتا ہے اور تصنّع کو بُرا محسوس کرتا ہے۔

ان اُصولوں کے پیشِ نظر یہ خیال رکھا جائے کہ تقریر لمبی اور باعثِ اُکتاہٹ نہ ہو۔ اس میں ناپسندیدہ تکلّف نہ ہو ورنہ سامعین اُکتا جائیں گے اور نفرت کرنے لگیں گے۔ اس میں فریقین کا وقت اور محنت دونوں لحاظ سے نقصان ہے۔ جہاں تک طوالت کا تعلق ہے تو یہ ایک جانی پہچانی چیز ہے۔ سامعین کی ضرورت، ان کی توجہ اور اکتاہٹ اسے جانچنے کا معیار ہے۔

تصنّع کا مطلب یہ ہے کہ کلام بے جا الفاظ سے بھرا ہوا ہو اور اس میں بے فائدہ تکرار ہو۔

منہ زوری اور یاوہ گوئی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ادائیگی کلام میں تکلّف ہو اور بلا ضرورت اسے پھیلایا جائے تاکہ سامعین سمجھیں کہ مقرر بہت فصیح و بلیغ ہے بلکہ کبھی اس کے الفاظ سے

❶ بخاری: ۵۷۰۵۔

یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ متکبر ہے۔

سجع کا مفہوم یہ ہے کہ شعر نہ ہونے کے باوجود کلام میں قافیہ بندی اور حروف کے مخارج میں یکسانیت پائی جائے۔ کچھ لوگوں کے نزدیک اس سے مراد یہ ہے کہ نثر میں فقرے کے اجزاء کے آخری حرف ایک طرح ہوں۔

ب: حدیث میں مذکورہ اسالیب کی حیثیت: ... رسول اللہ ﷺ نے ان تمام باتوں سے منع فرمایا ہے۔ طویل گفتگو کرنے سے، منہ پھاڑ پھاڑ کر باتیں کرنے سے اور بے مقصد تکرار سے بھی۔ آپ ﷺ تو مختصر لیکن جامع گفتگو پسند فرماتے تھے۔

آپ ﷺ کا فرمان ہے:

((أُوْتِيْتُ جَوَامِعُ الْكَلِمِ .)) ❶

''مجھے جامع کلمات عطا کئے گئے ہیں''

جامع سے مراد ہے مختصر لیکن موثر گفتگو جو وسیع معانی پر مشتمل ہو۔ عرب کا مشہور مقولہ ہے: ''اچھی بات وہ ہے جو مختصر اور بامقصد ہو'' لمبی اور باعث ملال نہ ہو۔

عقل مند داعی وہ ہے جس کی بات مختصر اور پُر تاثیر ہو۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

((إِنَّ طُوْلَ صَلَاةِ الرَّجُلِ ، وَقِصَرَ خُطْبَتِهِ مَئِنَّةٌ مِنْ فِقْهِهِ .)) ❷

''نماز میں طوالت اور تقریر میں اختصار آدمی کی عقل مندی کی علامت ہے۔''

تقریر جتنی مختصر، بامقصد اور پُر اثر ہوگی اُسی قدر داعی کی سمجھ داری اور دانائی کی دلیل ہوگی۔ طوالت، بے مقصد تکرار، منہ زوری اور بسیار کلام ہونا تقریر میں یہ تمام انداز ناپسندیدہ ہیں۔

ایک صحابی رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں تقریر کرنے لگا۔ اس نے بے جا تکرار سے کام لیا یہ دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: خاموش ہو جاؤ یا فرمایا بیٹھ جاؤ۔

---

❶ بخاری: ۲۹۷۷، ۶۹۹۸، ۷۰۱۳، ۷۲۷۳۔ مسلم: ۵۲۳۔

❷ مسلم: ۸۶۹۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے تو انہوں نے مختصر، پُر اثر اور افادیت سے بھرپور تقریر کی۔ انہیں سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ابن اُمّ عبد (عبداللہ بن مسعود) نے صحیح کہا ہے۔ ابن ام عبد نے صحیح اور سچ کہا ہے۔ میری امت کے لئے جو بات ابن امّ عبد نے پسند کی میں نے بھی اسے ان کے لئے پسند کیا۔ ❶

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "تم میں سے جو لوگ بہترین اخلاق کے مالک ہیں وہ مجھے زیادہ پسند ہیں۔ اور قیامت کے دن محفل میں میرے نزدیک ترین ہوں گے۔" اور جو لوگ زبان دراز، منہ پھٹ اور متفیہق ہیں۔ وہ مجھے انتہائی ناپسند ہیں اور قیامت کے روز مجھ سے بہت دور بیٹھیں گے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ زبان دراز اور منہ پھٹ کو ہم جانتے ہیں، متفیہق سے کیا مراد ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "جو تکبر کرنے والے ہیں۔" ❷

تکلّف کے ذریعے کلام کو موزوں بنانا، قدیم کتابوں کا مطالعہ کر کے اس میں سے تلاش کر کے مسجع و مقفی کلام اور طرح دار وعظ پیش کرنا جس سے سامعین ترنم اور موزوں و مقفی الفاظ اور گنگناتے نغموں کے علاوہ کچھ بھی نہ پائیں۔ یہ طریق کار حکمت و دانائی سے عاری ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا فرمان ہے "لوگو ہفتے میں ایک دفعہ وعظ کیا کرو اگر ایسے نہیں تو دو دفعہ کر لیا کرو، ہم وزن الفاظ کے ذریعے دعا کرنے سے اجتناب کرو۔ میں نے اللہ کے رسول ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اسی طرح کرتے دیکھا ہے یعنی وہ اس سے بچنے کی ہی کوشش کیا کرتے تھے۔ ❸

جس تکرار اور موزوں و مقفی کلام سے روکا گیا ہے۔ اس سے مراد تکلف سے پیش کردہ کلام ہے جب کہ متکبر کا تعلق کلام کے مفہوم، عبارت کی سلامت اور مدعوین کے فہم کے

---

❶ سلسلة الصحيحة: ١٢٢٥۔

❷ ترمذی: ٢٠١٨۔ سلسلة صحيحة: ٧٩١۔

❸ بخاری: ٦٣٣٧۔

ساتھ ہے۔

اگر عبارت میں تسلسل ہو، تکلف نہ ہو، جملے پیچیدہ نہ ہوں اور انہیں سمجھنے میں دقت نہ ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں بلکہ ایسی صورت میں وہ کلام کو خوبصورت بنا دیتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ بھی اسے استعمال کر لیا کرتے تھے اور انتہائی انوکھا انداز دے دیا کرتے تھے مثلاً:

آپ ﷺ نے فرمایا ہے:

"اَللّٰهُمَّ مُنْزِلَ الْكِتَابِ، سَرِيعَ الْحِسَابِ، اهْزِمِ الْأَحْزَابَ، وَمُجْرِيَ السَّحَابِ....."

"اے اللہ! کتاب کو نازل کرنے والے، جلد حساب لینے والے، بادل کو چلانے والے مخالف فریق کو شکست دے......" ❶

اسی طرح آپ ﷺ کا فرمان ہے:

"اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُبِكَ مِنْ قَلْبٍ لَا يَخْشَعُ، وَمِنْ عِلْمٍ لَا يَنْفَعُ، وَمِنْ دُعَاءٍ لَا يُسْمَعُ، وَمِنْ نَفْسٍ لَا تَشْبَعُ....."

"اے اللہ! میں ایسے دل سے تیری پناہ میں آتا ہوں جو تیرے خوف سے عاری ہو اور ایسے علم سے بھی جو فائدہ نہ دے اور ایسی دعا سے جو قبول نہ ہو اور ایسے جی سے جو سیر نہ ہو۔" ❷

نیز آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

"كَلِمَتَانِ خَفِيفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ، ثَقِيلَتَانِ فِي الْمِيزَانِ، حَبِيبَتَانِ إِلَى الرَّحْمٰنِ، سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ، سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيمِ۔"

"دو کلمے زبان پر ادائیگی کے لحاظ سے بہت آسان ہیں، عملوں کے ترازو میں بہت وزنی اور رحمان کو بہت پسند ہیں۔ سبحان اللہ وبحمدہ وسبحان اللہ العظیم۔" ❸

---

❶ بخاری ۲۹۳۳، مسلم:۱۷۴۲۔ ❷ بخاری: ۲۹۶۶، ٤١١٥ مسلم: ١٧٤٢۔

❸ بخاری: ٦٤٠٦۔

فصل 2

دعوت میں مختلف ذرائع و وسائل کے استعمال کی شرعی حیثیت

اس میں سات مضامین ہیں:

(۱) مقاصد، اُسلوب اور وسائل و ذرائع کا باہمی ربط:

اس میں دو عنوان ہیں:

متذکرہ بالا الفاظ کا مفہوم:

اس زندگی میں انسان کے کچھ مقاصد ہیں۔ ہر مقصد تک رسائی کا ایک طریقِ کار ہے اور ہر طریقِ کار کے کچھ اسباب و وسائل ہیں۔ مثلاً: سفر کو لے لیں اس کا مقصد مسافر کو معلوم ہوتا ہے کہ وہ تجارت کرنا چاہتا ہے یا سیر و تفریح یا کوئی اور مقصد ہے۔

سفر کرنے کے طریقے بھی جانے پہچانے ہیں۔ ان سے ہٹ کر کوئی طریقہ اختیار نہیں کیا جا سکتا۔ جب کہ وسیلہ اس چیز کو کہتے ہیں جس کے ذریعے مقصد تک پہنچنے کے لئے اس راہ پر چلتے ہوئے مدد حاصل کی جاتی ہے۔ یہ سفر کے لئے کوئی بھی ہو سکتا ہے مثلاً زمینی راستہ، سواری اور وہ کسی بھی طرح کی ہو سکتی ہے، زادِ راہ، اسلحہ، مال و دولت ممکن ہے اس وسیلہ میں گفتگو اور وعظ و نصیحت جیسی چیزیں بھی آ جائیں۔

اگر ہم اسے دینی معاملات پر منطبق کرنا چاہیں تو اس طرح کہہ سکتے ہیں کہ دینِ اسلام کے کچھ مقاصد ہیں، کچھ راستے ہیں اور کچھ وسائل و ذرائع ہیں۔ دینِ اسلام کے مقاصد اللہ کی رضا کا حصول، اس کی گرفت سے بچاؤ اور اس کے انعام کا حصول ہے یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے طے کردہ اور منصوص ہے۔ اس کا عقل اور اجتہاد سے کوئی تعلق نہیں۔ اللہ تعالیٰ

نے اسے قرآن مجید میں اور رسول اللہ ﷺ نے حدیث میں بیان کر دیا ہے۔ فرمان رب العزت ہے:

﴿ وَابْتَغُوٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ ﴾ [المائدة: ٣٥]

''اور صرف اُسی کے تقرب کے طالب بنو۔''

یہ آیت واضح طور سے بتا رہی ہے کہ دین کا مقصد اللہ تعالیٰ سے تقویٰ اور اس کی رضا کا حصول ہے۔

رب تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَاللّٰهُ يَدْعُوٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ﴾ [یونس: ٢٥]

''اور اللہ امن و سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے۔''

باری تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارہ میں ارشاد فرمایا:

﴿ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ﴾ [الفتح: ٢٩]

''تم انہیں اللہ کے فضل اور اس کی خوشنودی کی طلب میں سرگرم پاؤ گے۔''

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

((أَلَا إِنَّ سِلْعَةَ اللّٰهِ غَالِيَةٌ ، أَلَا إِنَّ سِلْعَةَ اللّٰهِ الْجَنَّةُ......)) ❶

لوگو! اللہ تعالیٰ کا سودا بہت مہنگا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا سودا جنت ہے۔''

خریدار کا مقصد سودا حاصل کرنا ہوتا ہے۔

دینِ اسلام کے راستے میں توحید باری تعالیٰ، شریعت کے مطابق اس کی عبادت، امر و نہی میں اس کی اطاعت و فرماں برداری، اس کے رسولوں پر ایمان اور ان کی اتباع، نماز کا اہتمام، روزہ رکھنا اور بیت اللہ کا حج کرنا یہ سب مقصد تک پہنچنے کے راستے ہیں۔

ان معنوں میں اللہ تعالیٰ تک پہنچانے والے راستے شریعت کی طرف سے طے کردہ ہیں۔ ان میں اجتہاد کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اپنی طرف سے کوئی طریقہ اختیار کرنا ناجائز

❶ الترمذي: ٢٤٥٠، مستدرك حاكم: ج٤ ص ٣٠٨۔

ہے۔ ان راستوں میں سے ایک اہم راستہ دعوتِ دین ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣعَلٰي بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ۭ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝﴾ [یوسف: ۱۰۸]

''کہہ دو: یہ میری راہ ہے میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں پوری بصیرت کے ساتھ۔ میں بھی اور وہ لوگ بھی جنہوں نے میری پیروی کی ہے اور اللہ پاک ہے اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔''

اس آیتِ مبارکہ میں مقصد اور راستے کو ایک ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا قرب مقصد ہے اور اس تک پہنچنے کا راستہ تبلیغِ دین ہے اور یہ دونوں توقیفی اور طے شدہ ہیں۔ ان میں انسان کی ذاتی رائے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اس آیت میں اسے ''سبیل'' کہہ کر بیان کیا گیا ہے جب کہ ایک دوسرے مقام پر اسے ''صراط'' کہا گیا ہے۔ جیسا کہ ارشادِ ربّ العزت ہے:

﴿وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۭ﴾ [الأنعام: ۱۵۳]

''اور یہی میرا راستہ سیدھا ہے، اس کی پیروی کرو اور دوسری پگڈنڈیوں پر نہ چلو کہ وہ تمہیں اس کی راہ سے الگ کر دیں گی۔''

بلاشبہ راستہ اور شاہراہ شریعت کی طرف سے طے شدہ ہے۔ اگر ایسے نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ اتباع کا حکم نہ دیتے۔ باری تعالیٰ نے اس میں ''فَاتَّبِعُوْهُ'' کہہ کر امر کا صیغہ استعمال کیا ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ اسے اپنانا فرض ہے اور اس سے ہٹنا ناجائز ہے۔

اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ اللہ ربّ العزت نے دوسرے ایسے مختلف راستے اپنا کر اس کی مخالفت کرنے سے بچنے کی تلقین کی ہے۔ جنہیں کوئی شخص یہ سمجھ لے کہ یہ بھی باری تعالیٰ تک پہنچاتے ہیں جب کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے یہ نہ بتائے

ہوں۔ اس کو بدعت سازی کہتے ہیں جس کی حرمت شدید طریقے سے بیان کی گئی ہے۔

ارشاد رب العزت ہے:

﴿ أَمْ لَهُمْ شُرَكَٰٓؤُا۟ شَرَعُوا۟ لَهُم مِّنَ ٱلدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَنۢ بِهِ ٱللَّهُ ﴾

[الشوری: ۲۱]

''کیا ان کے کچھ شریک ہیں جنہوں نے ان کے لئے وہ دین بنایا ہے جس کا اِذن اللہ نے نہیں دیا۔''

اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کے بارہ میں فرمایا ہے:

﴿ وَرَهْبَانِيَّةً ٱبْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَٰهَا عَلَيْهِمْ إِلَّا ٱبْتِغَآءَ رِضْوَٰنِ ٱللَّهِ ﴾

[الحدید: ۲۷]

''اور رہبانیت انہوں نے خود ایجاد کی۔ ہم نے ان کے اوپر صرف اللہ کی خوشنودی کی طلب فرض کی تھی۔''

آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

((مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ فِيهِ فَهُوَ رَدٌّ .)) ❶

''جو شخص ہمارے دین میں کوئی نیا طریقہ اختیار کرتا ہے وہ مسترد ہے۔''

• ان دلائل کی روشنی میں بدعت کی تعریف یہ ہے'' ہر وہ عمل جس سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا اور رضا حاصل کرنا مقصود ہو اور اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ نے وہ عمل نہ بتایا ہو اسے اختیار کرنا بدعت ہے اور حرام ہے۔''

یہی وجہ ہے کہ اس آیت میں ''سُبل'' کی تفسیر ''گمراہیاں'' کی گئی ہے۔

امام مجاہد رحمہ اللہ نے یہ کہہ کر اسے بالکل ہی واضح کر دیا کہ ''سبل'' سے مراد بدعات اور شبہات ہیں۔ ❷

---

❶ بخاری: ۲۶۹۷، مسلم: ۱۷۱۸۔

❷ سنن الدارمی: ۲۰۳، السنۃ للمروزی: ۲۰، تفسیر ابن ابی حاتم ج۵ ص ۱۴۲۲۔

صحیح رائے یہ ہے کہ "سُبُل" کے لفظ کا اطلاق کسی بدعت یا طریقت کی حد تک محدود نہیں ہے بلکہ یہ تو اسلام اور سنت کے علاوہ ہر راستے پر حاوی ہے۔ اس میں سیاسی مظاہرے، فوجی انقلابات، اجتماعی بم بلاسٹنگ وغیرہ تمام چیزیں آجاتی ہیں جبکہ ان کی تفصیل اپنے مقام پر آرہی ہے۔ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ

یہاں یہ حدیث نبوی ملحوظ رہے "جو شخص ہمارے اغیار کا طریقہ اختیار کرتا ہے اس کا ہم سے کوئی تعلق نہیں۔" ❶

مدعا و مقصود یہ ہے کہ اسلام کی طرف دعوت اور اسلامی حکومت کا قیام اسی طریقے سے ممکن ہے جو طریقہ شریعت نے بتایا ہے۔ اس کا ایک ہی طریقہ ہے کہ اس کی طرف دانائی اور عمدہ نصیحت کے ذریعے لوگوں کو بلایا جائے جو طریقہ اس سے ہٹ کر ہو وہ خودساختہ اور خراب ہے۔

دین کے وسائل وذرائع وہ ہیں جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا دین پہنچانے، اسے سکھانے، اس کا بول بالا کرنے اور عبادتیں سرانجام دینے کے لئے مدد لی جاتی ہے وہ چیز جامد بھی ہوسکتی ہے جیسے نماز اور خطبے کے لئے لاؤڈ سپیکر اور تعلیم کے لئے قلم وقرطاس ہے۔ وہ وسیلہ متحرک بھی ہوسکتا ہے جیسے حج کے لئے ٹرانسپورٹ کا استعمال ہے اور وہ ایک انداز اور اُسلوب بھی ہوسکتا ہے جیسے درس دینا، لیکچر دینا اور کتاب لکھنا وغیرہ۔

ب: وسائل وذرائع کی شرعی حیثیت میں اہلِ علم کا اختلاف:...... اہل علم اور داعی حضرات کے ہاں شریعت کے طے کردہ وسائل اور دعوتی وسائل کے سلسلہ میں کچھ اشکالات ہیں۔

اس اختلاف کی ایک وجہ یہ ہے کہ: مختلف مسائل کی حیثیت اجمالی طور پر متعین کی جاتی ہے۔ اس میں تفصیل اور مقصد کو منضبط نہیں کیا جاتا اور الفاظ کی تعریف نہیں کی جاتی اس لئے مختلف مسائل باہم متداخل ہوتے ہیں۔ ہر فریق مجمل اور باہم متداخل مسائل کو اپنے زاویہ نگاہ

❶ طبرانی: ج ۱۱ حدیث: ۱۱۳۳۵۔ مسند دیلمی: حدیث: ۵۳۰۹۔

سے دیکھتا ہے اور اپنی بیان کردہ تعریف کے سانچے میں رکھتا ہے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اختلاف رائے پیدا ہو جاتا ہے لہٰذا جس قدر مسائل کو تفصیل سے لیا جائے گا ان کی تعریف منضبط ہوگی، ان کے قواعد و اصول مقرر ہوں گے اسی قدر مقصود واضح اور اختلاف رائے کم ہوگا۔

زیر نظر موضوع میں وجہ اختلاف یہ ہے کہ لفظ "ذرائع" کبھی تو محض عبادات کے لئے استعمال ہوتا ہے جیسے نماز اور حج وغیرہ ہیں کہ انہیں اللہ کے قرب کے وسائل کہا جاتا ہے اور کبھی یہ لفظ گذشتہ اصطلاحی تعریف کے مطابق ایسی مادی چیزوں کے لئے استعمال ہوتا ہے جو ان راستوں پر چلنے کے لئے معاون بنتی ہیں جو لوگ اسے عبادت کے طریق کار مثلاً نماز کے لئے استعمال کرتے ہیں وہ اسے توقیفی قرار دیتے ہیں اور جو لوگ ذرائع کے لفظ کو مادی چیزوں کے لئے استعمال کرتے ہیں وہ اسے اجتہادی قرار دیتے ہیں۔

گذشتہ تمہید کی روشنی میں صحیح رائے یہ ہے کہ اگر "ذرائع" سے عبادت کے شرعی طریقے مراد لئے جائیں تو یہ توقیفی ہیں اور اگر اس سے مادی اور اسلوب سے متعلقہ چیزیں لیا جائے تو یہ توقیفی نہیں ہیں۔

دعوت وتبلیغ کے طریقوں کی بھی یہی صورت حال ہے طرق ووسائل کی اس تقسیم اور تعریف کے ذریعے علماء کے ہاں پائے جانے والے اختلاف رائے کی وجہ سے پیدا ہونے والا شبہ بھی ختم ہوگیا کیونکہ کچھ علماء طرق ووسائل کو توقیفی قرار دیتے ہیں اور کچھ اجتہادی اس کی تفصیل اور دلائل آئندہ عنوان میں ملاحظہ ہوں۔

(۲) دعوتی وسائل وذرائع کی تعریف اور اقسام:

منزل، راستے اور ذرائع کا فرق بیان کرنے کے بعد اب ہم ذرائع کی تعریف اور اس کے تفصیلی احکامات پوری شرح وبسط کے ساتھ پیش کرتے ہیں کیونکہ یہ اس فصل کا بنیادی موضوع ہے۔

اس میں پانچ عنوانات ہیں۔

الف: ذریعہ ابلاغ اور اس کی اقسام:..... لفظ "وسیلۃ" کا لغوی معنی قریب ہونا

اور جوڑنا ہے، مثلاً: ہم کہتے ہیں زید نے بکر کے لئے وسیلہ اختیار کیا یعنی اس تک پہنچنے کا ذریعہ اپنایا۔

گویا کہ "وسیلہ" اس ذریعے کو کہتے ہیں جو منزل تک پہنچائے یا اس تک پہنچانے میں معاون ہو۔

دعوتِ دین کی اصطلاح میں وسیلہ سے مراد وہ ذریعہ، سبب اور طریقہ ہے جس سے دعوت پہنچانے میں مدد لی جاتی ہے اور اس کی دو قسمیں ہیں۔

(۱)..... لوہا یا کاغذ وغیرہ سے بنے ہوئے مختلف مادی ذرائع جیسے لاؤڈ سپیکر، منبر اور کیسٹ وغیرہ۔

(۲)..... عملی ذرائع: اس سے مراد درس، باہمی گفت وشنید، مناظرہ، تعلیمی ورکشاپ وغیرہ ایسے مخصوص طریقے جنہیں کسی موضوع کی وضاحت کرنے، معلومات فراہم کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ اس مفہوم کے لحاظ سے یہ اور اُسلوب ہم معنی ہیں۔ تاہم اسے یہاں الگ سے بیان کیا جا رہا ہے تاکہ اس کا معنی ومفہوم اور اسے استعمال کرنے کا دعوتی انداز واضح ہو جائے۔

وسیلے اور ذریعے کا مقصد کے ساتھ عموماً کوئی گہرا تعلق نہیں ہوتا، نہ تو پیش کردہ دعوتی مضمون کے ساتھ اور نہ ہی طریقہ عبادت کے ساتھ اور نہ دعوت کے سیاق وسباق کے ساتھ۔

اس کا تعلق بات کو پیش کرنے کے انداز کے ساتھ ہوتا ہے تاکہ اسے نکھار کر ذہن نشین کرکے، آسان طریقے سے اور دعوت کو وسیع تر دائرے میں پیش کیا جائے۔

ب: وسائل وذرائع کی شرعی حیثیت اور ان کے اُصول وضوابط:...... وسائل وذرائع کے بارہ میں لوگوں کی مختلف آراء ہیں۔ کچھ افراط کا شکار ہیں تو کچھ تفریط کا اور کچھ متوسط بھی ہیں۔ ایک طرف وہ لوگ ہیں جنہوں نے شریعت کے اس اُصول کا سہارا لیا ہے کہ "ہر چیز کا استعمال بنیادی طور پر جائز ہے" وہ اسے بنیاد بنا کر ہر ذریعہ ابلاغ کو مطلق العنان ہوکر استعمال کرتے ہیں اس دوران وہ شرعی اُصول یا دینی نقصانات کسی بھی چیز کو خاطر میں

نہیں لاتے۔

بلا ضرورت تصویر بلکہ موسیقی جیسے حرام اور ناجائز ذرائع بھی استعمال کرتے ہیں۔

دوسری طرف تنگ نظر لوگ ہیں جنہوں نے ایک دوسرے اُصول کا سہارا لیا ہے اور وہ یہ ہے کہ تمام کام بنیادی طور پر منع اور شریعت کے جائز قرار دینے پر موقوف ہیں۔

وہ یہ کہتے ہیں کہ شریعت کی دوٹوک وضاحت کے بغیر کوئی بھی ذریعہ اختیار کرنا ناجائز ہے۔ ہمارے خیال کے مطابق یہ دونوں فریق صحیح اور درست رائے سے ہٹ چکے ہیں۔ جنہوں نے ہر ذریعے کو مطلقاً جائز قرار دیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے ناجائز کردہ طریقے کو جائز قرار دینے کے مرتکب ہوئے ہیں جبکہ مطلقاً منع کرنے والوں نے لوگوں کے لئے باعث افادیت چیزوں کو بے کار بنا کر رکھ دیا ہے اور میدانِ دعوت کو خراب کیا ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ ناجائز ذریعے سے دین کی دعوت کیسے درست ہوسکتی ہے؟ وگرنہ ہم بھی میکاولی (اطالوی فلسفہ دان) کے پیروکار بن جائیں گے اور رب العالمین کی شریعت کے پیروکار نہیں رہیں گے۔ اسی طرح جس چیز کو شریعت نے جائز کہا ہے اسے ذریعہ ابلاغ بنانے کے لئے شریعت کی طرف سے وضاحت کی کیا ضرورت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ منع کرنے والے دعوتی طریقے میں پہلے خود ہی اس کی مخالفت کرتے ہیں۔

صحیح اور معتدل رائے یہ ہے کہ مادی اور معنوی دونوں طرح کے وسائل اختیار کرنا بنیادی طور پر جائز ہیں۔ تاہم جس کے منع ہونے کی دلیل آ گئی ہے وہ اس میں شامل نہیں ہیں وہ اجتہادی ہیں اور انہیں استعمال کرنا فوائد ونقصانات کے قواعد کے تابع ہے مثلاً: مسجد ہی کو لے لیں یہ گارے سے بھی تعمیر ہوسکتی ہے، پتھر سے بھی، لوہے سے بھی اور سیمنٹ سے بھی جیسے لوگوں کے حالات ہوں اور جیسے جگہ اور وقت کا تقاضا ہو اس کے مطابق اسے بنایا جاسکتا ہے جبکہ اس کی بے جا تزئین وآرائش بھی ایک طریقہ اور انداز ہے لیکن وہ اپنانا ناجائز ہے کیونکہ اس سے شریعت نے منع کیا ہے۔

ج: ذرائع ووسائل کے بنیادی طور پر جائز ہونے کے دلائل:..... کتاب وسنت

میں اس کے واضح دلائل موجود ہیں مثلاً:

(۱)...... جہادی وسائل کے بارہ میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ﴾

[الأنفال:۶۰]

''اور ان کے لئے جس حد تک کر سکو فوج اور بندھے ہوئے گھوڑے تیار رکھو۔''

جنگ کی تیاری مختلف طریقوں سے ہو سکتی ہے یہاں اس کا غیر مشروط اور مطلق حکم ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جب تک کسی چیز کو مستثنیٰ کرنے یا حرام قرار دینے کی کوئی دلیل نہیں ہو گی اسے استعمال میں لانا جائز ہے۔ اگر یہ وسائل اجتہادی مسئلہ نہ ہوں تو شرعی دلیل کے بغیر کوئی بھی اسلحہ بنانا جائز نہ ہو۔ یہ آیت ہی اس کے جواز کی دلیل ہے۔

(۲)...... آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے ''گھوڑے تین طرح کے ہوتے ہیں ایک باعث ثواب، ایک نہ باعثِ ثواب نہ باعثِ گناہ اور ایک باعثِ گناہ۔ ❶

گزشتہ تعریف کی روشنی میں ''گھوڑا'' نہ طریقہ ہے نہ مقصد ہے بلکہ یہ ایک ذریعہ اور وسیلہ ہے۔

احادیث میں اسے مالک کی نیت اور اس کے مقصد پر چھوڑ دیا گیا ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس میں بھی ''ہر چیز بنیادی طور پر جائز ہے'' کے اُصول کو سامنے رکھا گیا ہے۔ فقہاء نے بھی یہ اُصول بنایا ہے کہ ذرائع و وسائل کی شرعاً وہی حیثیت ہے جو ان کے مقاصد کی حیثیت ہے۔ اس کی تفصیل آگے بھی آ رہی ہے۔

د: ذرائع استعمال کرنے کے شرعی اُصول:...... ذریعہ ابلاغ کو بنیادی طور پر جائز قرار دینے کے کچھ اُصول اور ضابطے ہیں۔ اگر ان سے تجاوز کیا جائے گا تو وہ ناجائز قرار پائیں گے۔

(۱)...... بنیادی طور پر کسی بھی ذریعے کو اختیار کرنا جائز ہے منع نہیں ہے۔ تاہم اگر

❶ بخاری: ۳۶۴۶، مسلم: ۹۸۷۔

شریعت کسی ذریعے کو اختیار کرنے سے منع کر دے، اسے اختیار کرنے سے کوئی معاشرتی خرابی پیدا ہوتی ہو تو وہ نا جائز ہوگا۔ اس کی دلیل پہلے بیان ہو چکی ہے۔

(۲) ..... جب کسی ذریعے کو اپنانے کی شریعت نے ترغیب دلائی ہو یا اسے نہ اپنانے سے بڑا فائدہ ختم یا کوئی بڑا نقصان ہو رہا ہو تو ایسی صورت میں اسے اپنانا ضروری ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اس سے پیچھے نہیں ہٹنا چاہیے۔

جنگ کے لئے طاقت کے حصول اور مسجد میں بجلی کو استعمال دو کام ہمارے سامنے ہیں پہلے کے متعلق صراحت موجود ہے جبکہ دوسرے کی صورت حال یہ ہے کہ اسے اختیار کرنے کے کئی فائدے ہیں اور کسی قسم کا کوئی نقصان نہیں ہے۔

(۳) ..... تیسرا اصول یہ ہے کہ ذریعے اور وسیلے کو اس کے دائرے سے آگے نہ بڑھایا جائے کہ وہ بالذات مقصد ہی بن جائے کیونکہ اس کا مقصد نیکی کے لئے نیکی سے تعاون کرنا ہے مثال کے طور پر مسجد کے مینار کو لے لیں۔ اس کا مقصد دائرہ اذان کو وسعت دینا ہے اور یہ مسجد کی نشان دہی کا ذریعہ بھی بن سکتا ہے اس لئے اسے بڑے سائز میں تعمیر کرنا جائز نہیں ہے اور نہ ہی ایسے انداز میں اس کی بے جا تزئین و آرائش کرنا درست ہے جس سے یہ اذان کو دور تک پہنچانے کا ذریعہ ہونے یا مسجد کی علامت ہونے سے نکل جائے اور مقصود بالذات بن جائے۔ لوگ اس کی بناء پر فخر کا اظہار کرنے لگیں اور صورت حال یہ ہو جائے کہ بڑے مینار اور اونچے منبر کے بغیر یا بے آرائش منبر و مینار والی مسجد کو مسجد ہی نہ سمجھا جائے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اندیشہ ہوتا ہے کہ لوگ وقت گزرنے کے ساتھ ذریعے کو اس کی حد سے بڑھا کر عبادت کا طریقہ بنا لیں گے اور وہ بدعت بن جائے گی جبکہ بدعات کا اسلام میں حرام ہونا واضح ہے۔ یا پھر بدعت نہیں تو اسراف، محنت کا ضیاع اور دولت کا بے جا مصرف بن جائے گا۔

(۴) ..... چوتھا اصول یہ ہے کہ وہ ذریعہ دعوتی مضمون یا مذہبی معاملے کو متاثر نہ کرے۔

اس کی مثال یہ لے لیں کہ منظر کشی کے لئے جن حضرات کا کردار ادا کیا جا رہا ہے ان کے الفاظ تبدیل کر دیئے جائیں یا منبر کی طوالت اور خوبصورتی کی خاطر مسجد کی صفیں کٹ

جائیں، ایسا کرنے سے شریعت کی واضح مخالفت ہوگی۔

(۵)... خرابیوں کے انسداد کے لئے جس ذریعے کو ناجائز قرار دیا گیا ہو اسے استعمال کرنا صرف اس وقت جائز ہوگا جب اس سے کوئی مصلحت حاصل ہو اور اسے بقدرِ ضرورت استعمال کیا جائے نیز اس کی وجہ سے کوئی خرابی پیدا نہ ہو۔

کچھ ذرائع ایسے ہیں جنہیں قرآن وسنت نے صراحتاً ناجائز کہا ہے، مثلاً سائرن بجانا، تصویر کشی کرنا، موسیقاری کرنا اور غیر محرم عورتوں کو دیکھنا۔ تاہم یہ بات طے شدہ ہے کہ کچھ چیزیں بالذات خراب ہونے کی بناء پر ناجائز ہیں۔ جیسے زنا اور شراب ہے اور کچھ چیزیں دوسری خرابی کا ذریعہ بننے کی وجہ سے ناجائز ہیں مثلاً تصویر کشی کو شرک کا ذریعہ بننے، تخلیقِ باری تعالیٰ سے مماثلت کی بناء پر ناجائز کہا گیا ہے اسی طرح فحاشی سے بچنے کے لئے عورتوں کی طرف دیکھنا حرام کیا گیا ہے۔

جو چیز کسی خرابی کے انسداد کی بناء پر ناجائز ہو وہ کسی بڑے فائدے کے حصول کے وقت جائز ہو جائے گی بشرطیکہ اسے اختیار کرنے سے وہ خرابی پیدا نہ ہوتی ہو جس کی وجہ سے اسے حرام کیا گیا ہے مثلاً نامحرم عورتوں کو دیکھنا برائی کے دروازے کو بند کرنے کے لئے حرام ہے اس کے باوجود شریعت نے منگیتر کو دیکھنا جائز قرار دیا ہے کیونکہ یہاں ایک بڑا فائدہ ہو رہا ہے اور برائی والی خرابی پیدا ہونے کا اندیشہ نہیں ہے۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اگر کسی کام سے خرابی کا باعث ہونے کی بناء پر منع کیا گیا ہو تو اسے بڑے فائدہ کے حصول کے لئے کرنا جائز ہوتا ہے۔'' [1]

(۶) .... چھٹا اصول یہ ہے کہ ''وہ ذریعہ بنیادی طور پر کافروں کی مذہبی علامت نہ ہو مثلاً: مساجد کو عیسائیوں کے گرجوں کی طرح تعمیر کرنا جائز نہیں ہے جیسا کہ کچھ علاقوں کی صورتِ حال ہے۔ اس کی دوسری مثال یہ ہے کہ شرعی کام کے آغاز سے آگاہ کرنے کے لئے سائرن یا گھنٹی بجائی جائے جیسا کہ نماز کے لئے اذان مقرر ہے۔

[1] مجموع الفتاویٰ ج:۱ ص: ۱٦٤۔

اس کی دلیل آنحضرت ﷺ کا یہ فرمان ہے:

((مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ .)) ❶

''جو شخص کسی قوم سے مماثلت اختیار کرتا ہے وہ انہی میں شمار ہوتا ہے۔''

آپ ﷺ کا یہ بھی فرمان ہے: ''جو شخص ہمارے اغیار کا طریقہ اپنائے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔'' ❷

ھ: ذرائع اور مقاصد دونوں کی شرعی حیثیت یکساں ہے:.... اگر ذریعہ بذات خود حرام نہ ہوتو اس کی شرعی حیثیت وہی ہے جو اس سے لئے جانے والے کام کی ہے اور وہ کام شرعاً جائز ہوتو ذریعے کا استعمال بھی ممنوع نہیں ہوگا۔

مثلاً: اذان کے لئے لاؤڈ سپیکر کے استعمال کو لے لیں اس کا مقصد لوگوں تک اذان کو پہنچانا ہے اور یہ کام شریعت کا طے کردہ ہے جب کہ لاؤڈ سپیکر کے استعمال سے مخالفت ثابت نہیں ہے لہٰذا اسے بطور ذریعہ استعمال کرنا نہ صرف جائز ہے بلکہ یہ باعث ثواب بھی ہے۔ اگر مقصد ہی نا جائز ہوتو اس کے لئے کوئی بھی ذریعہ اختیار کرنا جائز نہیں ہے یہ بات ہر صاحبِ عقل کے ہاں تسلیم شدہ ہے۔ لہٰذا ناحق خون بہانے یا شراب تیار کرنے کے لئے کوئی ذریعہ اختیار نہیں کیا جائے گا اگر کوئی شخص ذریعہ اختیار کرے گا تو اسے گناہ ہوگا کیونکہ یہ مقصد شرعاً ناجائز ہے۔

مختصر یہ ہے کہ ذریعے کا استعمال ایسی صورت میں بھی ناجائز ہے جبکہ وہ بذاتِ خود ناجائز ہو اور ایسی صورت میں بھی ناجائز ہے جب وہ بذاتِ خود تو جائز ہو لیکن اس سے لیا جانے والا کام ناجائز ہو۔ بالفاظ دیگر ذریعہ استعمال کرنے کی دو شرطیں ہیں۔

الف:.... پہلی شرط یہ ہے کہ وہ بنیادی طور پر جائز ہو، قرآن وحدیث میں اس کے

---

❶ ابو داؤد: ۴۰۳۱۔

❷ طبرانی: ج: ۱۱ حدیث: ۱۱۳۳۵۔ مسند الدیلمی: حدیث: ۵۳۰۹۔ صحیح الجامع: ۵۴۳۹۔

ناجائز ہونے کی صراحت نہ ہو۔

ب:...... دوسری شرط یہ ہے کہ اس سے لیا جانے والا کام جائز ہو۔

(۳) اسلام میں ذرائع و وسائل استعمال کرنے کی ترغیب:

وسائل کو اپنانا ناجائز ہے۔ اسلام نے اسے استعمال میں لانے کی ترغیب دلائی ہے بلکہ بعض مواقع پر اسے استعمال کرنے کا حکم دیا ہے اور ایسا کرنے والے کے لئے ثواب مقرر کیا ہے ضروری اور مصلحت پر مبنی ذرائع اختیار کرنے میں سستی کرنے سے بچنے کو کہا ہے۔ اس کی دلیل یہی کافی ہے کہ انبیاء پر کتابیں نازل ہوئیں اور لوگوں کو حکم دیا گیا کہ وہ انہیں محفوظ کریں اور انہیں عوام تک پہنچائیں۔ یہ بات کسی دلیل کی محتاج نہیں ہے۔

مثلاً نزول وحی کی ابتدائی آیات میں دعوتِ دین کے عظیم ذریعہ "قلم" کو ذکر کیا گیا ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اِقْرَاْ وَ رَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۙ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۙ﴾ [العلق: ۳۔ ٤]

اللہ عزوجل نے روشنائی، قلم اور لکھنے کی قسم اٹھاتے ہوئے فرمایا:

﴿نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا یَسْطُرُوْنَ ۙ﴾ [القلم: ۱]

"قسم ہے قلم کی اور اس کی جو کچھ کہ وہ (فرشتے) لکھتے ہیں۔"

یہ سب دعوت کے عظیم وسائل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تورات کو اپنے ہاتھ سے لکھا ہے۔ ❶

اللہ ربّ العزت نے ممکنہ وسائل کو جہاد فی سبیل اللہ میں اختیار کرنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

﴿وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّ مِنْ رِّبَاطِ الْخَیْلِ﴾

[الأنفال: ٦٠]

"اور ان کے لئے جس حد تک کر سکو طاقت اور بندھے ہوئے گھوڑے تیار رکھو۔"

اس سے مراد یہ ہے کہ اسلحہ سازی میں حالات کے مطابق ترقی کی جائے کیونکہ یہ حکم

❶ بخاری: ٦٦١٤۔ مسلم: ٢٦٥٢، ٣٥٦۔

عام ہے مشروط نہیں ہے۔ اسے استطاعت اور طاقت کے ساتھ مربوط کیا گیا ہے۔ مسلمانوں میں ارتقاء کی جتنی صلاحیت ہے اس کے مطابق اسلحہ سازی ان پر فرض ہے۔

باری تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے:

﴿وَعَلَىٰ كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِينَ مِن كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ﴾ [الحج: ٢٧]

''اور دبلے پتلے اونٹوں پر بھی دور دراز کی تمام راہوں سے آئیں گے۔''

''ضامر'' سے مراد سفر کے لئے تیار کی گئی سواری ہے۔ یہ حکم ذرائع کو تیار کرنے اور اس کا اہتمام کرنے کا واضح اشارہ ہے بلکہ اس کا ثواب مقرر کیا گیا ہے جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی گزشتہ حدیث میں بیان ہو چکا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''گھوڑے تین قسم کے ہوتے ہیں ایک باعث اجر، ایک برابر برابر اور ایک بوجھ اور گناہ۔ باعثِ ثواب گھوڑے وہ ہیں جنہیں کوئی شخص راہِ جہاد کے لئے پالتا ہے انہیں مسلمانوں کی چراہ گاہ اور باغ میں رکھتا ہے یہ گھوڑے جو چیز بھی اس چراگاہ یا اس باغ میں کھاتے ہیں ان کے ماکولات کی تعداد کے برابر اس کے لئے نیکیاں لکھ دی جاتی ہیں بلکہ ان کی لید اور پیشاب کے برابر بھی اس کی نیکیاں لکھی جاتی ہیں جب وہ رسی توڑ کر بھاگتے یا کسی ٹیلے یا ٹیلوں پر چڑھتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے ان کے قدموں کے نشانات اور ان کی لید کے برابر نیکیاں لکھ دیتا ہے۔ جب مالک اسے کسی نہر سے گزارے اور وہ اس میں سے پانی پئیں خواہ وہ انہیں پانی پلانے کا ارادہ نہ بھی رکھتا ہو اللہ تعالیٰ اس کے لئے اس کے پینے کے برابر نیکیاں لکھ دیتا ہے۔ ❶

آنحضرت ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے:

((اَلْخَيْلُ مَعْقُوْدٌ بِنَوَا صِيْهَا الْخَيْرُ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ .)) ❷

''گھوڑوں کی پیشانیوں پر قیامت تک کے لئے نیکی باندھ دی گئی ہے۔''

آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

---

❶ بخاری: ٢٣٧١، مسلم: ٩٨٧۔

❷ بخاری: ٢٨٥٠، مسلم: ١٨٧٣۔

((قَيِّدُوا الْعِلْمَ بِالْكِتَابِ .)) ❶

''علم کو لکھ کر قابو کرو۔''

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جو شخص تیراندازی سیکھنے کے بعد اسے چھوڑ دے اس کا ہم سے کوئی تعلق نہیں یا فرمایا: ''اس نے نافرمانی کی'' ❷

وسائل کو اختیار کرنے سے متعلق نبی کریم ﷺ کے اور بھی بہت سے فرامین ہیں۔

(۴) انبیاء کرام علیہم السلام اور ذرائع و وسائل کا استعمال:

انبیائے کرام علیہم السلام نے نہ صرف ذرائع و وسائل کو استعمال کرنے کی ترغیب دلائی بلکہ بذاتِ خود ان سب کو مختلف انداز میں میدانِ دعوت اور مختلف عبادتوں میں استعمال بھی کیا۔ ظاہری معجزوں میں سے مثلاً موسیٰ علیہ السلام کا عصا، صالح علیہ السلام کی اونٹنی، سلیمان علیہ السلام کا محل اور بلقیس کے تخت کو لانا وغیرہ ہمارے سامنے ہے۔ نوح علیہ السلام نے کشتی کو استعمال کیا، ابراہیم علیہ السلام نے ختنے کا دینی شعار اپنانے کے لئے اُسترا استعمال کیا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اَسّی سال کی عمر میں اُسترے کے ذریعے ختنہ کیا۔'' ❸

اس سلسلہ میں ہمارے پیغمبر حضرت محمد ﷺ کی اَحادیث اور واقعات کا سلسلہ تو بہت طویل اور خوبصورت ہے مثلاً: آپ ﷺ نے ایک وضاحتی ذریعہ کے طور پر ریت کے ٹیلے پر خاکہ تیار کیا۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے ہمارے سامنے ایک لکیر کھینچی پھر اس کے دائیں اور بائیں کئی لکیریں کھینچی۔ ❹

---

❶ معجم كبير طبراني: ۷۰۰۔ مسند الشهاب: ۶۳۷۔ قال الهيثمي في مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۵۲، رجاله رجال الصحيح۔

❷ مسلم: ۱۹۱۹۔

❸ بخاری: ۳۳۵۶، ۶۲۹۸۔ مسلم: ۲۳۷۰۔

❹ احمد: ج ۱ ص ۴۳۵۔ نسائی: ۱۱۱۷۴۔ مستدرك حاكم ج ۲ ص ۳۱۸، ۲۳۹۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک مربع شکل بنائی پھر اس کے درمیان ایک لکیر اس سے باہر کھینچی پھر اس درمیان والی لکیر کی طرف (دونوں طرف سے) چھوٹی چھوٹی لکیریں کھینچی اور فرمایا: ''یہ درمیان والا نکتہ انسان ہے۔ اور یہ مربع شکل کی لکیر اس کی موت ہے جو اسے گھیرے میں لئے ہوئے ہے اور یہ باہر جاتے والی اس کی امید ہے اور یہ چھوٹی چھوٹی لکیریں اس کی زندگی میں پیش آمدہ مسائل ہیں اگر یہ (مسائل) اسے نہ پکڑیں تو یہ (امید) اسے دبوچ لیتی ہے اور اگر وہ اس سے بچ جائے تو یہ (موت) اسے پکڑ لیتی ہے۔'' ❶

رسول اللہ ﷺ نے اپنے ایک دعوتی پیغام میں بکری کے مرے ہوئے بچے کو وضاحتی ذریعہ تبلیغ کے طور پر استعمال کیا۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کسی محلے سے آتے ہوئے بازار میں سے گزرے کچھ لوگ آپ ﷺ کے اردگرد جمع تھے۔ آپ ﷺ کا گزر چھوٹے کانوں والی مری ہوئی بکری کے پاس سے ہوا، آپ ﷺ نے اسے کان سے پکڑا اور فرمایا: ''تم میں سے کون اسے ایک درہم میں خریدنا چاہے گا؟'' وہ سب کہنے لگے: ہم تو اسے کسی بھی چیز کے عوض لینا پسند نہیں کرتے ہم اسے کیا کریں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تم پسند کرو گے کہ یہ تمہاری ملکیت میں رہے؟'' انہوں نے کہا: اگر یہ زندہ ہوتی تب بھی ہم اسے عیب ناک سمجھتے کیونکہ یہ بہت چھوٹے کانوں والی ہے۔ مرنے کے بعد اسے کون لے گا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اللہ کی قسم! یہ بکری جتنی تمہیں حقیر لگتی ہے۔ اللہ کے نزدیک دنیا اس سے بھی حقیر تر ہے۔'' پھر آپ ﷺ نے اسے پھینک دیا۔ ❷

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم روزے کے دوران اپنے بچوں کو کھانے پینے کی چیزوں سے ہٹانے کے لئے اون کے بنے ہوئے کھلونوں میں مصروف کر دیا کرتے تھے۔ ربیع بنت معوذ رضی اللہ عنہا

❶ بخاری: ٦٤١٧، احمد: ج ١ ص ٣٨٥۔

❷ مسلم: ٢٩٥٧۔

بیان کرتی ہیں کہ نبی مکرم ﷺ نے دس محرم کی صبح انصار کی بستیوں میں یہ اعلان کروایا کہ جس نے صبح روزہ نہیں رکھا وہ باقی دن کے لئے روزے کی نیت کر لے اور جس نے رکھا ہے وہ اسے پورا کر لے۔ اس کے بعد ہم خود بھی روزہ رکھتیں اور اپنے بچوں کو بھی رکھواتیں، ہم ان کے لئے اون کا کھلونا تیار کر لیتیں۔ جب کوئی بچہ کھانے کی طلب کے لئے روتا تو ہم اسے وہ کھلونا دے دیتیں اتنے میں افطار کا وقت ہو جاتا۔ ❶

دورانِ حج رسول اللہ ﷺ نے ربیعہ بن اُمیہ بن خلف کی آواز کے ذریعے لوگوں تک بات پہنچائی۔ اگر کوئی اور واضح ذریعہ بات کو ذہن نشین کرنے کے لئے میسر نہ آیا تو آپ ﷺ نے سامنے پڑی کنکریوں ہی سے کام لے لیا۔ ❷

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ان کی کسی زوجہ مطہرہ کے گھر میں گیا۔ میں نے پوچھا: یارسول اللہ ﷺ! دو مسجدوں میں سے کس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی ہے؟ آپ ﷺ نے ہتھیلی میں کنکریاں لے کر انہیں زمین پر مارا اور مسجد نبوی کے بارہ میں فرمایا: ''وہ یہ مسجد ہے'' یعنی مدینہ کی مسجد۔ ❸

اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ نبی مکرم ﷺ نے آلاتِ حرب استعمال کئے، انہیں اپنے پاس بھی رکھا اور جنگ و قتال کے کئی طریقے بھی اپنائے۔ ان میں سے کچھ کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے۔

(۵) اُمتِ مسلمہ اور ذرائع ابلاغ کا مسلسل استعمال:

الحمد للہ مسلمان اپنی طویل تاریخ کے ہر دور میں میسر وسائل کے استعمال اور ضرورت کے مطابق ان کی ایجاد میں کبھی بھی دست بستہ نہیں رہے۔ وہ ہر دور کے مطابق دین اور

---

❶ بخاری: ۱۹۶۰، مسلم: ۱۱۳۶۔

❷ معجم کبیر طبرانی: ج ۱۰ ص ۱۷۲ حدیث: ۱۱۳۹۹۔ قال الهيثمي في مجمع الزوائد: ج ۳ ص ۲۷۱ ورجاله ثقات۔

❸ مسلم: ۱۳۹۸۔

دعوت وتبلیغ کے لئے مفید ذرائع ابلاغ ایجاد کرتے رہے ہیں مثلاً: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قرآنِ مجید کو جمع کیا۔ ❶ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ بیان جاری کیا کہ اپنی اولاد کو تیرا کی، تیراندازی اور شاہسواری سکھاؤ۔ ❷ انہوں نے عدالتیں قائم کیں۔ ❸ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے قرآن کے کئی نسخے بنوا کر مختلف شہروں میں تقسیم کئے۔ ❹

دورِ حاضر کی زبان میں اسے پرنٹ میڈیا کہیں گے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بحری جنگی جہاز بنانے کا حکم دیا۔ ❺

اسی کو دورِ حاضر میں اسطول (بحری جہازوں کا بیڑا) کہتے ہیں۔

یہ تمام کام ذرائع ووسائل ہیں جو اسلام کی ہمہ گیریت اور ہر دور، جگہ اور نسل کو پیش آمدہ نئی صورتِ حال میں اس کے ہم قدم ہوکر چلنے کی دلیل ہیں۔

(۶) داعی اور مختلف ذرائع کا ارتقاء، ذرائع استعمال کرنے کے فنی اُصول:

وسائل وذرائع کو استعمال کرنے کے کچھ فنی طریقے ہیں۔ جن سے ان کی تاثیر بڑھ جاتی ہے، ان کا دائرہ عمل وسیع ہوجاتا ہے اور ان کے منفی اثرات ختم ہوجاتے ہیں۔ گذشتہ میں بیان کردہ تفصیل ووضاحت سے ہٹ کر داعی کے لئے مناسب ہوگا کہ وہ ان کے استعمال میں مندرجہ ذیل اُصول وضوابط بھی ملحوظ رکھے۔

(۱)..... مختلف اور فائدہ مند قسم کے جو وسائل وذرائع میسر ہوں انہیں استعمال کرنے میں کوتاہی نہ کی جائے تاکہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کے ساتھ ساتھ اسلام کی خدمت ہوسکے اور اس کی دعوت عام ہو۔

(۲)..... جو ذریعہ اپنایا جائے وہ وقت، جگہ اور مدعوین کے ماحول کے حسبِ حال بھی

---

❶ بخاری: ٤٩٨٦۔

❷ فضائل الرمی، قراب: ١٥۔

❸ احمد: فضائل الصحابۃ: ٤٦٤، سنن کبری بیہقی: ج٦ ص ٣٤٩، ٣٥٠۔

❹ بخاری: ٤٩٨٧۔

❺ بخاری: ٢٧٩٩، ٢٨٠٠، مسلم: ١٩١٢۔

ہو۔ ان کی سمجھ سے بالا یا اس سے کم تر ذریعہ نہ اختیار کیا جائے اور نہ ہی ایسے ہو کہ وہ ان کے ماحول سے مناسبت نہ رکھتا ہو۔

(۳)..... تیسرا اُصول یہ ہے کہ وہ ذریعہ ووسیلہ آسان اور واقعاتی صورتِ حال کے مطابق ہو، اس میں تکلف نہ ہو وگرنہ وہ بذاتِ خود ایک مقصد بن جائے گا۔

ایک داعی کے ذہن میں ہمیشہ یہ بات رہنی چاہیے کہ ذریعہ مقصود بالذات نہیں ہے وہ تو محض ذریعہ ہے۔ اس کا کام ایک حد تک محدود ہے۔ یہ نہ ہو کہ وہ خود دعوت کا منہج بن جائے یا مضامینِ دعوت پر اثر انداز ہو جائے یا داعی کو دعوت سے ہی ہٹا دے۔

ان میں ایسا تکلف نہیں کرنا چاہیے کہ یہ اصل مقصد سے ہٹا دیں یہ ہلکے پھلکے اور ماحول کے مطابق ہوں۔ جیسے رسول اللہ ﷺ نے ریت کے ذرات، کنکریوں، مردہ جانور اور لکڑی کو استعمال کیا۔ یہ تمام اس دور کے وسائل تھے نہ تو آپ ﷺ نے ان کے بنانے میں تکلف کیا اور نہ ان سے کام لینے میں کوتاہی کی۔ مثلاً دعوتی چارٹ اس حد تک نہ سجائے جائیں اور ان پر ایسی خطاطی نہ کی جائے کہ ان کا پڑھنا مشکل ہو جائے۔ جائز ڈراموں کی بھی یہی صورتِ حال ہے کیونکہ ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ کسی دینی پہلو کو اُجاگر کیا جائے اور اسے ذہنوں میں مزید راسخ کیا جائے اس لئے ان پر نہ تو زیادہ اخراجات کئے جائیں، نہ انہیں بار بار پیش کیا جائے اور نہ چراغاں کیا جائے اور نہ ضیاعِ وقت کیا جائے۔ ملبوسات اور تزئین وآرائش میں اسراف سے کام نہ لیا جائے وگرنہ ان کی خرابیاں مطلوبہ مصلحت سے بڑھ جائیں گی۔ کچھ مسلمان بھائی منبروں، گنبدوں، اذان گاہوں وغیرہ میں بھی ایسا تکلف کرتے ہیں جو انہیں اصل مقصد سے ہٹا دیتا ہے۔

(۴) وسائل کے ارتقاء سے ہم آہنگی:..... ایک داعی کی دانائی اور سمجھ داری یہ ہے کہ وہ بالخصوص دورِ حاضر میں وسائل وذرائع کے ساتھ ساتھ چلے۔ انہیں اختیار کرنے اور استعمال میں لانے سے پیچھے نہ رہے کیونکہ میدانِ دعوت کو وسیع کرنے میں ان کا بہت اہم کردار ہے۔ بلکہ اسے ان میں بھی جدت اختیار کرنی چاہیے۔ جس قدر ممکن ہو انہیں نئے

انداز میں استعمال کرے۔ گاڑی چل پڑے تو نہ وہ ٹکرانے والے پر رحم کرتی ہے اور نہ پیچھے رہنے والا کا انتظار۔

بہت سے اہل علم جو پہلے ریڈیو، ٹی وی اور الیکٹرانک میڈیا کو استعمال میں لانے سے انکار کرتے تھے جب انہوں نے ان وسائل سے پیچھے رہنے کے نقصان کو محسوس کیا تو وہ اپنی رائے بدل کر ان کے استعمال کرنے لگ گئے حالانکہ وہ ان کے استعمال کرنے والوں پر تنقید کرتے تھے۔

یہ بات مبالغہ سے بالاتر ہے کہ مسلمانوں کو دین کی خدمت اور تبلیغ کے لئے وسائل استعمال کرنے کے حوالے سے تاریخ میں سبقت حاصل رہی ہے۔ اس سے بڑی دلیل کیا ہوگی کہ مسلمانوں نے ہر نئے ذریعہ کو خدمت دین اور دعوت و تبلیغ کے لئے استعمال کیا۔ بالخصوص دورِ حاضر میں الیکٹرانک میڈیا، انٹرنیٹ اور کمپیوٹر پروگرامز میں روئے زمین پر دین کی خدمت کے لئے ان سے بڑھ کر کوئی پروگرام نہیں ہیں۔ تفسیر، حدیث، فقہ اور دیگر علوم کے دائرہ ہائے معارف اسی بات کی نشاندہی کرتے ہیں۔

(۵) ذرائع کے فوائد اور اخراجات کا موازنہ: ....ایک داعی کی بصیرت کی دلیل یہ ہے کہ وہ کسی بھی ذریعے کو اپنانے سے پہلے اس سے حاصل ہونے والے فائدے اور اس پر صرف ہونے والے وقت اور رقم کا موازنہ کرے۔

دورِ حاضر میں آڈیو کیسٹس کے ذریعے لیکچرز محفوظ کرنے کی محنت، اس سے حاصل ہونے والے فائدے کے مقابلے میں نہ ہونے کے برابر ہے جبکہ اونچی اور پرکشش اسٹیج تیار کرنے یا بلند و بالا اذان گاہ تعمیر کرنے یا بہت بڑا تھیٹر بنانے پر صرف ہونے والے اخراجات، وقت اور محنت کے مقابلہ میں ان سے حاصل ہونے والے فائدے کی کوئی حیثیت نہیں۔

(۷) ذرائع استعمال کرنے میں علمائے تربیت کا منہج نبوی کے ساتھ اتفاق:

بیان کردہ فنی شرائط کو تمام ہم عصر علمائے تربیت نے بیان کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے اختیار کردہ وسائل و ذرائع کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں فنی شرائط بدرجہ اتم موجود ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ ﷺ ان شرائط کو مقرر کرنے میں سب علمائے

تربیت کے پیش رو ہیں۔ کاش کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہو۔ آنحضرت ﷺ نے وقت کی مناسبت سے جو ذریعہ میسر ہوا اسے استعمال کیا اور بہت کامیاب طریقے سے استعمال کیا۔ بکری کے مردہ بچے کو ذریعہ تبلیغ کے طور پر استعمال کرنا اس دور کا ایک ذریعہ ہونے کی بناء پر تھا۔ جو ماحول کے مطابق اور سامعین کے فہم وادراک کے معیار پر پورا اترتا تھا۔ زمین پر لکیر کھینچ کر اسے تعلیم کے لئے اپنانا بھی اس دور کا بہترین ذریعہ تھا۔ اگر نبی کریم ﷺ کو اس کے علاوہ وائٹ بورڈ اور قلم جیسے ذرائع میسر آتے تو آپ ﷺ اسے ضرور استعمال کرتے کیونکہ اصل مقصد بات کو واضح کرنا اور لوگوں تک پہنچانا ہے اور یہ دونوں کام نصب کردہ بورڈ کے ذریعے زمین پر کرنے کی نسبت زیادہ واضح ہوتے ہیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے دورِ خلافت میں آج کے نشر واشاعت کے وسائل میسر نہ آسکنے پر قرآنِ مجید کو کتابت کروا کر ممکن طریقے سے اسے لوگوں میں تقسیم کیا تھا۔

خلاصۂ کلام:

۱: مختصر یہ کہ وسیلہ وذریعہ کا حصول جس قدر آسان، کم خرچ، وسیع پیمانے پر کام آنے والا اور زیادہ واضح ہوگا اسی قدر اس کی ضرورت زیادہ ہوگی اور وہ داعی کے لئے باعثِ مقبولیت ہوگا۔

۲: جس قدر اس کا استعمال مشکل، اخراجات زیادہ، محدود پیمانے پر کارآمد اور پیچیدہ ہوگا اتنا ہی اسے چھوڑنا زیادہ مناسب ہوگا۔

۳: اسے استعمال نہ کرنا، اس میں تکلف کرنا یا اس میں مصروف ہوکر رہ جانا ہٹ دھرمی، خلافِ سنت اور فطرتِ سلیمہ سے تصادم ہے۔

دراصل یہ مسئلہ مصالح ومفاسد کے تصادم کے قواعد سے تعلق رکھتا ہے جس کی تشریح اپنے مقام پر موجود ہے۔

فصل 3

دعوتِ دین کے اہم ذرائع بالخصوص دورِ حاضر کے ذرائع

کوئی بھی دور دعوتی وسائل سے خالی نہیں رہا اور الحمد للہ مسلمانوں نے انہیں اختیار کرنے میں کوتاہی نہیں برتی بلکہ وہ انہیں کثرت کے ساتھ اور بہتر انداز میں استعمال کرتے رہے ہیں۔ دورِ حاضر میں کچھ جدید وسائل سامنے آئے ہیں جو گزشتہ ادوار میں سامنے نہیں آئے تھے۔

اس فصل میں بیشتر جدید وقدیم وسائل، ان کی اہمیت، شرعی حیثیت اور ان کے فوائد ونقصانات مختصر طور پر بیان ہوں گے۔

اس فصل کے سولہ مضامین ہیں:

(۱) تقریر:

لوگوں کے تمام تر طبقات ان کے مختلف اصناف اور مرورِ زمانہ کے باوجود دعوت کے میدان میں اوّلیت ''تقریر'' ہی کو حاصل ہے۔

یہ ذریعہ تبلیغ انتہائی آسان، کم خرچ، زیادہ مقبول اور مفید تر ہے۔ اسی کے ذریعے خود اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمایا، رسولوں کو بھیجا، امرونہی کا اہتمام کیا اور موت وحیات کا بندوبست فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ﴾ [یٰس: ۸۰]

''اس کی شان یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو وہ اسے فرما دیتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے۔''

نیز فرمایا:

﴿وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً﴾ [البقرۃ: ۳۰]

"اور (یاد کرو) جب تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔"

بیشتر پیغمبروں، ان کے بعد اہل علم اور داعیانِ حق نے زبانی ذریعۂ تبلیغ ہی کو اختیار کیا، یہ وعظ ونصیحت کی صورت میں ہو یا درس اور لیکچر کی شکل میں یا پھر امر و نہی کے انداز میں۔

(۲) قلم و قرطاس:

زبانی تبلیغ کے بعد سہولت اور فائدے کے لحاظ سے یہ دوسرا بڑا ذریعہ ہے۔ بلکہ معلوماتی لحاظ سے یہ تقریر سے زیادہ پائیدار ہے۔ اللہ عزّ وجل نے پہلے اسی وسیلے کو پیدا کیا اسی کے ذریعے لوحِ محفوظ کو تحریر فرمایا۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَ لَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ۝﴾ [الأنبياء: ١٠٥]

"اور ہم نے نصیحت (کی کتاب تورات) کے بعد زبور میں لکھ دیا ہے کہ زمین کے وارث میرے نیک بندے ہی ہوں گے۔"

ان دو وسائل کی تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ نہ ہی ان کی شرعی حیثیت اور ان کے فوائد بیان کرنے کی اتنی ضرورت ہے کیونکہ یہ سب کے ہاں مسلّمہ ذرائع ہیں۔ ان کی اہمیت وافادیت اور شرعی حیثیت کسی سے بھی مخفی نہیں۔

ذریعۂ کتابت کی بہت سی شکلیں ہیں۔ یہ ذریعہ نوعیت، مقدار اور شکل وصورت کے لحاظ سے بہت زیادہ ترقی کر چکا ہے۔ آئندہ اس میں سے کچھ کی تفصیل بھی بیان ہو رہی ہے۔

(۳) پمفلٹ اور بروشر:

اس سلسلہ میں تین عنوانات ہیں:

الف: تعارف واہمیت: مختصر تحریروں سے مراد کم حجم کتابیں اور بروشر ہیں۔ جنہیں سفر وحضر میں آسانی سے ساتھ رکھا جا سکتا ہو اور دن اور رات میں کسی بھی وقت زیرِ مطالعہ لایا

جا سکتا ہو چونکہ اس ذریعہ تبلیغ میں کامیابی کے بہت سے پہلو ہیں۔ اسی لئے اسے مفید سمجھا جاتا ہے۔

ب: فوائد ونقصانات: ....ضرورت کے وقت انہیں اٹھانا اور پاس رکھنا آسان ہے۔ مدعو جب چاہے آسانی سے ان کا مطالعہ کر سکتا ہے ان میں اکثر لوگوں کے سفر وانتظار کے فارغ اوقات کا مصرف بھی موجود ہے۔

انہیں کسی اجتماعی جگہ اور انتظار گاہ میں بھی رکھا جا سکتا ہے جہاں سے عوام الناس بلا تکلف انہیں حاصل کر سکتے ہوں۔ کم خرچ ہونے کی وجہ سے ان کی اشاعت آسان ہے۔ یہ دورِ حاضر میں لوگوں کے حالات کے بھی مطابق ہے کیونکہ وہ بڑی کتابیں پڑھنے کا شوق نہیں رکھتے یا ان کی استطاعت نہیں رکھتے۔

نقصانات:.....عوام الناس کے کم علم ہونے کی وجہ سے ان میں خلافِ کتاب وسنت مواد پائے جانے کی بنا پر گمراہ ہونے کا اندیشہ ہے۔

ج: کامیاب پمفلٹ اور بروشر کی شرائط:......اس ذریعۂ تبلیغ کی کامیابی کے لئے درج ذیل باتوں کا لحاظ ضروری ہے۔

- ان میں دعوتی مواد ہونا چاہیے، علمی اور دقیق باتیں نہ ہوں۔
- ان کے الفاظ آسان ہوں تاکہ عام قاری اسے سمجھ سکے۔
- ان کا انداز سادہ ہوتا کہ سب کی سمجھ میں آ سکیں۔
- بڑے خط میں تحریر ہوں تاکہ کمزور نظر لوگ بھی پڑھ سکیں۔
- انہیں لوگوں کی آمد ورفت کی جگہوں میں رکھا جائے۔

اس طرح یہ زیادہ مفید ہو سکتے ہیں۔

(۴) نشریات:

اس میں تین عنوانات ہیں:

الف: نشریات کی اہمیت:.....دورِ حاضر کے جدید ذرائع میں سے ریڈیو نشریات بھی

ہیں۔ اگر چہ پہلی اقوام میں بھی ان کا کچھ وجود تھا وہ لوگ شہروں، دیہاتوں اور بازاروں میں حکمرانوں کا حکم نامہ اور قبیلے کا پیغام پہنچانے کے لئے منادی بھیجا کرتے ہیں۔ اگر چہ ترقی یافتہ شکل میں اور وسیع پیمانے پر اس کا وجود پہلے ادوار میں نظر نہیں آتا۔

ریڈیائی ابلاغ سے مراد یہ ہے کہ برقی تار کے بغیر چلنے والے آلات کے ذریعے اور اسی طرز کے دوسرے آلات تک فضائی لہروں کی وساطت سے پیغام رسانی کرنا۔ حالانکہ اس سے زیادہ پُرکشش اور زیادہ وسیع علاقے تک پیغام رسانی کے لئے ٹی وی اور انٹرنیٹ جیسے نئے ذرائع ایجاد ہو چکے ہیں۔ اس کے باوجود ریڈیو کا کردار برابر چلا آ رہا ہے۔

ٹرانسپورٹ کے مسافروں، فیکٹری کے کارکنوں، دوکانداروں اور گھریلو خواتین کی صورت میں اسے سننے والوں کی تعداد مسلسل موجود ہے۔ یہ لوگ اور ان جیسے دیگر افراد اکثر وبیشتر اپنی ذمہ داری نبھاتے ہوئے کتابوں اور چینلز وغیرہ کے دعوتی ذرائع استعمال نہیں کر سکتے جب کہ وہ ریڈیو کو بآسانی سن سکتے ہیں۔

ب: نشریات کی موجودہ صورت حال اور ان میں شرکت کی حیثیت:.....

ریڈیائی نشریات منبع وسرچشمہ کے لحاظ سے دو طرح کی ہوتی ہے:

(۱)......سرکاری۔(۲)...... پرائیویٹ

اُسلوب اور منہج کے اعتبار سے بھی کچھ تو سرکاری ہوتی ہیں۔ جو حکومتی سیاست کی ہی نمائندگی کرتی ہیں۔ کچھ سیاسی کچھ تجارتی اور کچھ مذہبی ہوتی ہیں۔ یہ تمام تر قسمیں کچھ اچھی ہوتی ہیں اور کچھ بُری۔

دینی اور تجارتی نشریات میں حصہ لینے میں تو کوئی اعتراض نہیں ہے۔ جہاں تک حکومتی اور سیاسی نشریات میں حصہ لینے کا تعلق ہے تو ان میں فوائد و نقصانات میں تقابل کے اُصول کو ملحوظ رکھنا ہوگا اگر ان میں شمولیت سے نقصانات ہوں مثلاً مذہبی بے حرمتی کا عنصر ہو یا سامعین کو دھوکہ دینے کا پہلو ہو تو انہیں نہ اپنایا جائے کیونکہ یہ ایک طے شدہ اُصول ہے کہ نقصانات سے بچنا مفادات کے حصول سے مقدم ہے۔

اگر ان میں شمولیت کے فوائد زیادہ ہوں اور نقصانات یا تو بالکل نہ ہوں یا فوائد کے مقابلہ میں نہ ہونے کے برابر ہوں تو ان میں شمولیت کرنے پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔

ایسی بدبودار نشریات جو شر اور فساد عام کریں اور شریعت کی مخالفت کریں داعی حضرات کو ان میں شمولیت نہیں کرنی چاہیے کیونکہ اس میں فسادیوں کی تعداد میں اضافے اور سامعین عوام کو دھوکہ دہی کا پہلو ہے۔

ج: کامیاب موضوعات کی خوبیاں:...... یہ ایک پُر حکمت اور دانائی پر مبنی بات ہے کہ ریڈیائی نشریات، ٹی وی چینلز اور صحافت جیسے ذرائع ابلاغ اختیار کر کے دعوت دینے کے لئے مندرجہ ذیل اُمور کو ملحوظ رکھا جائے۔

(۱)... موضوعات عوامی ہونے چاہئیں جن کا ملک وملّت کے ساتھ ربط اور تعلق ہو۔ اُمّت مسلمہ کو درپیش جہالت اور ایمانی کمزوری کے مسائل کا حل پیش کریں۔

(۲) .... عقائد کے دقیق مسائل، اصولِ فقہ، اصولِ حدیث، منطق وفلسفہ جیسے مسائل جن کا تعلق خاص لوگوں کے ساتھ ہے انہیں بیان نہ کیا جائے۔ ان مسائل سے بھی گریز کیا جائے جو اُمت میں تفریق ڈالنے یا علمی وعملی فتنے پیدا کرنے کا باعث ہوں۔ کچھ نشریات میں عقیدے کے فروعی اور پیچیدہ مسائل پیش کیے جاتے ہیں مثلاً کیا اسم اور مسمّٰی دونوں ایک ہی چیز ہیں یا اس سے ملتے جلتے۔ وہ مسائل جنہیں عوام الناس سمجھ بھی نہیں پائے اور انہیں ان کی ضرورت بھی نہیں ہے ترجیحی پہلو سے دیکھا جائے تو انہیں بیان کرنا مناسب نہیں ہے۔

(۳)..... ایک داعی کے لئے گزشتہ میں بیان کردہ اُصول کے مطابق ضروری ہے کہ اس کا انداز بیان سادہ ہو، الفاظ آسان ہوں خواہ اسے ضرورت کے وقت عوامی زبان کیوں نہ استعمال کرنا پڑے۔ فلسفیانہ انداز اختیار کرنے سے بچنا چاہیے۔ اس سے سامعین کو کوئی فائدہ نہیں ہوتا کیونکہ ان میں مرد وزن، چھوٹے بڑے، عوام الناس، مہذب شہری، دیہاتی اور ہر قسم کے افراد ہوتے ہیں۔

اسے وضاحتی مثالیں اور عبرت آموز واقعات بیان کرنے سے غفلت نہیں برتنی چاہئے

جیسا کہ یہ تمام باتیں نمبر 4 انداز بیان کے باب میں ذکر کی جا چکی ہیں۔

(۵) ویڈیو چینلز:

اس میں تین عنوانات ہیں:

الف: اہمیت و مفہوم: ..... آج کل مقامی اور بین الاقوامی چینلز سب سے بڑا ذریعہ ابلاغ اور لوگوں کی توجہ کا مرکز ہیں۔ یہ باقی تمام ذرائع و وسائل پر حاوی ہو چکے ہیں۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ انسانی مزاج کچھ ایسا واقع ہوا ہے کہ وہ آواز اور تصویر دونوں کی بیک وقت موجودگی کو پسند کرتا ہے جبکہ چینلز میں اس کے ساتھ ساتھ اسلوب کا تنوع، پیش کردہ مضامین کا ذخیرہ اور انداز بیان انتہائی پُرکشش ہوتا ہے۔

ب: ٹی وی اور ویڈیو استعمال کرنے کی شرعی حیثیت: ان میں حصہ لینے والے کی شرعی حیثیت اور مختلف صورتوں میں اس کی مختلف حیثیتیں دیگر نشریات ہی کی طرح ہیں۔ تصویر کی حرمت کے پیش نظر ایسی دیگر قباحتوں کو دلیل بنا کر اس سے گریز کرنا درست نہیں ہے۔

اس نقطۂ نظر کے بہت سے حاملین نے اس سے رجوع بھی کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگرچہ تصویر حرام ہے لیکن اس کی حرمت کی اصل وجہ یہ ہے کہ یہ ناجائز کاموں کا سبب بنتی ہے جبکہ ایسی چیز اس صورت میں جائز ہو جاتی ہے جب اس پر کوئی بڑا شرعی فائدہ مرتب ہو رہا ہو جیسا کہ گزشتہ اوراق میں وضاحت سے بیان کیا جا چکا ہے۔

بلاشبہ ٹی وی چینلز کے ذریعے دعوتِ دین کا کام ترجیحی بنیادوں پر اور اچھے انداز میں ہو سکتا ہے۔ اگر اس ذریعۂ ابلاغ کو اختیار نہ کیا جائے تو اس سے کارِ دعوت میں بہت بڑا خلا پیدا ہو جائے گا جسے گمراہ اور فاسق لوگ ہی پُر کریں گے۔

ج: مثبت اور منفی اثرات: .....

مثبت اثرات: ..... ✿ دیکھنے اور سننے والوں کا ایک جم غفیر اکٹھا ہو جاتا ہے۔ ✿ لوگوں میں وسیع پیمانے پر ہر بات پہنچ جاتی ہے۔ وہ ان کے گھروں، بازاروں اور تفریح گاہوں تک

جا پہنچتی ہے۔ ✿ بہت سے لوگوں کے فارغ اوقات مصروف ہو جاتے ہیں اور انہیں فضول اور مضر چیزوں کو چھوڑ کر مفید کام میں مصروف کر دیتا ہے۔

منفی اثرات :... ✿ ان میں خلاف شریعت چیزوں کی موجودگی یا پھر اکثر پروگراموں میں فساد اور بگاڑ کا پایا جانا اس کا منفی پہلو ہے کہ اس سے اکثر و بیشتر اوقات آدمی کے پھسلنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ ✿ داعی حضرات کے ان میں حصہ لینے کی بناء پر عوام الناس اسے دیگر پروگرام دیکھنے کا جواز بنا لیتے ہیں۔ ✿ تبلیغ و دعوت کے میدان میں نااہل لوگوں کے آ جانے سے عوام گمراہ ہو جاتے ہیں۔ جب کہ بیشتر حالات میں داعی کا ان ذرائع کو اپنانا مختلف اسباب پر منحصر ہوتا ہے۔

(۶) رسائل و جرائد:

اس میں تین عنوانات ہیں:

الف: رسائل و جرائد کی اہمیت: ..... عصر حاضر کی نشریات میں اخبارات و جرائد کے اثرات اور اہمیت محتاج بیان نہیں ہیں۔

ہم دیکھتے ہیں کہ جہاں داعی حضرات کا جرائد کے اجراء میں نمایاں اثر ہے وہاں بیشتر اخبارات میں ان کی محنت مسلسل کمزور بلکہ ناپید نظر آتی ہے۔ اخبارات کا اجراء ایک یا دو افراد کا کام نہیں ہے۔ اس کے لئے دعوتی اداروں کی ضرورت ہے کیونکہ اس میں اخراجات کے ساتھ ساتھ بہت زیادہ فنی اور علمی محنت درکار ہوتی ہے۔

ب: رسائل و جرائد میں شرکت اور ان کے حصول کی شرعی حیثیت :.....
شریعت اسلامیہ کی نظر میں ریڈیو اور ٹی وی نشریات کے پروگرام جو حیثیت رکھتے ہیں وہی حیثیت اخبارات و جرائد کو حاصل ہے۔ دونوں کے مسائل کی توجیہات میں مماثلت پائی جاتی ہے۔ ان ذرائع دعوت میں اشکال کا پہلو یہ ہے کہ ان میں سے اکثر و بیشتر میں اسلامی امتیازات نہیں ہیں۔ یہ ایک کتاب کی طرح نہیں ہے جس کے بارہ میں پڑھنے یا نہ پڑھنے کی ہدایت کی جا سکے۔ ان میں اصلاحی اور غیر اصلاحی دونوں طرح کا مواد اس قدر ملا جلا ہے کہ ان کی شرعی

حیثیت کا تعین بہت مشکل ہے۔

ایک مسلمان کے لئے بہتر یہ ہے کہ وہ ایسے ذرائع اختیار نہ کرے اور وہ ان قواعد پر عمل پیرا ہو۔

(۱)...... "وَمَنْ حَامَ حَوْلَ الْحِمٰی ، يُوْشِكُ اَنْ يَقَعَ فِيْهِ"

''جو شخص چراگاہ کے گرد چکر کاٹتا ہے وہ اس میں داخل بھی ہو سکتا ہے۔'' ❶

(۲)...... فوائد حاصل کرنے کی نسبت خرابیوں سے بچنا مقدم ہے۔

ج: رسائل و جرائد کے فوائد و نقصانات:...... ان کے وہی فوائد ہیں جو پمفلٹس اور بروشرز کے ضمن میں بیان ہو چکے ہیں جبکہ ان کے نقصانات مندرجہ ذیل ہیں:

(۱)...... ان میں رطب و یابس اس قدر ہے کہ عوام الناس کے لئے ان میں صحیح و غلط کا امتیاز کرنا مشکل ہے۔

(۲)...... فساد اور بگاڑ پر مشتمل مضامین پڑھ کر قاری کے پھسلنے کا اندیشہ ہوتا ہے اور وہ اس کے مذہب کو متاثر کر سکتے ہیں۔

جس شخص نے یہ تبصرہ کیا ہے کہ جس قدر اخلاقی بگاڑ اور فکری انحراف پایا جاتا ہے اس میں سے زیادہ تر مختلف ذرائع ابلاغ کی پیداوار ہے اس نے کوئی مبالغہ نہیں کیا۔ آپ خود ہی اندازہ لگائیں کہ چینل سسٹم کے ذریعے کس قدر اخلاقی تباہی اور فکری بربادی ہو چکی ہے۔

کیونکہ اس سے قبل مسلمانوں کے افکار و خیالات میں دیگر افکار کی نہ اس قدر مداخلت تھی اور نہ اتنے وسیع پیمانے پر اخلاقی بگاڑ موجود تھا۔ اس لئے یہ کام انتہائی ضروری ہو گیا ہے کہ ان ذرائع ابلاغ کا مقابلہ اسلامی اور مفید ذرائع ابلاغ کے ذریعے کیا جائے۔

(۷) درس، لیکچر، سیمینار:

اس میں تین عنوانات ہیں:

---

❶ بخاری: ۵۲، ۲۰۵۱، مسلم: ۱۵۹۹۔

الف: اہمیت اور تعارف:... یہ ذرائع دعوت کے میدان میں نئے نہیں ہیں تاہم ان میں ترتیب، خاکہ سازی اور اظہار خیال کی عمدگی کے لحاظ سے جدت پیدا ہوئی ہے۔

درس ایک جانا پہچانا طریقہ ہے جس میں ایک محدود وقت اور ایک مخصوص جگہ میں ایک صاحب علم مسلسل تعلیمی مضمون پیش کرتا ہے۔

لیکچر ایک خاص انداز دعوت ہے۔ جس میں ایک طے شدہ موضوع پر ایک مقرر ایک ہی نشست میں ایک جگہ محدود وقت میں اپنے خیالات پیش کرتا ہے۔

سیمینار میں لیکچر دینے والے ایک یا زیادہ حضرات اور سیمینار منعقد کرنے والے ذمہ داران کا باہمی تعاون ہوتا ہے۔

اس ذریعۂ دعوت کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں لوگوں تک معلومات پہنچانے کو زیادہ اہمیت دی جاتی ہے۔ بلکہ یہ طریقہ کار تعلیم دینے اور ایک دوسرے تک علم پہنچانے میں بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔

علاوہ ازیں لیکچرز کی اہمیت اس طور سے بھی زیادہ ہوتی ہے کہ اس میں ایک ہی علمی پہلو یا مخصوص دعوتی نکتے پر زور دیا جاتا ہے جس سے علمی اور دعوتی اثرات زیادہ ہوتے ہیں۔

ب: دروس کے فوائد ونقصانات:......

فوائد: ....درس اور وعظ کا اہم ترین فائدہ یہ ہے کہ یہ ریگولر طالب علم کو ایک مضبوط علمی استفادہ فراہم کرتے اور اسے کثیر التعداد فقہی مواد بہم پہنچاتے ہیں۔ اسے علم و جستجو کے صحیح راستے پر چلاتے ہیں۔ یہ دروس تہذیب ووقار کا باعث ہیں اور سوچ وبچار میں نکھار پیدا کرتے ہیں۔

نقصانات:..... دروس میں کچھ خامیاں بھی ہیں مثلاً:

- یہ ایک جامد طریقہ ہے۔
- اس میں باہمی گفتگو کا پہلو نہیں ہے اس لئے یہ طالب علم میں مطلوبہ چیز سمجھنے کی صلاحیت پیدا نہیں کرتا اور نہ ہی اس کے ذہن میں آمدہ شبہات کا ازالہ کرتا ہے۔

- یہ طریقہ علمی اساس فراہم کرنے کے لحاظ سے بھی کمزور ہے، طالب علم کتاب وسنت کے حقیقی علم سے دور رہ کر شروح ہی کے اردگرد مصروف رہتا ہے۔
- یہ طریقہ اپنانے والے طلبہ نہ تو مسائل استنباط کر سکتے ہیں اور نہ ہی مختلف اقوال میں ترجیح کی استعداد سے بہرہ ور ہوتے ہیں۔
- طلبہ کو تقلیدات روئیے کا عادی بنا دینے سے ان میں غور وفکر کا داعیہ ختم ہو جاتا ہے اور وہ اجتہادی صلاحیت سے محروم ہو جاتے ہیں۔ صورتِ حال یہ ہو جاتی ہے کہ کچھ طلبہ آیاتِ احکام کی تفسیر اور احادیث کو پہچانتے بھی نہیں۔
- اس طریق کار میں عملی تربیت میں بھی کمزوری پائی جاتی ہے کیونکہ اس کا تمام تر زور معلومات جمع کرنے پر ہے۔
- اس میں دعوتی پہلو سے کردار سازی کا اہتمام نہیں ہے اور نہ ہی طلبہ کی عملی مشق کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے۔

ج: لیکچر کے فوائد ونقصانات:۔۔۔ لیکچر کا انداز اپنانے کے بہت سے فوائد ہیں، مثلاً: کسی ایک موضوع کو پُر از معلومات علمی اُسلوب میں پیش کیا جاتا ہے۔ جس میں لیکچر دینے والا درجہ بدرجہ اپنی فکر اور اس کے دلائل پیش کرتا ہے اور فکرِ مخالف کے جوابات دیتا ہے۔ یہ اکثر وبیشتر ایک ہی معیار کے سامعین کے لئے ہوتا ہے اس کے بعد کچھ سوالات ہوتے ہیں۔ اس سے سامعین کی فکر مجتمع ہو کر فیصلہ کن نتیجے تک پہنچتی ہے۔

سیمینار بھی لیکچر ہی کی طرح ہوتا ہے۔ دونوں کا باہمی فرق یہ ہے کہ سیمینار میں بیک وقت ایک سے زیادہ مقرر ہوتے ہیں۔ وہ بھی ایک ہی وقت میں ایک ہی موضوع پر ہوتا ہے اس سے سامعین کی معلومات فزوں تر ہو جاتی ہیں۔ کیونکہ اس میں فکری تنوع اور شرکت کرنے والوں کے مختلف اُسلوب ہوتے ہیں۔

دعوتِ دین میں اس ذریعے کو اپنا کر داعی حضرات نے ایک مؤثر کردار ادا کیا ہے اور وہ بہت سے دعوتی مسائل حل کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔

اس ذریعہ دعوت کے کچھ منفی پہلو بھی ہیں، مثلاً:

- کچھ شرکا، دائرہ دعوت سے نکل کر غیر دعوتی مسائل میں پڑ جاتے ہیں۔
- کچھ حضرات فکری دائرے کو تنگ کر لیتے ہیں۔ جس سے دعوت پر منفی اثرات ہوتے ہیں اور بہت سے علاقوں میں لیکچرز اور سامعین کی تعداد میں کمی واقع ہوتی ہے۔
- اس کا ایک اور منفی پہلو یہ ہے کہ اب بھی عوام الناس داعی حضرات اور ان کے موضوعات کو اہمیت نہیں دیتے۔ بیشتر لیکچر نسل نو کی بیداری اور ان کی تہذیب و ثقافت کے اردگرد دائر ہوتے ہیں۔

(۸) کانفرنس:

اس کے تین عنوانات ہیں:

الف: اہمیت اور تعارف:..... کانفرنس سے مراد ایک موضوع سے متعلق مختلف لیکچرز کا تسلسل ہے جو ایک محدود وقت میں دیئے جاتے ہیں۔ اکثر و بیشتر یہ چند دنوں پر مشتمل ہوتی ہیں۔ ان میں لیکچر دینے والے ایک منتخب موضوع پر اپنے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہیں۔ عصر حاضر میں یہ ذریعۂ دعوت بہت عام ہو چکا ہے۔ نوجوان اور مہذب لوگوں کی توجہ اس طرف بڑھ گئی ہے۔ ان کانفرنسوں کے مسلمانوں پر دعوتی اثرات بھی ہوتے ہیں اور معاشرتی بھی۔ بالخصوص یورپی ممالک میں ان کے اثرات زیادہ ہیں۔

ب: مثبت پہلو:..... ✿ اس سے نظریات کا باہمی تبادلہ ہوتا ہے۔ اس سے مسلمانوں میں بالعموم اور لیکچر دینے والوں میں بالخصوص فکری تعاون کی راہ پیدا ہوتی ہے۔ ✿ ان لیکچرز کا سامعین پر دعوتی اور علمی اثر ہوتا ہے اور انہی سے یہ فائدہ دیگر افراد میں منتقل ہوتا ہے۔ ✿ کانفرنس کے دوران حاضرین پر ذہنی اور معاشرتی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ ✿ مسلمانوں کو آپس میں افکار اور شخصیات کے حوالے سے تعارف کا موقع ملتا ہے۔ ✿ یہ انداز اسلام اور مسلمانوں کی قوت کا مظہر ہے۔ مسلم اور غیر مسلم ان کانفرنسوں سے اسلام کی طاقت بالخصوص علمی طاقت اور لوگوں کی آراء سے آشنا ہوتے ہیں۔ اور یہیں سے کچھ غیر مسلم اچھے

دین کو خیر باد کہتے ہیں۔ ✿ اس سے عالم اسلام کے بہت سے مسائل کا حل یا حل کے بارہ میں سوچنے کا موقع ملتا ہے۔ ✿ بہت سے مسلمانوں بالخصوص مغرب میں رہنے والے مسلمانوں کو اس کے ذریعے دینی اور اجتماعی مشکلات سے نکالنے کے راستے دریافت ہوتے ہیں۔

ج: منفی پہلو: ..... ✿ ان میں پیش کردہ علمی مواد بہت کم ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان میں منہج اور عقیدے کا پہلو کمزور ہوتا ہے۔ ✿ ان میں عملی پہلوؤں کی طرف توجہ نہیں دلائی جاتی اس لئے یہ دعوتی نقطۂ نظر سے بطورِ خاص صرف نظریاتی چیز بن کر رہ جاتی ہے۔ ✿ کانفرنسوں میں طے شدہ قراردادوں پر اکثر و بیشتر عمل نہیں ہوتا اور یہ محض کاغذ کی تحریر کی حد تک محدود ہوتی ہیں۔ ✿ ان میں پیش کردہ باتوں کو کتاب وسنت سے مدلل کرنے کی پابندی نہیں کی جاتی جس کی وجہ سے پیش کردہ موضوع میں تضاد آ جاتا ہے۔ اور یہ چیز سامعین کو بے چینی میں مبتلا کر دیتی ہے اور اس سے متعلقہ افراد میں خطرناک قسم کی منہجی اغلاط پیدا ہو جاتی ہیں۔ ✿ ظاہری چیزوں پر اسراف کی حد تک توجہ دی جاتی ہے۔ داعی حضرات عجز و انکساری کے مظہر سے خالی ہو جاتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ غریبوں کے احساسات مجروح ہوتے ہیں۔ ✿ اکثر و بیشتر کانفرنسیں محض سیاسی انداز اختیار کر لیتی ہیں۔ حالات وواقعات کو شریعت کے مقاصد اور کتاب وسنت کے منہج سے دور رہ کر زیر بحث لایا جاتا ہے۔ بعض موضوعات میں فرقہ واریت کا طریقہ اختیار کرنے کی بناء پر ان میں جامعیت اور وسعت کو ختم کر دیا جاتا ہے اور انہیں مزید آگے بڑھنے سے روک دیا جاتا ہے۔

(۹) ورکشاپ:

اس میں تین عنوانات ہیں:

الف: تعریف اور اہمیت: ..... تعلیمی ورکشاپ سے مراد ایک محدود وقت میں طے شدہ خاکہ کے مطابق دیئے جانے والے لیکچرز ہیں۔ یہ وقت کم بھی ہو سکتا ہے اور زیادہ بھی۔

طالب علم اس سے خاصہ مستفید ہوتا ہے۔ دعوت کا یہ طریق کار عصر حاضر میں زیادہ مقبول اور مفید ثابت ہو رہا ہے۔ اس انداز کی طرف لوگوں کی توجہ زیادہ ہے۔ اس کی اہمیت کا

راز اس کے مثبت پہلوؤں میں مضمر ہے۔

ب: مثبت پہلو:..... ✿ طالب علم تھوڑے وقت میں اور بہت سے علوم میں زیادہ علمی استفادہ کر لیتا ہے۔ ✿ اس کا دوسرا فائدہ یہ ہے کہ نوجوانوں کو مصروف رکھا جاتا ہے بالخصوص چھٹیوں کے دوران۔ ✿ اس میں مختلف ذرائع سے حصول علم کا موقع ملتا ہے۔ ✿ اسی طرح حکومتی جامعات اور اداروں سے استفادہ نہ کر سکنے والوں کے لئے حصولِ علم کی سہولت فراہم ہوتی ہے۔

ج: نقصانات:..... ورکشاپ کے منفی اثرات بھی مدِ نظر رہنے چاہئیں:

✿ اس میں منہج سے متعلقہ مسائل پر توجہ نہیں دی جاتی یہی وجہ ہے کہ نوجوان اسے اپناتے وقت زیادہ تر نادرست ذرائع اختیار کرتے ہیں۔ ✿ اس میں اس اُصولی اور بنیادی پہلو کا اہتمام نہیں ہوتا جسے کتاب کی تمہید میں بیان کیا گیا ہے اس میں زیادہ تر دروس اضافی حیثیت سے پیش کئے جاتے ہیں۔ ✿ اس طریقے کی عملی خامی یہ ہے کہ اس میں نظریات کو عملی طور پر منطبق نہیں کیا جا سکتا۔ ✿ اس میں چوتھی خامی یہ ہے کہ یہ طریق کار ایسے دعوتی انداز سے خالی ہے جس میں دعوت کو حقیقت پسندانہ طریقے اور اُسلوب سے پیش کیا جا رہا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ طلباء کرام یادداشت کے حوالے سے تو ایک حد تک علمی استفادہ کر لیتے ہیں لیکن فہم، اجتہاد اور دعوت دین کی اہلیت کے حوالے سے کمزور ہوتے ہیں جبکہ منہج کی کمزوری اس سے بھی زیادہ ہوتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ حالات کے جھونکے اُنہیں دائیں بائیں ہلاتے رہتے ہیں۔

ان سب چیزوں کے باوجود یہ تعلیمی ورکشاپ مکمل اور کثرت کے ساتھ ہونی چاہئیں کیونکہ ان میں بہت زیادہ فائدہ اور خیر و برکت ہے۔

(۱۰) آڈیو، ویڈیو کیسٹیں:

اس میں تین عنوانات ہیں:

الف: اہمیت:..... ان ذرائع و وسائل میں سے ہر ایک کا اپنا ایک میدانِ عمل ہے اور

یہ بہت بڑے خلا کو پُر کرتے ہیں، آڈیو کیسٹ کا بہت بڑا کردار ہے جس کا انکار نہیں ہو سکتا، اسی طرح ویڈیو کی اہمیت بھی اپنی جگہ مسلّمہ ہے، یہ کیسٹیں چلتا پھرتا علم ہے، یہ گھومتے پھرتے اہل علم ہیں۔ یہ تو متلاشی علم اور طالب ہدایت کے ساتھ اس کی پسند کے مطابق سفر کرنے والے معلّم ہیں۔

ب: مثبت پہلو:..... ✿ یہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کو مصروف کرتی ہیں، جن میں مسافر، گھریلو خواتین، فیکٹریوں کے مزدور، دفتروں کے ملازم اور مختلف انتظارگاہوں میں موجود افراد بھی آ جاتے ہیں۔ ✿ اس میں ہر شخص کے لئے من پسند موضوع کا آپشن پایا جاتا ہے۔ ✿ یہ طریقہ سفر وحضر میں، چلنے پھرنے کے دوران، اٹھتے بیٹھتے ہوئے، خشکی وتری میں، گھر کی چاردیواری میں اور اس سے باہر اپنانا آسان ہے۔ انفرادی اور اجتماعی دونوں طرح سے اس سے استفادہ ممکن ہے۔ ✿ اس کے وسائل وذرائع کا حصول بھی آسان ہے۔ عصر حاضر میں آڈیو، ویڈیو کے آلات کو حاصل کرنا قیمت کے حوالے سے بھی بیشتر لوگوں کے لئے ممکن ہو چکا ہے۔ ✿ کسی بھی جگہ پر علمی اور دعوتی نشست اسے دیکھنے یا سننے کے لئے لگائی جا سکتی ہے۔ گھر کا سربراہ افرادِ خانہ کو جمع کر کے، استاد طلبہ کے ساتھ بیٹھ کر، آفس انچارج اپنے عملے کے ساتھ کہیں بھی لیکچر کو سن سکتا ہے، اس پر تبصرہ کر سکتا ہے، اس پر رائے دے سکتا ہے، سامعین وناظرین کو اظہار رائے کا موقع دے سکتا ہے۔ میدانِ علم میں ایک دوسرے کو نصیحت کرنے اور علمی فوائد کے حصول جیسے کام بھی لے سکتا ہے۔ کیونکہ اس میں بڑی خوبی من پسند انتخاب ہے۔ ان خوبیوں کے پیش نظر اس ذریعہ ابلاغ نے دعوتِ دین کے میدان میں بھرپور اور بنیادی کردار ادا کیا ہے۔

ج: منفی پہلو:...... ✿ اس کے اخراجات غریب ممالک میں اس کے عام ہونے کے لئے اب بھی رکاوٹ ہیں، تاہم اس مشکل پر اس طرح قابو پایا جا سکتا ہے کہ ان کے اخراجات برداشت کرنے کے لئے اہلِ خیر کی طرف سے حوصلہ افزائی ہوتا کہ انھیں ایسے علاقوں میں تقسیم کیا جائے۔ ✿ اس کا دوسرا منفی پہلو یہ ہے کہ یہ ایک کھلا میدان بن گیا ہے جس میں ہر

زید و بکر چل نکلتا ہے اور جو چاہے کہہ گزرتا ہے۔ اس سے بہت زیادہ نقصان ہوتا ہے۔ اس بات پر قابو پایا جانا انتہائی مشکل ہے تاہم شرعی اُصول بندی اور مذہبی بیداری کے ذریعے اس کا انسداد ممکن ہے اس کے لئے ہر مسلمان کو اپنا فرض ادا کرنا ہوگا۔ ✿ اس کا ایک اور منفی اثر یہ ہے کہ ان کے عام استعمال کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ اہلِ علم کے دروس اور نشستوں میں حاضری کی ضرورت محسوس نہیں کی جاتی جس سے تربیت میں کمی ہوئی ہے اور علم نہ ہوتے ہوئے بھی خود کو عالم ظاہر کرنے جیسے مسائل پیدا ہوئے ہیں۔

(۱۱) چارٹ:

اس میں چار عنوانات ہیں:

الف: تعریف اور اہمیت: ..... آویزاں کردہ چارٹ سے مراد ہے ہر وہ تحریر جسے لوگوں کی یاددہانی کے طور پر تحریری شکل میں لٹکایا گیا ہو۔

یہ دو طرح کے ہوتے ہیں: عام اور خاص۔

عام وہ ہیں جن پر کوئی عام نصیحت تحریر ہو جو ہر دور، ہر جگہ اور ہر مناسبت کے لئے موزوں ہو، مثلاً: کوئی آیت یا کوئی حدیث یا کوئی نصیحت یا نیکی کا کوئی کام تحریر ہو۔ انہیں مسجدوں میں، راستوں میں، گھروں میں، حکومتی دفاتر اور پرائیویٹ کمپنیوں میں لگایا جاتا ہے۔

دوسری قسم کے خاص چارٹ ہیں جنہیں خاص واقعہ، خاص نصیحت، خاص مناسبت کے لئے تیار کیا جاتا ہے۔ مثلاً کسی شخص کی وفات، موسمِ حج، عشرۂ ذوالحجہ وغیرہ سے تعلق رکھنے والی تحریریں۔ ایسی صورتِ حال میں یہ مخصوص لوگوں کی توجہ مبذول کرانے یا خاص کام کے لئے ہوتے ہیں، مثلاً آنے والی مصیبت پر صبر کرنا یا دورانِ حج لوگوں کے ناروا سلوک کا احسن انداز سے جواب دینا وغیرہ۔ اس طریق کار کے بہت سے فوائد ہیں۔

ب: چارٹ کی شرعی حیثیت: ..... چارٹ آویزاں کرنے کی شرعی حیثیت میں اہلِ علم کی مختلف آراء ہیں۔ کچھ اہلِ علم کہتے ہیں کہ یہ ایک تبلیغی انداز ہے لہٰذا یہ جائز ہے، کچھ دیگر

اسے ناجائز کہتے ہیں۔ کیونکہ اس میں قرآن وحدیث کی بے حرمتی کا اندیشہ ہے یا اس میں قرآنی آیات کے ساتھ استہزاء کا پہلو ہے بالخصوص جب ان پر تزئین وآرائش اور فن کاری اور بے جا تکلف ہو تو یہ دعوتی مقصد سے ہٹ کر فنونِ لطیفہ کا رُخ اختیار کر لیتے ہیں۔

فریقین میں سے ہر ایک کے اپنے اپنے دلائل ہیں۔

قابلِ ترجیح رائے: ...... یہ کتاب فقہی مسائل پر مشتمل نہیں کہ ہم اس میں ہر فریق کے دلائل اور اس پر تبصرہ کریں۔ لہٰذا تفصیلات سے ہٹ کر محض قابلِ ترجیح اور صحیح نظریہ مختصر طور پر پیش کیا جارہا ہے۔ دراصل یہ چارٹ اور اشتہارات مسائل ہیں اور یہ بات پہلے بیان ہو چکی ہے کہ اگر ان میں شریعت کے خلاف کوئی بات نہ ہو تو ان کا استعمال بنیادی طور پر جائز ہے۔ تاہم ان کے لئے یہ اُصول اور ضابطے پیشِ نظر رہنے چاہئیں۔

- ان کا استعمال دعوت وتبلیغ کے لئے ہو آرائش وزینت کے لئے نہ ہو۔
- ان کا رسم الخط واضح ہو۔
- ان پر بے جا ڈیزائننگ نہ ہو۔
- انہیں تکلف وتصنع سے بچایا جائے۔
- ان کے مشکل الفاظ کی وضاحت کر دی جائے۔

ان اُصول وضوابط کے ہوتے ہوئے انہیں ناجائز کہنے والوں کے پاس منع کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ اگر ان کا مقصد آرائش وزیبائش ہو اور ان کی سجاوٹ میں بے جا تکلف کیا گیا ہو تو یہ بہرحال منع ہیں۔

امام احمد رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ کچھ امیر لوگ قرآن مجید کو آبِ زر سے مزین کرتے ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا: انہیں ایسا کرنے دو وگرنہ یہ رقم کسی دوسرے (ناجائز) کام میں لگا دیں گے۔ ❶

امام موصوف کا یہ فتویٰ ہی ہمارے لئے کافی ہے وہ کتنی دور رس نگاہ کے مالک تھے۔

---

❶ فیض القدیر ج۵ص۴۲۹.

تاہم اگر ان کی جگہ کوئی دوسری بہتر چیزیں لگا دی جائیں جو اصلاح یا بگاڑ دونوں سے خالی ہوں تو ایسی صورت میں ان کے بارہ میں خاموشی اختیار کی جا سکتی ہے اور وہ بھی کسی بڑی خرابی سے بچاؤ کی خاطر۔

ج: چارٹ کے مثبت اثرات:..... اس کے کچھ امتیازات وفوائد یہ ہیں: ✿ اس پر اخراجات کم ہوتے ہیں اور اس کا علمی مواد زیادہ ہوتا ہے۔ ✿ یہ لوگوں تک معلومات پہنچانے کا آسان ذریعہ ہے۔ ✿ جب تک یہ لٹکے رہتے ہیں کسی بھی قسم کے مالی اخراجات اور وقت صرف کرنے یا کسی دوسری محنت کے بغیر ان سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ ✿ اس سے تمام قارئین کو یکساں فائدہ ہوتا ہے۔ ✿ یاد رکھنے اور لوحِ حافظہ پر مرتسم کرنے کے لئے اس طریقے سے حاصل ہونے والا فائدہ کسی بھی صاحب بصیرت سے مخفی نہیں ہے۔ کتنی ایسی آیات اور احادیث ہیں جنہیں آدمی کسی چارٹ سے پڑھنے کے بعد یاد کر لیتا ہے۔ بارہا ایسے ہوتا ہے کہ کئی دعائیں چارٹ پر تحریر ہونے کی بناء پر یاد رہتی ہیں۔ مدرسہ اور اسکول میں لگائے گئے چارٹوں پر تحریر شدہ قرآنی آیتیں، احادیث نبویہ اور خوبصورت شعر یاد کرنا طلبہ کا شروع ہی سے معمول رہا ہے۔

چارٹ کے نقصانات:..... ✿ اگر ان پر ضعیف حدیثیں لکھی ہوں تو وہ لوگوں میں مشہور ہو جاتی ہیں۔ ✿ ان پر طرح طرح کے واقعات اور کتاب وسنت کے خلاف باتیں تحریر ہوتی ہیں۔

د: چارٹ سے متعلق ہدایات وتعلیمات:..... سابقہ ہدایات کے علاوہ یہ مناسب ہوگا کہ: ✿ اس پر درج شدہ معلومات بالخصوص احادیث نبویہ کی توثیق کر لی جائے۔ ✿ یہ کسی نمایاں جگہ میں ہو۔ ✿ کچھ عرصے کے بعد انہیں تبدیل کر دیا جائے۔

جہاں انہیں آویزاں کیا جائے وہاں کے رہنے والوں سے انہیں یاد کرنے کو کہا جائے، مثلاً مسجد کا امام نمازیوں سے انہیں یاد کرنے کی تلقین کرے اور یاد کرنے والوں سے سنے۔ جو بچے انہیں یاد کریں انہیں انعام بھی دیئے جا سکتے ہیں۔ اگر ہر امام مسجد ہفتے میں ایک چارٹ

لگائے جس میں ایک آیت یا ایک حدیث ہو اور اس دوران وہ اس کی حفاظت کرتا رہے۔ ہفتہ بھر نمازیوں سے اسے یاد کرنے کو کہے تو اس مسجد کے نمازی ایک سال میں باون آیات اور باون احادیث سمجھ کر یاد کرلیں گے۔

اگر خاندان کا سربراہ یا فیکٹری کا مالک یا ادارے کا منتظم ایسے کرنے لگ جائے تو اس طرح کار خیر کا اس قدر کام ہوسکتا ہے جو میڈیا، خطبۂ جمعہ، کیسٹ، آڈیو، ویڈیو سی ڈی سے نہیں ہوسکتا بلکہ پڑھی جانے والی کتاب سے بھی نہیں ہوسکتا۔

کیونکہ یہ طریقہ ہائے کار مفید ضرور ہیں لیکن یاد کرنے اور سمجھنے کی اس طرح تلقین نہیں کرتے جیسے یہ متذکرہ انداز کرتا ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے توفیق کے لئے دعا گو ہیں۔

(۱۲) جدل و مناظرہ اور مکالمہ:

اس میں دس عنوانات ہیں:

الف: اہمیت اور مفہوم:...... یہ ایک بدیہی اور طے شدہ بات ہے کہ دین اسلام جبر و اکراہ اور تشدد سے نہیں پھیلتا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَآ إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ ۖ قَد تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ﴾ [البقرة: ۲۵۶]

"دین کے معاملے میں کوئی جبر نہیں ہے۔ ہدایت گمراہی سے بالکل الگ ہوچکی ہے۔"

اسلام کی دعوت اسے کھول کر بیان کرنے، دلائل فراہم کرنے اور باطل نظریے کی بیخ کنی کے ذریعے دی جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ ۚ﴾

[الأنبياء: ۱۸]

"بلکہ ہم حق کو باطل پر دے ماریں گے تو وہ اس کا بھیجا نکال دے گا تو دیکھو گے

کہ وہ ختم ہو کر رہے گا۔"

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام تر شکلوں میں بحث و مباحثے کو جائز قرار دیا ہے۔ جس میں مناظرہ کی صورت بھی ہے، باہمی گفت و شنید کی صورت بھی اور اس سے ملتی جلتی اور بھی دعوت و تبلیغ کی صورتیں ہیں، ان کے لئے الگ سے کتابیں موجود ہیں تاہم اختصار کے ساتھ انہیں پیش کیا جا رہا ہے۔

ب: جدل و مباحثہ، مناظرہ، باہمی گفت و شنید، بے مقصد بحث اور دیگر الفاظ کی تعریفات اور ان کا باہمی ربط:...... یہ موضوع اس لئے زیر قلم لایا گیا ہے تاکہ داعی کا انداز گفتگو مختلف حالات میں ان کے تقاضوں کے مطابق ہو کیونکہ اسے مختلف حالات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور اس کے مخاطب بھی اپنی ثقافت اور فہم و ادراک کے لحاظ سے الگ الگ ہوتے ہیں۔

اسی طرح داعی کے لئے اُسلوبِ بیان کا یہ تنوع، جس میں کبھی صرف تقریر کبھی مناظرہ اور کبھی باہمی گفتگو اس کے لیے اسلحہ قرار پاتا ہے اور سامعین کے لئے بھی مفید ثابت ہوتا ہے۔

کچھ اہلِ علم کی رائے یہ ہے کہ بحث و مباحثہ، باہمی گفت و شنید اور مناظرہ یہ سب الفاظ ہم معنی یا قریب قریب معنی رکھتے ہیں، باہمی گفت و شنید، بحث و مباحثہ اور جدل و مناظرہ اور دیگر ملتے جلتے الفاظ قرآن اور حدیث میں کافی حد تک مشترک معنوں میں استعمال ہوئے ہیں۔ ❶

تاہم ان دو الفاظ میں کئی لحاظ سے فرق بھی موجود ہے جو اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ ہر ایک کا مخصوص معنی ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے جدل و مباحثہ کا حکم دیا ہے مگر اس کی صورتیں محدود نہیں کیں، اس کا اُسلوب متعین کیا ہے اور فرمایا ہے کہ وہ احسن انداز میں ہونا چاہیے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ﴾ [النحل: ١٢٥]

---

❶ كتاب الجدل ابن عقيل: ص: ١٦ـ مناهج الجدل الدكتور زاهر عواض الألمعي: ص: ٢٩ـ الكافية في الجدل ابي المعالي الجويني: ص: ٧٩ـ

"اور ان کے ساتھ اس طریقے سے بحث کرو جو پسندیدہ ہے۔"

اسی حکم کی فرماں برداری کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ اور آپ سے پہلے انبیاء کرام علیہم السلام نے مناظرے اور بحث ومباحثے کیے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ اور خولہ بنت ثعلبہ رضی اللہ عنہا کی باہمی گفتگو کو قرآن مجید میں بیک وقت بحث ومباحثہ اور گفت وشنید قرار دیا ہے۔ اس میں اس صحابیہ نے اپنے خاوند کی شکایت کی تھی۔

﴿قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا وَ تَشْتَكِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۖ وَ اللّٰهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ۝﴾ [المجادلة: ۱]

"اللہ نے اس عورت کی بات سن لی جو تم سے اپنے شوہر کے بارے میں جھگڑتی تھی اور اللہ سے شکوہ کر رہی تھی اور اللہ تم دونوں کی گفتگو سن رہا تھا۔ بے شک اللہ تعالیٰ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔"

ہٹ دھرم اور عناد پسند کافروں کو اللہ تعالیٰ نے غلط بحث ومباحثہ کرنے والے کہہ کر یاد کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَ يُجَادِلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ﴾

[الكهف: ٥٦]

"اور یہ کافر باطل کی مدد سے کٹ حجتیاں کرتے ہیں کہ اس کے ذریعہ سے حق کو پسپا کر دیں۔"

انبیاء کرام علیہم السلام کے اپنی اقوام سے مذاکرات کو "جدال" بھی کہا گیا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اَلَآ اِنَّ الَّذِيْنَ يُمَارُوْنَ فِي السَّاعَةِ لَفِيْ ضَلٰلٍۭ بَعِيْدٍ ۝﴾ [هود: ۳۲]

"وہ بولے کہ اے نوح! تو نے ہم سے بحث کر لی اور بہت بحث کر لی۔"

بحث ومباحثہ کو اللہ تعالیٰ نے "جھگڑا" بھی کہا ہے۔

ارشاد ربانی ہے:

﴿فَلَا تُمَارِ فِيهِمْ إِلَّا مِرَآءً ظَاهِرًا﴾ [الكهف: ٢٢]

''اور تم ان کے باب میں نہ بحث کرو مگر ٹالنے کے انداز میں۔''

ابراہیم علیہ السلام نے نمرود کو دلائل دیئے۔ علماء نے اسے مناظرہ کہا ہے۔ (البقرۃ: ٢٥٨)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غلط بحث ومباحثہ کو ''جھگڑا'' قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے:

((أَنَا زَعِيمٌ بِبَيْتٍ فِي رَبَضِ الْجَنَّةِ، لِمَنْ تَرَكَ الْمِرَاءَ، وَإِنْ كَانَ مُحِقًّا.)) ❶

''جو شخص حق پر ہوتے ہوئے بھی جھگڑا نہ کرے میں اس کے لئے جنت کے نچلے درجے میں ایک محل کا ضامن ہوں۔''

ان سب کو سامنے رکھا جائے تو قرآن وحدیث میں ذکر کردہ الفاظ جدال، مکالمہ، مناظرہ، بحث ومباحثہ معمولی فرق کے ساتھ باہم مترادف معلوم ہوتے ہیں۔ یا پھر ''مناظرہ، مکالمہ، بحث ومباحثہ'' یہ تینوں جدال کی مختلف صورتیں ہیں اور جدال ایک جامع لفظ ہے جس کی یہ شاخیں ہیں۔ ❷

یہی بات زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے۔

ابن اثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے: جدال کا معنی ہے مناظرہ اور باہمی حجت بازی۔ جدل، مناظرہ اور مکالمہ وغیرہ الفاظ کی تعریفات فلسفی اور منطقی لحاظ سے بھی کی گئی ہیں جنہیں میں نے دانستہ طور پر بیان نہیں کیا کیونکہ ہمارا موضوع دعوت وتبلیغ ہے۔ علم کلام ہمارا موضوع نہیں ہے۔ میں حسب توفیق ان تعریفات کو آسان اور عام فہم الفاظ میں بیان کر کے داعی حضرات اور مدعوین کے ذہنوں کے قریب لانے کی کوشش کروں گا۔ اللہ تعالیٰ سے مدد کی دعا ہے۔

---

❶ ابو داؤد: ٤٨٠٠۔ معجم کبیر طبرانی: ج٧ ص٩٨۔ مسند الشامیین: ١٢٣٠، ١٥٩٤۔ السلسلة الصحيحة: ٢٧٣۔

❷ لسان العرب: ج١١ ص١٠٣

جدل ومباحثہ:

جدل کا لغوی معنی ہے مقابلے میں شدت اختیار کرنا اور یہ عمل باہمی گفتگو سے مکمل ہوتا ہے۔

ابن اثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں: مباحثے کا معنی ہے دلیل کے مقابلے میں دلیل پیش کرنا۔ ❶

اصطلاح میں بحث ومباحثہ کا مطلب یہ ہے کہ ہر فریق جس بات کو حق سمجھتا ہے اسے واضح کرے یا مخالف کی غلطی ثابت کرے اور اس کے شکوک وشبہات کا ازالہ کرے۔

باہمی گفت وشنید:

اس کا اصطلاحی معنی یہ ہے کہ ایک سے زیادہ فریق مختلف آراء کا باہمی تبادلہ اس مقصد کے تحت کریں کہ ہر فریق اپنی رائے کے درست ہونے اور دوسری آراء غلط ثابت کرے بشرطیکہ کسی دوسرے فریق کو نیچا دکھانا مقصود نہ ہو۔ اس دوران ہر فریق مختصر الفاظ میں یا مختصر لیکچر کی صورت میں اپنے مافی الضمیر کا اظہار کرتا ہے تاکہ وہ اپنی حقانیت ثابت کرے اور اس سے متعلق شبہات کا ازالہ کر سکے، نیز مخالف فریق کی غلطی اور اس کی رائے میں موجود شکوک و شبہات واضح کرے۔ ❷

یہ سارا معاملہ پُر سکون اور خاموش ماحول میں انجام پذیر ہوتا ہے۔ اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ حق کا اظہار کیا جائے اور فریق ثانی کو مفاہمت کے انداز میں مطمئن کیا جائے۔

اس کی شرعی حیثیت وہی ہے جو بذاتِ خود دعوت دین کی ہے۔ یہ استطاعت رکھنے والے پر واجب ہے۔ قرآنِ مجید میں اس کی مختلف صورتیں بیان ہوئی ہیں مثلاً سورۂ کہف میں ان الفاظ سے اسے بیان کیا گیا ہے:

﴿وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ﴾ [الكهف: ٣٧]

”اس کے ساتھی نے بحث کرتے ہوئے کہا۔“

---

❶ النهاية: ج١ ص ٢٤٧۔

❷ المعجم الوسيط ج١ ص ٢٠٥۔

مناظرہ:

مناظرے کا لغوی معنی: حجت بازی میں مقابلہ کرنا۔ ❶

اصطلاحی مفہوم:...... ہر فریق اپنے خیال کے مطابق صحیح نظریہ کو ثابت کرنے اور فریق ثانی کے موقف کو غلط ثابت کرنے کے لئے سوال و جواب کا انداز اپنائے تاکہ وہ یہ ثابت کرے کہ اس کے نظریے سے یہ غلط باتیں لازم آتی ہیں اور اسے بے دلیل بنا کر اس کا دائرہ تنگ کر دے۔ جدل و مباحثہ کی یہ ایک انتہائی دقیق شکل ہے اس کے لئے علم اور فہم و فراست کے علاوہ ایک خاص فنی مہارت کی ضرورت ہوتی ہے۔ ہر طالب علم کے لئے اسے اختیار کرنا جائز نہیں ہے یہ تیز اور دو دھاری ہتھیار ہے۔

بے مقصد بحث:... اس کا لغوی معنی حجت بازی ہے۔

اہل علم کی اصطلاح میں اس سے مراد یہ ہے کہ ناحق اور غلط حجت بازی کی جائے۔

جیسا کہ ارشاد رب العزت ہے:

﴿ أَلَآ إِنَّ ٱلَّذِينَ يُمَارُونَ فِى ٱلسَّاعَةِ لَفِى ضَلَٰلٍۭ بَعِيدٍ ﴾ [الشوری:١٨]

''آگاہ رہو! جو لوگ قیامت کے بارے میں جھگڑتے رہتے ہیں وہ بہت دور کی گمراہی میں مبتلا ہیں۔''

اور کبھی اسے لغوی معنی میں بھی استعمال کر لیتے ہیں جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿ فَلَا تُمَارِ فِيهِمْ إِلَّا مِرَآءً ظَٰهِرًا ﴾ [الکهف:٢٢]

''اور تم ان کے متعلق صرف ٹالنے کے انداز میں بحث کرو۔''

مباحثے کا احسن انداز:...... اس سے مراد یہ ہے کہ بہتر انداز اور قابل قبول طریقے سے بات پیش کی جائے جس میں گالی گلوچ، ہنسی مذاق اور مدِ مقابل کو برا بھلا کہنے کا پہلو نہ ہو۔

غلط جدل و مباحثہ:...... یعنی غلط انداز میں، ادب کے دائرے سے نکل کر مباحثہ کرنا جس میں بائیکاٹ، شور و غل اور بدزبانی اختیار کر کے علمی گفتگو سے ہٹ کر ذاتیات پر حملہ کر دیا جائے۔

❶ المعجم الوسیط: ج ٢ ص ٩٣١۔

ج:...... جائز و ناجائز جدل و مباحثہ:...... گزشتہ سطور میں بیان کردہ باتوں سے یہ چیز عیاں ہوتی ہے کہ جدل و مباحثہ کی کئی صورتیں ہیں کچھ ان میں سے جائز ہیں اور کچھ ناجائز اور قابلِ مذمت ہیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ﴾ [النحل: ۱۲۵]

"اور ان کے ساتھ اس طریقے سے بحث کرو جو پسندیدہ ہے۔"

اور فرمایا:

﴿وَلَا تُجَادِلُوٓا أَهْلَ ٱلْكِتَٰبِ إِلَّا بِٱلَّتِى هِىَ أَحْسَنُ﴾ [العنکبوت: ٤٦]

"اور اہلِ کتاب سے انتہائی خوبصورت انداز میں بحث و مباحثہ کرو۔"

اس میں نہ صرف مباحثے کی اجازت ہے بلکہ دو شرطوں کے ساتھ اس کا حکم دیا گیا ہے۔

۱: حق پر رہتے ہوئے مباحثہ ہو۔

۲: دوسری شرط یہ ہے کہ وہ احسن انداز میں ہو۔

درج ذیل صورتوں میں وہ ناجائز اور قابلِ مذمت ہوگا۔

✿...... جب وہ باطل اور غلط موقف کے دفاع کے لئے ہو۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا تُجَٰدِلْ عَنِ ٱلَّذِينَ يَخْتَانُونَ أَنفُسَهُمْ﴾ [النساء: ۱۰۷]

"اور ان لوگوں کی وکالت نہ کرو جو اپنے آپ سے خیانت کر رہے ہیں۔"

یعنی آپ ایسے لوگوں کا دفاع نہ کریں جو ظلم اور جھوٹ کے ذریعے اپنی خیانت کرتے ہیں۔

نیز فرمایا:

﴿وَيُجَٰدِلُ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ بِٱلْبَٰطِلِ لِيُدْحِضُوا۟ بِهِ ٱلْحَقَّ﴾ [الکھف: ٥٦]

"اور یہ کافر باطل کی مدد سے کٹ حجتیاں کرتے ہیں کہ اس کے ذریعہ سے حق کو پسپا کر دیں۔"

✿:۔۔۔دوسری صورت یہ ہے کہ وہ علم کے بغیر ہو۔ ارشادِ ربّ العزت ہے:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطٰنٍ مَّرِيْدٍ﴾

[الحج: ۳]

''اور ایسے لوگ بھی ہیں جو بغیر کسی علم کے، اللہ کی توحید کے باب میں، کٹ حجتی کرتے اور ہر سرکش شیطان خبیث کی پیروی کرتے ہیں۔''

✿:۔۔۔۔جب وہ احسن انداز سے ہٹ کر ہو۔ اس کے دلائل پہلے بیان ہو چکے ہیں۔

✿:۔۔۔ جب اس کا موضوع کوئی مشتبہ چیز ہو، وہ فتنہ انگیز ہو یا اس سے کوئی فائدہ نہ ہو۔

ارشادِ ربّ العزت ہے:

﴿فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَ ابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ﴾ [آل عمران: ۷]

''تو جن کے دلوں میں کجی ہے وہ اس میں سے متشابہات کے درپے ہوتے ہیں تاکہ فتنہ پیدا کریں اور ان کی حقیقت و ماہیت معلوم کریں۔''

اس کا اصول اور ضابطہ یہ ہے کہ ''اگر مجادلہ علم کی بنیاد پر ہو اور اچھے انداز میں ہو' حق معلوم کرنے کے لئے، راہِ ہدایت پر چلنے کی نیت سے ہو تو وہ پسندیدہ ہوگا۔ اگر ان شرائط میں سے کوئی شرط مفقود ہو جائے تو وہ مذموم ہوگا۔

اسلاف نے جس جدل و مباحثے سے منع کیا ہے اس سے مراد اس کی قابلِ مذمت صورت ہے۔ وہ اقوالِ سلف جن میں اس کی تعریف کی گئی ہے اسی توجیہ پر محمول ہوں گے کیونکہ یہ کتاب و سنت سے بھی نہ صرف ثابت ہے بلکہ انبیاء علیہم السلام اور ائمہ کرام رحمہم اللہ نے بھی اسے اختیار کیا ہے۔ ❶

د: جدل و مباحثہ قرآن کریم کے تناظر میں:۔۔۔۔قرآن مجید نے خوبصورت انداز میں جدل و مباحثے کی تمام صورتوں کو بیان کیا ہے جس میں باہمی گفتگو اور مناظرہ بھی

❶ الابانة الكبرىٰ؛ ابن بطة: ج۳ ص۵۲۹، جامع بيان العلم؛ ابن عبد البر: ۴۳۲، ۴۳۶۔

آجاتا ہے۔ گزشتہ میں بیان کردہ شرائط کے ساتھ فریقِ مخالف کو اس کی دعوت بھی دی ہے۔

اس عنوان کے چار پہلو ہیں:

(۱) جدل ومباحثے کی دعوت:.....ارشادِ ربّ العزت ہے:

﴿قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ﴾ [آل عمران: ٦٤]

"کہہ دو! اے اہلِ کتاب! اس چیز کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں مشترک ہے۔ یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور نہ اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک ٹھہرائیں اور نہ ہم میں سے کوئی ایک دوسرے کو اللہ کے سوا ربّ مانے۔ اگر وہ اس چیز سے اعراض کریں تو کہہ دو کہ گواہ رہو کہ ہم تو مسلم ہیں۔"

اور فرمایا:

﴿وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ؕ﴾ [النحل: ١٢٥]

"اور ان کے ساتھ اس طریقے سے بحث کرو جو پسندیدہ ہے۔"

ان آیات میں باہمی گفت وشنید اور افہام وتفہیم کی واضح طور پر دعوت دی گئی ہے۔

(۲) قرآنِ مجید میں مباحثے کے مختلف انداز:.....قرآنِ کریم نے باہمی گفت وشنید کے انداز میں مباحثہ کیا ہے بہت سے مقامات پر اس کے واضح اشارات موجود ہیں۔ مثلاً:

ارشاد ہوتا ہے:

﴿قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا ؕ قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ﴾ [یونس: ٥٩]

"ان سے کہو بتاؤ اللہ نے تمہارے لئے جو رزق اتارا ہے تم نے اس میں سے کچھ کو حرام ٹھہرایا اور کچھ کو حلال۔ پوچھو: کیا اللہ نے تمہیں اس کا حکم دیا یا تم اللہ

پر جھوٹ لگا رہے ہو۔"

اور فرمایا:

﴿قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُهٗ بَيَاتًا اَوْ نَهَارًا مَّاذَا يَسْتَعْجِلُ مِنْهُ الْمُجْرِمُوْنَ﴾ [یونس : ۵۰]

"ان سے کہو کہ بتاؤ کہ اگر اللہ کا عذاب تم پر رات میں آدھمکے یا دن میں، تو کیا چیز ہے جس کے بل پر مجرمین جلدی مچائے ہوئے ہیں۔"

یوں بھی ارشاد فرمایا ہے:

﴿قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ ۭ اِيْتُوْنِيْ بِكِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ هٰذَآ اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ [الاحقاف : ٤]

"ان سے کہو کہ کبھی تم نے غور بھی کیا ان چیزوں پر جنہیں اللہ کے سوا تم پوجتے ہو؟ مجھے دکھاؤ کہ زمین کی چیزوں میں سے انہوں نے کونسی چیز پیدا کی ہے یا ان کا آسمانوں میں کوئی حصہ ہے؟ میرے سامنے اس سے پہلے کی کوئی کتاب پیش کرو یا کوئی ایسی روایت جس کی بنیاد علم پر ہو اگر تم (اپنے دعوے میں) سچے ہو۔"

(۳) قرآنِ مجید اور مناظرہ:...... قرآنِ مجید میں مناظرے کی بھی مختلف صورتیں کئی مقامات پر واضح طور سے بیان ہوئی ہیں بلکہ اس میں مدِ مقابل کا دائرہ تنگ کرکے، اس کا منہ بند کرنے اور جواب سے عاجز آجانے تک پہنچایا گیا ہے اور رہتی دنیا تک کوئی شخص اسلام لائے بغیر اس کا جواب نہیں دے سکے گا۔

جیسا کہ ارشاد فرمایا:

﴿اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ﴾ [الطور : ۳۵]

"کیا یہ بغیر کسی خالق ہی کے پیدا ہو گئے ہیں یا یہ خود ہی خالق ہیں۔"

یہ بھی فرمایا:

﴿ءَ اَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗۤ اَمْ نَحْنُ الْخٰلِقُوْنَ﴾ [الواقعہ: ۵۹]

''اس کی تخلیق تم کرتے ہو یا تخلیق کرنے والے ہم ہیں؟۔''

نیز فرمایا:

﴿يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ فَانْفُذُوْا ؕ لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ﴾ [الرحمن: ۳۳]

''اے جنوں اور انسانوں کے گروہ! اگر تم آسمانوں اور زمین کے اطراف سے نکل سکتے ہو تو نکل جاؤ تم پروانہ راہداری کے بغیر نہیں نکل سکو گے۔''

جواب دینے کی دعوت دینا اور چیلنج کرنا مناظرے ہی کی ایک صورت ہے اسے قرآن مجید نے بارہا اختیار کیا ہے۔

انبیاء کرام علیہم السلام کے ہاں جدل ومباحثہ:...... انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کے پیروکاروں نے جدل ومباحثے کے مختلف طریقے اپنائے۔ جس میں باہمی گفت وشنید بھی ہوئی اور مناظرہ بھی ہوا۔

اللہ تعالیٰ نے ایک خوبصورت انداز کی باہمی گفت وشنید کا تذکرہ کیا ہے جو انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کی قوموں میں وجود پذیر ہوئی:

باری تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّ عَادٍ وَّ ثَمُوْدَ ۬ؕ وَ الَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ؕ لَا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا اللّٰهُ ؕ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَرَدُّوْۤا اَيْدِيَهُمْ فِيْۤ اَفْوَاهِهِمْ وَ قَالُوْۤا اِنَّا كَفَرْنَا بِمَاۤ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ وَ اِنَّا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَنَاۤ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ۝ قَالَتْ رُسُلُهُمْ اَفِي اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ يَدْعُوْكُمْ لِيَغْفِرَ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَ يُؤَخِّرَكُمْ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ قَالُوْۤا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ؕ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَصُدُّوْنَا عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا فَاْتُوْنَا بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ۝ قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى

مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَ مَا كَانَ لَنَاۤ اَنْ نَّاْتِيَكُمْ بِسُلْطٰنٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ وَ مَا لَنَاۤ اَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ وَ قَدْ هَدٰىنَا سُبُلَنَا ؕ وَ لَنَصْبِرَنَّ عَلٰى مَاۤ اٰذَيْتُمُوْنَا ؕ وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ۝ وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ اَرْضِنَاۤ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ؕ فَاَوْحٰۤى اِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِيْنَ ۝ ﴾ [ابراھیم: ۹۔ ۱۳]

''کیا تمہیں ان لوگوں کی خبر نہیں پہنچی جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں، قوم نوح، عاد اور ثمود اور ان کی جو ان کے بعد ہوئے ہیں؟ اللہ کے سوا جنہیں کوئی نہیں جانتا۔ ان کے رسول ان کے پاس کھلی نشانیاں لے کر آئے تو انہوں نے ان کے منہ پر اپنے ہاتھ رکھ دیے اور بولے کہ جس پیغام کے ساتھ تم بھیجے گئے ہو ہم اس کا انکار کرتے ہیں اور جس چیز کی تم ہمیں دعوت دے رہے ہو ہم اس کے بارے میں سخت الجھن میں ڈال دینے والے شک میں ہیں۔ ان کے رسولوں نے کہا: کیا تمہیں آسمانوں اور زمین کے وجود میں لانے والے اللہ کے بارے میں شک ہے؟ وہ تمہیں بلاتا ہے تاکہ تمہارے گناہوں کو بخشے اور تمہیں ایک وقت معیّن تک مہلت دے۔ وہ بولے کہ تم تو ہمارے ہی جیسے آدمی ہو۔ تم چاہتے ہو کہ ہمیں ان چیزوں کی عبادت سے روک دو جنہیں ہمارے باپ دادا پوجتے آئے ہمارے پاس کوئی کھلا معجزہ لاؤ! ان کے رسولوں نے جواب دیا کہ ہم ہیں تو تمہارے جیسے آدمی لیکن اللہ اپنے بندوں میں سے جن پر چاہتا ہے اپنا فضل فرماتا ہے۔ اور یہ ہمارے اختیار میں نہیں کہ ہم تمہارے پاس اللہ کے حکم کے بغیر معجزہ لائیں اور ایمان لانے والوں کو اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہیے۔ اور ہم کیوں نہ اللہ پر بھروسہ رکھیں جبکہ اس نے ہمیں ہمارے راستوں کی ہدایت بخشی اور تم ہمیں جو ایذاء بھی پہنچاؤ گے ہم اس پر صبر کریں گے۔ اور بھروسا کرنے والوں کو اللہ ہی پر بھروسا کرنا چاہیے۔ کافروں نے اپنے رسولوں سے کہا کہ یا تو ہم تمہیں

اپنی سرزمین سے نکال کر رہیں گے یا تمہیں ہمارے دین میں پھر واپس آنا پڑے گا۔ ان کے رب نے ان پر وحی بھیجی کہ ہم ان ظالموں ہی کو ہلاک کر دیں گے۔"

سورۂ یٰسین میں اللہ رب العزت نے انبیاء اور ان کی اقوام میں ہونے والے ایک دوسرے مباحثے کا ذکر ان الفاظ میں فرمایا ہے:

﴿فَقَالُوْٓا اِنَّآ اِلَيْكُمْ مُّرْسَلُوْنَ۝ قَالُوْا مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۙ وَمَآ اَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ مِنْ شَيْءٍ ۙ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَكْذِبُوْنَ۝ قَالُوْا رَبُّنَا يَعْلَمُ اِنَّآ اِلَيْكُمْ لَمُرْسَلُوْنَ۝ وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ۝ قَالُوْٓا اِنَّا تَطَيَّرْنَا بِكُمْ ۚ لَىِٕنْ لَّمْ تَنْتَهُوْا لَنَرْجُمَنَّكُمْ وَلَيَمَسَّنَّكُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ۝ قَالُوْا طَاۗىِٕرُكُمْ مَّعَكُمْ ۭ اَىِٕنْ ذُكِّرْتُمْ ۭ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ۝﴾ [یٰس: ۱۴۔۱۹]

"تو انہوں نے کہا: ہم تمہاری طرف پیغمبر ہو کر آئے ہیں۔ وہ بولے کہ تم تو ہماری طرح کے آدمی (ہو) اور اللہ نے کوئی چیز بھی نازل نہیں کی، تم محض جھوٹ بولتے ہو۔ انہوں نے کہا: ہمارا پروردگار جانتا ہے کہ ہم تمہاری طرف (پیغام دے کر) بھیجے گئے ہیں اور ہمارے ذمے تو بس صاف صاف پہنچا دینا ہے اور بس، انہوں نے کہا: ہمیں تمہاری نحوست نے آ لیا ہے اگر تم باز نہ آئے تو ہم تمہیں پتھر مار مار کر ختم کر دیں گے اور تمہیں دردناک عذاب دیں گے۔ انہوں نے کہا کہ تمہاری نحوست تمہارے ساتھ ہے کیا یہ اس لئے ہے کہ تمہیں نصیحت کی گئی ہے بلکہ تم حد سے تجاوز کرنے والے ہو۔"

ایک خوبصورت بحث و مباحثہ جو ایک مسلمان اور ایک کافر کے درمیان کچھ دنیا میں ہوا اور کچھ آخرت میں ہوگا اسے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔

رب العزت کا فرمان ہے:

﴿قَالَ قَاۗىِٕلٌ مِّنْهُمْ اِنِّىْ كَانَ لِيْ قَرِيْنٌ۝ يَّقُوْلُ اَىِٕنَّكَ لَمِنَ الْمُصَدِّقِيْنَ۝ ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَدِيْنُوْنَ۝ قَالَ هَلْ اَنْتُمْ مُّطَّلِعُوْنَ۝

فَاطَّلَعَ فَرَاٰهُ فِیْ سَوَآءِ الْجَحِیْمِ ﴿۵۵﴾ قَالَ تَاللّٰهِ اِنْ كِدْتَّ لَتُرْدِیْنِ ﴿۵۶﴾ وَ لَوْ لَا نِعْمَةُ رَبِّیْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُحْضَرِیْنَ ﴿۵۷﴾ اَفَمَا نَحْنُ بِمَیِّتِیْنَ ﴿۵۸﴾ اِلَّا مَوْتَتَنَا الْاُوْلٰى وَ مَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِیْنَ ﴿۵۹﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ﴿۶۰﴾﴾ [الصافات: ۵۱۔ ۶۰]

''ان میں سے ایک کہنے والا کہے گا کہ میرا ایک ساتھی تھا۔ جو کہا کرتا تھا کہ کیا تم بھی قیامت کی تصدیق کرنے والوں میں ہو؟ کیا ہم جب مر جائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں بن جائیں گے تو ہم بدلہ پانے والے ہوں گے؟ کہے گا! ذرا جھانک کے دیکھو تو سہی! تو وہ جھانکے گا اور اس کو جہنم کے بالکل بیچ میں دیکھے گا۔ کہے گا: اللہ کی قسم! تم تو مجھے تباہ ہی کر دینے والے تھے۔ اگر میرے ربّ کا فضل نہ ہوتا تو میں بھی آج پکڑا ہوا ہوتا۔ ہے نا یہ حقیقت کہ اب ہم پہلی موت کے بعد کبھی مرنے والے نہیں اور نہ ہم پر عذاب ہوگا؟ بے شک بڑی کامیابی یہی ہے۔''

جی چاہے تو آپ سورۂ کہف میں بیان کردہ ایک مسلمان اور کافر کے باہمی مکالمہ کو پڑھ لیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿فَقَالَ لِصَاحِبِهٖ وَ هُوَ یُحَاوِرُهٗۤ اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَّ اَعَزُّ نَفَرًا ﴿۳۴﴾ وَ دَخَلَ جَنَّتَهٗ وَ هُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ قَالَ مَاۤ اَظُنُّ اَنْ تَبِیْدَ هٰذِهٖۤ اَبَدًا ﴿۳۵﴾ وَّ مَاۤ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآىِٕمَةً ۙ وَّ لَىِٕنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّیْ لَاَجِدَنَّ خَیْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا ﴿۳۶﴾ قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ وَ هُوَ یُحَاوِرُهٗۤ اَكَفَرْتَ بِالَّذِیْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ سَوّٰىكَ رَجُلًا ﴿۳۷﴾ لٰكِنَّا۠ هُوَ اللّٰهُ رَبِّیْ وَ لَاۤ اُشْرِكُ بِرَبِّیْۤ اَحَدًا ﴿۳۸﴾ وَ لَوْ لَاۤ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَآءَ اللّٰهُ ۙ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ۚ اِنْ تَرَنِ اَنَا اَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَّ وَلَدًا ﴿۳۹﴾ فَعَسٰى رَبِّیْۤ اَنْ یُّؤْتِیَنِ خَیْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ وَ یُرْسِلَ عَلَیْهَا حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَآءِ فَتُصْبِحَ صَعِیْدًا زَلَقًا ﴿۴۰﴾ اَوْ یُصْبِحَ مَآؤُهَا غَوْرًا فَلَنْ تَسْتَطِیْعَ لَهٗ طَلَبًا ﴿۴۱﴾ وَ اُحِیْطَ بِثَمَرِهٖ فَاَصْبَحَ یُقَلِّبُ كَفَّیْهِ عَلٰى مَاۤ اَنْفَقَ فِیْهَا وَ هِیَ خَاوِیَةٌ عَلٰى

عُرُوشِهَا وَيَقُولُ يَٰلَيْتَنِي لَمْ أُشْرِكْ بِرَبِّي أَحَدًا ﴾

[الکہف: ۳۴۔ ۴۲]

''اس نے اپنے ساتھی سے بحث کرتے ہوئے کہا! میں تم سے مال میں بھی زیادہ اور تعداد کے اعتبار سے بھی زیادہ طاقتور ہوں! اور وہ اپنے باغ میں اس حال میں داخل ہوا کہ وہ اپنے اوپر ظلم کر رہا تھا۔ اس نے کہا کہ میں یہ گمان نہیں کرتا کہ یہ کبھی برباد ہو جائے گا۔ اور میں قیامت کے آنے کا بھی گمان نہیں رکھتا اور اگر میں اپنے رب کی طرف لوٹایا ہی گیا تو اس سے بھی بہتر مرجع پاؤں گا۔ اس کے ساتھی نے بحث کرتے ہوئے کہا: کیا تم نے اس ذات کا انکار کیا جس نے تمہیں مٹی سے بنایا پھر پانی کی ایک بوند سے، پھر تم کو ایک مرد بنا کر کھڑا کیا لیکن میرا ربّ تو وہی اللہ ہے اور میں اپنے ربّ کا کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا۔ اور جب تم اپنے باغ میں داخل ہوئے تو تم نے یوں کیوں نہ کہا کہ یہ جو کچھ ہے سب اللہ کا فضل ہے۔ اللہ کے بغیر کسی کو کوئی قوت حاصل نہیں۔ اگر تم مال و اولاد کے اعتبار سے مجھے اپنے سے کم دیکھتے ہو تو امید ہے کہ میرا رب تمہارے باغ سے بہتر باغ مجھے دے اور تمہارے باغ پر آسمان سے کوئی ایسی گردش بھیجے کہ وہ چٹیل میدان ہو کر رہ جائے۔ یا اس کا پانی نیچے اتر جائے اور تم اس کو کسی طرح نہ پاسکو اور اس کے پھلوں پر آفت آئی تو جو کچھ اس نے اس پر خرچ کیا تھا اس پر ہاتھ ملتا رہ گیا اور وہ باغ اپنی ٹٹیوں پر گر پڑا تھا اور وہ کہہ رہا تھا کہ اے کاش! میں کسی کو اپنے ربّ کا شریک نہ بناتا۔''

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں ایک سے زائد مقامات پر ابراہیم علیہ السلام کا اپنے والد کے ساتھ مکالمہ ذکر کیا ہے جسے یہاں بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کی قوموں کے درمیان ہونے والے جن خوبصورت مناظروں کا تذکرہ قرآنِ حکیم نے کیا ہے ان میں ایک مناظرہ وہ ہے جو ابراہیم علیہ السلام اور ان کے مدِّ مقابل

سے ہوا۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِیْ رَبِّهٖۤ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ۘ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُ ۙ قَالَ اَنَا اُحْیٖ وَ اُمِیْتُ ؕ قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ یَاْتِیْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِیْ كَفَرَ ؕ وَ اللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ۚ﴾ [البقرة: ۲۵۸]

"کیا تم نے اسے نہیں دیکھا جس نے ابراہیم علیہ السلام سے اس کے رب کے باب میں اس وجہ سے حجت کی کہ اللہ نے اس کو اقتدار بخشا تھا۔ جب کہ ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ میرا رب تو وہ ہے جو زندگی بخشتا اور موت دیتا ہے۔ وہ بولا کہ میں بھی زندہ کرتا اور مارتا ہوں۔ ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ یہ بات ہے تو اللہ سورج کو مشرق سے نکالتا ہے، تو اسے مغرب سے نکال دے! تو وہ کافر یہ سن کر ہکا بکا رہ گیا اور اللہ ظالموں کو راہ یاب نہیں کرتا۔"

د: جدل و مناظرہ کی مختلف صورتوں کی دعوتی ترتیب:...... ایک لائق تنبیہ بات یہ ہے کہ زیادہ تر یہ ہوتا ہے کہ بحث و مباحثہ کی صورتوں کا آپس میں اختلاط ہو جاتا ہے۔ وہ مکالمہ کی شکل اختیار کرتا ہے پھر مناظرے میں تبدیل ہو جاتا ہے تاہم داعی کو دعوت کا آغاز مکالمہ سے کرنا چاہیے۔ جب وہ مد مقابل کی ہدایت سے ناامید ہو جائے اور اس کی ضد اور عناد کھل کر سامنے آ جائے تو وہ اس کی دلیل کو توڑنے، باطل کے اظہار اور اس کے غرور کو ختم کرنے کے لئے مناظرے کو مجبوراً اختیار کر لے۔

ہمارے سامنے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے مکالمے اور مناظرے کی ایک خوبصورت مثال ہے۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے حق کو واضح کرنا شروع کیا اور دلائل ذکر کیے تو فرعون نے بارہا انہیں موضوع گفتگو سے ہٹانے اور ذاتی مسائل میں اُلجھانے کی کوشش کی۔ لیکن موسیٰ علیہ السلام اس سے آگاہ تھے۔ جب فرعون موضوع گفتگو سے نکلنے اور جان چھڑانے کی کوشش کرتا تو وہ انہیں

موضوع کے پہلے نقطے کی طرف واپس لے آتے۔

آیئے! اس خوبصورت مکالمے کو سنتے ہیں جو بعد میں مناظرے اور پھر چیلنج کی شکل اختیار کر گیا۔

ارشادِ ربانی ہے:

﴿ قَالَ اَلَمْ نُرَبِّكَ فِيْنَا وَلِيْدًا وَّ لَبِثْتَ فِيْنَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِيْنَ ۝ وَ فَعَلْتَ فَعْلَتَكَ الَّتِيْ فَعَلْتَ وَ اَنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ ﴾ (الشعراء : ۱۸، ۱۹)

''اس نے کہا: کیا ہم نے تمہیں بچپن میں اپنے اندر پالا نہیں؟ اور تم نے اپنی عمر کے کئی سال ہمارے اندر بسر کیے۔ اور تم نے اپنی وہ حرکت کی جو کی اور تم ناشکروں میں سے ہو۔''

اس کے ذریعے اس نے موسیٰ علیہ السلام کے ماضی کو اچھال کر موضوعِ بحث سے نکلنے کی کوشش کی ہے۔

﴿ قَالَ فَعَلْتُهَاۤ اِذًا وَّ اَنَا مِنَ الضَّآلِّيْنَ ۝ فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ فَوَهَبَ لِيْ رَبِّيْ حُكْمًا وَّ جَعَلَنِيْ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ وَ تِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَيَّ اَنْ عَبَّدْتَّ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ ۝ ﴾ (الشعراء : ۲۰ تا ۲۲)

'' (موسیٰ علیہ السلام نے) جواب دیا کہ میں نے یہ اس وقت کیا جب میں خطاداروں میں سے تھا۔ اور جب مجھے تم لوگوں سے اندیشہ ہوا تو میں تم سے بھاگا، پھر میرے ربّ نے مجھے قوتِ فیصلہ عطا فرمائی اور مجھے رسولوں میں سے بنایا اور یہ احسان جو تم مجھے جتا رہے ہو جس کے عوض تم نے بنی اسرائیل کو غلام بنائے رکھا۔''

اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حق کا اقرار کیا ہے اور ایک شبہے کا ازالہ کیا ہے۔

﴿ قَالَ فِرْعَوْنُ وَ مَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ ﴾ (الشعراء : ۲۳)

فرعون نے پوچھا: اور یہ ربّ العالمین کیا چیز ہے؟

یہ محض استہزاء اور انکار ہے۔

﴿ قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا بَیْنَهُمَا ؕ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِیْنَ ۝ قَالَ لِمَنْ حَوْلَهٗۤ اَلَا تَسْتَمِعُوْنَ ۝ ﴾ (الشعراء: ۲۴، ۲۵)

"اس نے جواب دیا کہ آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، سب کا رب، اگر تم یقین کرنے والے بنو! اس نے اپنے اردگرد والوں سے کہا! سنتے نہیں ہو؟"

یہ کہہ کر اس نے تحقیر کی کوشش کی ہے اور حق سے انحراف کیا ہے۔

﴿ قَالَ رَبُّكُمْ وَ رَبُّ اٰبَآىِٕكُمُ الْاَوَّلِیْنَ ۝ ﴾ (الشعراء: ۲۶)

"(فرعون) نے کہا: تمہارا بھی رب اور تمہارے اگلے آباء و اجداد کا بھی رب۔"

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ کہہ کر اپنے بات میں تسلسل قائم رکھا:

﴿ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِیْۤ اُرْسِلَ اِلَیْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ ۝ ﴾ (الشعراء: ۲۷)

"(فرعون) نے کہا: تمہارا یہ رسول، جو تمہاری طرف بھیجا گیا ہے، بالکل خبطی ہے۔"

اس الزام تراشی کے ذریعے نقطۂ بحث سے نکلنے کی کوشش ہے۔

﴿ قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ وَ مَا بَیْنَهُمَا ؕ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ ﴾

(الشعراء: ۲۸)

"(موسیٰ علیہ السلام) نے کہا: مشرق و مغرب اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کا رب، اگر تم عقل رکھتے ہو۔"

حق کو تسلسل سے بیان کیا جا رہا ہے۔ ذات اور شخصیت پر لگائے گئے الزامات کے دفاع کی طرف کوئی توجہ نہیں دی جا رہی۔

﴿ قَالَ لَىِٕنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَیْرِیْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِیْنَ ۝ ﴾

(الشعراء: ۲۹)

"اس نے کہا اگر تم نے میرے سوا کسی اور کو معبود بنایا تو میں تمہیں قید کر کے رہوں گا۔"

اس میں حکمران کی دھمکی ہے۔

﴿قَالَ اَوَ لَوْ جِئْتُكَ بِشَيْءٍ مُّبِيْنٍ﴾ (الشعراء: ٣٠)

"(موسیٰ علیہ السلام) نے کہا: کیا اس صورت میں بھی کہ جب میں تمہارے پاس کوئی واضح نشانی لے کر آیا ہوں؟"

یہ دلائل کے ذریعے جواب ہے۔

﴿قَالَ فَاْتِ بِهٖۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ﴾ (الشعراء: ٣١)

"اس نے کہا: وہ پیش کرو اگر تم سچے ہو۔"

یہ چیلنج کا سامنا ہے۔

﴿فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ۚ وَّ نَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِيَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ﴾ (الشعراء: ٣٢، ٣٣)

"تو اس نے اپنا عصا ڈال دیا اور وہ دفعۃً ایک صریح اژدھا بن گیا۔ اور اس نے اپنا ہاتھ کھینچا تو وہ یکا یک دیکھنے والوں کو سفید نظر آیا۔"

یہ مدِّ مقابل کو اس کے موقف سے ہٹانے والی دلیل ہے۔

﴿قَالَ لِلْمَلَاِ حَوْلَهٗۤ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ۙ يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهٖ ۖ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ﴾ (الشعراء: ٣٤، ٣٥)

"(فرعون نے) اپنے اردگرد کے درباریوں سے کہا: بے شک یہ بڑا ہی ماہر جادوگر ہے یہ چاہتا ہے کہ اپنے جادو کے زور سے تمھیں تمہارے ملک سے نکال دے۔ تو تم لوگ کیا مشورہ دیتے ہو؟"

اس میں مکر وفریب کا پہلو اور سامعین کو بھڑکانے کی کوشش ہے:

﴿قَالُوْۤا اَرْجِهْ وَ اَخَاهُ وَ ابْعَثْ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ۙ يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سَحَّارٍ عَلِيْمٍ ۝ فَجُمِعَ السَّحَرَةُ لِمِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ۙ وَّ قِيْلَ لِلنَّاسِ هَلْ اَنْتُمْ مُّجْتَمِعُوْنَ ۙ لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ اِنْ كَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ۝ فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ

قَالُوا لِفِرْعَوْنَ أَئِنَّ لَنَا لَأَجْرًا إِن كُنَّا نَحْنُ الْغَالِبِينَ ۝ قَالَ نَعَمْ وَإِنَّكُمْ إِذًا لَّمِنَ الْمُقَرَّبِينَ ۝ قَالَ لَهُم مُّوسَىٰ أَلْقُوا مَا أَنتُم مُّلْقُونَ ۝ ﴾

(الشعراء: ۳۶ تا ۴۳)

''انہوں نے کہا کہ اسے اور اس کے بھائی کو ابھی مہلت دیجئے اور شہروں میں ہرکارے بھیجئے۔ جو آپ کے پاس تمام ماہر جادوگروں کو لائیں، پھر جادوگر ایک معین دن کے مقررہ وقت کے لئے جمع کیے گئے۔ اور لوگوں میں منادی کردی گئی کہ لوگو! جمع ہو جاؤ۔ تاکہ ہم جادوگروں کا ساتھ دیں، اگر وہ غالب رہنے والے ثابت ہوں، پھر جب جادوگر جمع ہوئے تو انہوں نے فرعون سے کہا: کیا ہمارے لئے کوئی صلہ بھی ہے اگر ہم ہی غالب رہنے والے ہوئے؟ اس نے کہا: ہاں اور اس پر تم مقربین میں سے بھی ہو گے۔ موسیٰ علیہ السلام نے ان سے کہا: پیش کرو جو تم پیش کرنے والے ہو۔''

اس میں چیلنج اور اطمینان کا پہلو ہے۔

﴿فَأَلْقَوْا حِبَالَهُمْ وَعِصِيَّهُمْ وَقَالُوا بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ إِنَّا لَنَحْنُ الْغَالِبُونَ ۝ فَأَلْقَىٰ مُوسَىٰ عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَأْفِكُونَ ۝﴾ (الشعراء: ۴۴، ۴۵)

''تو انہوں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں ڈال دیں اور کہنے لگے کہ فرعون کے اقبال کی قسم! ہم ہی غالب آنے والے ہوں گے۔ پھر موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا ڈالا تو یکایک وہ نگلنے لگا اس سوانگ کو جو وہ رچا تے تھے۔''

اس میں حق کا غلبہ اور باطل کی شکست بیان ہو رہی ہے۔

﴿فَأُلْقِيَ السَّحَرَةُ سَاجِدِينَ ۝ قَالُوا آمَنَّا بِرَبِّ الْعَالَمِينَ ۝﴾

(الشعراء: ۴۶، ۴۷)

''تو ساحر بے تحاشا سجدے میں گر پڑے۔ بولے کہ ہم ایمان لائے اللہ رب العالمین پر۔'' اس میں حق کا اعتراف اور اس کے سامنے تسلیم ورضا کا پہلو ہے۔

اس سورت میں اور دیگر سورتوں میں بیان کردہ یہ خوبصورت مکالمہ جو آخر میں مناظرے، گراں قدر فوائد اور بڑے بڑے نکات میں تبدیل ہو گئے اگرچہ انہیں یہاں بیان کرنا ہمارا موضوع نہیں ہے۔ تاہم ان کی اہمیت اور ان کے فوائد کے پیش نظر انہیں بالاختصار ذکر کیا جارہا ہے۔

✿..... گفتگو کا آغاز موسیٰ علیہ السلام نے کیا فرمایا: ''میں اور میرا بھائی اس کائنات کے مالک کے پیغمبر ہیں

✿..... موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے پیدا کردہ شکوک وشبہات سے کوئی تعرض نہیں کیا کیونکہ یہ اس کا موقع ومحل نہیں تھا فرعون نے دونوں پر ایک بے محل اعتراض کرتے ہوئے کہا:

﴿قَالَ أَلَمْ نُرَبِّكَ فِينَا وَلِيدًا وَلَبِثْتَ فِينَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِينَ﴾

''کیا ہم نے تمہیں بچپن میں اپنے اندر پالا نہیں؟ اور تم نے اپنی عمر کے کئی سال ہمارے اندر بسر کئے۔''

اس کا مقصد یہ تھا کہ انہیں موضوع بحث سے ہٹا دے۔ موضوع بحث یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کو کائنات کا رب ثابت کیا جائے۔ اس کے بعد اس نے ایک آدمی کو قتل کرنے کا اعتراض اٹھاتے ہوئے کہا:

﴿وَفَعَلْتَ فَعْلَتَكَ الَّتِي فَعَلْتَ وَأَنتَ مِنَ الْكَافِرِينَ﴾

''اور تم نے اپنی وہ حرکت کی جو کی اور تم ناشکروں میں سے ہو۔''

موسیٰ علیہ السلام اس کی سازش سمجھ گئے۔ ضیاع وقت سے بچنے کے لئے انہوں نے فوراً اعتراف جرم کیا۔ اس موقعہ پر وقت زیادہ قیمتی تھا ایک لمحے کا ضیاع بھی نامناسب تھا لہٰذا انہوں نے فوراً جواب دیا:

﴿قَالَ فَعَلْتُهَا إِذًا وَأَنَا مِنَ الضَّالِّينَ﴾

''اور میں نے یہ کام اس وقت کیا تھا جب میں گم گشتہ راہ تھا''

یہ انداز اختیار کر کے انہوں نے فرعون کو موضوع سے نکلنے سے روک لیا مبادا یہ ذاتی

معاملات بحث ومباحثہ میں حائل ہوجائیں۔ اس کے بعد فرعون کی تربیت کے احسان جتلانے کے اعتراض کا مختصر جواب ان الفاظ میں دیا:

﴿وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَيَّ أَنْ عَبَّدتَّ بَنِي إِسْرَائِيلَ﴾

''اور یہ احسان جو تم مجھے جتا رہے ہو جس کے عوض تم نے بنی اسرائیل کو غلام بنائے رکھا۔''

ان کا مقصد یہ تھا کہ تم یہ بتاؤ کہ آیا میری پرورش کی نیکی، بنی اسرائیل سے بدسلوکیوں اور اذیت رسانیوں کے برابر قرار دے رہے ہو، یا تم اپنے ظلم وزیادتی اور بنی اسرائیل کو غلامی کا طوق پہنانے کے گھناؤنے جرائم کو میری تربیت کے احسان میں چھپانا چاہتے ہو۔ بالفاظ دیگر وہ انہیں یہ باور کرارہے تھے کہ تمہیں میری پرورش کا احسان تو یاد ہے۔ بنی اسرائیل پر ظلم وزیادتی اور انہیں غلام بنانے کے جرم کو کیوں بھول رہے ہو؟ ❶

❀:...... موسیٰ علیہ السلام اس دوران ذاتی دفاع میں مصروف ہوکر دعوت دین جیسے اہم فریضے سے ذرا پیچھے نہیں ہٹے۔

جب فرعون انہیں ماضی یاد دلا کر موضوع سے ہٹانے میں ناکام ہوگیا تو اس نے براہ راست الزام تراشی شروع کردی اور وہ ان کا مذاق اڑانے اور انہیں پاگل کہنے لگ گیا۔ لیکن موسیٰ علیہ السلام نے ایسے الزامات کی ذرا پرواہ نہیں کی کیونکہ فرعون زیر ہوچکا تھا اب ذاتی معاملات کے دفاع کی ضرورت نہیں رہی تھی کیونکہ اصل موضوع بہت اہم تھا اور وقت زیادہ قیمتی تھا۔ اس لئے انہوں نے اپنی بات جاری رکھی اور دلائل پیش کرتے رہے۔ فرعون نے جب یہ کہہ کر ان کا مذاق اڑانا چاہا:

﴿قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعَالَمِينَ﴾

''رب العالمین کیا ہوتا ہے''

تو ان کا جواب یہ تھا:

❶ تفسیر ابن کثیر ج۳ ص ۳٤٥، تفسیر شوکانی ج٤ ص ۱۳۸۔

﴿ رَبُّكُمْ وَرَبُّ آبَائِكُمُ الْأَوَّلِينَ ﴾

"وہ تمہارا اور تمہارے سابقہ آباء واجداد کا رب ہے"

جب فرعون نے انہیں پاگل پن کا الزام دیا تو انہوں نے جواب میں کہا:

﴿ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا إِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُونَ ﴾

"اگر تم عقل سے کام لو تو وہ مشرق ومغرب اور ان کے مابین تمام تر چیزوں کا رب ہے۔"

⊛...... دھمکی کی پرواہ نہ کی: جب فرعون موسیٰ علیہ السلام کو موضوع بحث سے ہٹانے اور حاضرین کو پاگل بنانے میں ناکام ہوگیا تو وہ فوراً کلام کا رُخ بدلتے ہوئے دھمکی دینے لگا تاکہ ناکامی کا قدرے ازالہ ہوجائے اور قائل ہونے کی تردید ہوجائے وہ کہنے لگا:

﴿ لَئِنِ اتَّخَذْتَ إِلَٰهًا غَيْرِي لَأَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُونِينَ ﴾

"اگر تم نے میرے سوا کسی اور کو معبود بنایا تو میں تمہیں قید کر کے رہوں گا۔"

لیکن موسیٰ علیہ السلام نے دھمکی کی ذرا پرواہ نہ کی انہوں نے اپنے مد مقابل اور سامعین کو اس بات کی طرف متوجہ کیا کہ اصل مسئلہ تو یہ ہے کہ موضوع بحث کے دلائل جاری رکھے جائیں۔ قید وبند اور ظلم وزیادتی بنیادی مسئلہ نہیں ہے لہٰذا انہوں نے دلیل کا اسلحہ اور اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کے تیر چلائے اور اسے حقیقی دلائل سامنے لانے پر مجبور کر دیا۔ وہ فرمانے لگے:

﴿ قَالَ أَوَلَوْ جِئْتُكَ بِشَيْءٍ مُبِينٍ ﴾

"کیا میں تمہارے پاس ایک واضح چیز لے کر نہیں آیا ہوں۔"

ان تمام مشکل مراحل میں موسیٰ علیہ السلام اپنا مدعا رکے بغیر مسلسل بیان کرتے رہے۔ اپنے موضوع گفتگو سے باہر نہیں گئے۔ انتہائی خوبصورت انداز میں اپنا مقصود بلا خوف تردید مدلل طور پر پیش کرتے رہے۔

کیا اس کے بعد بھی یہ کہنے کی کوئی گنجائش باقی رہ جاتی ہے کہ اسلام اور انبیاء کرام علیہم السلام کی دعوت جبر واکراہ پر استوار ہے۔

ز: حدیثِ رسول میں مناظرہ کی مثالیں:...... اس سلسلہ میں حدیثِ رسول قرآن مجید سے پیچھے نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں آدم اور موسیٰ ﷺ کے درمیان ہونے والے ایک مناظرے سے آگاہ فرمایا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''آدم اور موسیٰ ﷺ کی آپس میں بحث ہوگئی۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا: آدم! تم ہمارے والد ہو، تم نے ہمیں ناکام کیا اور جنت سے نکال دیا۔ آدم نے کہا موسیٰ! تمہیں اپنے ساتھ ہم کلام ہونے کا اللہ نے شرف بخشا اور اپنے ہاتھ سے لکھ کر تورات عطا کی۔ تم مجھے ایسی چیز کا طعنہ دے رہے ہو جسے اللہ تعالیٰ نے مجھے پیدا کرنے سے چالیس سال پہلے میرے مقدر میں لکھ دیا تھا۔ اس طرح آدم موسیٰ سے جیت گئے۔''❶

اس کی ایک اور مثال آنحضرت ﷺ کی ثمامہ بن اثال رضی اللہ عنہ سے ہونے والی گفتگو ہے۔ جب اسے پکڑ کر لایا گیا اس وقت وہ کافر تھا آپ ﷺ کی گفتگو سن کر وہ مسلمان ہوگیا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے نجد کی طرف شاہسواروں کا ایک دستہ روانہ کیا وہ بنو حنیفہ قبیلے کے ایک شخص کو پکڑ کر لے آئے۔ اس کا نام ثمامہ بن اثال رضی اللہ عنہ تھا۔ انہوں نے اسے مسجد کے ایک ستون کے ساتھ باندھ دیا۔ جب آپ ﷺ گھر سے نکل کر اس کے پاس گئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''ثمامہ تمہارا کیا ارادہ ہے؟ ثمامہ نے کہا: اے محمد ﷺ! میرا اچھا خیال ہے اگر تم مجھے قتل کرو گے تو انتقام والے کا خون بہاؤ گے اور اگر احسان کرو گے تو تمہارا احسان ایک قدردان پر ہوگا اور اگر تم مال و دولت چاہتے ہو تو جتنا چاہو مانگ لو۔ اسے اگلے دن تک اسی حالت میں چھوڑ دیا گیا۔ اس کے بعد پھر آنحضرت ﷺ نے اس کے پاس آ کر کہا: ثمامہ تمہارا کیا حال ہے؟'' اس نے کہا: بات وہی ہے جو میں کہہ چکا ہوں۔ اگر تم احسان کرو گے تو میں بھی قدردان ہوں۔ آپ نے پھر اسے اسی طرح چھوڑ دیا۔ دوبارہ پھر کہا: ثمامہ تمہارا کیا ارادہ ہے؟ اس نے کہا: میرا وہی ارادہ ہے جو میں کہہ چکا

❶ بخاری: ۳۴۰۹۔ مسلم: ۲۶۵۲۔ ابو داؤد: ۴۷۰۱۔

ہوں۔ آپ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا: ''ثمامہ کو چھوڑ دو۔'' وہ مسجد سے باہر نکلا قریب ہی ایک باغ میں جا کر نہایا اور دوبارہ مسجد میں آ گیا اور کہنے لگا: ''أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ۔'' ❶

ذرا ملاحظہ فرمائیے! حکمت پر مبنی اور بامقصد گفت و شنید کے کتنے عظیم الشان نتائج حاصل ہوتے ہیں۔

ج: پسندیدہ جدل و مناظرہ کی شرائط:..... جدل و مناظرہ اور بحث و مباحثہ کو مفید بنانے اور انہیں بے فائدہ گفتگو سے بچانے کے لئے، مبادا ان کے نقصانات ان کے فوائد سے زیادہ ہو جائیں، پھر یہ ناجائز قرار پائے اس کے لئے کچھ شرائط و آداب کو بجا لانا ضروری ہے۔ ان میں سے کچھ کا تعلق گفتگو کرنے والے کے ساتھ ہے اور کچھ نفسِ مناظرہ سے متعلق ہیں۔

❀:..... کافروں کے ساتھ بحث و مباحثہ سے مطلوب دین کی نصرت اور اس کا موضوع عمومی عقائد ہونا چاہیے۔ دین کی فروعات اور جزئیات نہ ہو۔ اس کا مقصد کتاب و سنت اور سلف صالحین کے منہج کی نصرت و تائید ہو۔ نو پیدا شدہ فرقوں یا مذاہب یا شخصی مسائل کی اس سے تائید مقصود نہ ہو۔

❀:..... دوسری شرط یہ ہے کہ غیر مسلم کے ساتھ کسی مجبوری کے بغیر مشتبہ امور پر مناظرہ نہ کیا جائے ورنہ یہ شبہات اُجاگر ہوں گے اور اسلام کو بدنما ظاہر کریں گے یا اسے اسلام لانے سے روک دیں گے۔ گمراہ فرقوں سے دین کے فروعی یا اجتہادی مسائل کے موضوع پر مناظرہ نہ کیا جائے ان کے لئے مناظرے کا موضوع اسلامی عقائد و ارکان ہیں۔

کافروں کے ساتھ نمازوں کی تعداد، طلاق کی تعداد، حج میں رمی جمرات کی تعداد اور عورت کے پردہ کے موضوع پر مناظرہ نہیں کیا جائے گا۔ یہ ایک واضح غلطی ہوگی کہ کسی غیر مسلم کے ساتھ مسائلِ شریعت کے بارہ میں مناظرہ کیا جائے۔

❀:..... تیسری شرط یہ ہے کہ یہ عوام الناس کے سامنے نہ ہو مبادا انہیں شبہات میں ڈال

❶ بخاری: ٤٦٢، ٢٤٢٢، مسلم: ١٧٦٤۔

دے یا حق ان کی نظروں میں کمزور دکھائی دے۔

عوام الناس پر مناظرے کے بہت سے منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ وہ حق باتوں سے متعلق کئی شکوک وشبہات سن لیتے ہیں یا پھر ایک غلط چیز کے بارہ میں شکوک وشبہات کا شکار ہو جاتے ہیں۔

عوام الناس کی نہ تو ذہنی رسائی ہوتی ہے اور نہ وہ دلیل سے آشنا ہوتے ہیں وہ صرف جذبات رکھتے اور عمدہ انداز پسند کرتے ہیں۔ ہوتا یہ ہے کہ حق بات کہنے والا کمزور ہوتا ہے۔ خوبصورت انداز میں باطل کی تردید نہیں کر سکتا یا وہ علمی لحاظ سے تو مضبوط ہوتا ہے لیکن اچھے انداز میں وضاحت نہیں کر سکتا۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سامعین کے دلوں میں شک وشبہ پیدا ہو جاتا ہے وہ حق کو کمزور سمجھنے لگ جاتے ہیں یا باطل کو غالب سمجھ بیٹھتے ہیں۔

❁:..... شروع کرنے سے پہلے مناظرے کا موضوع متعین کر لیا جائے۔

❁:..... مناظرہ شروع کرنے سے پہلے فیصلے کے معیار کی تحدید کر لی جائے۔

❁:..... مناظرے کا وقت اور اس کا دورانیہ طے کر لیا جائے۔

❁:..... سب حضرات کو خصوصاً اہلِ اسلام کو مناظرے کے دوران احسن انداز اپنانے اور غور سے سننے کی پابندی کرنی چاہیے۔

❁:..... آٹھویں شرط یہ ہے کہ دو مناظرہ کرنے والوں کے علاوہ کسی بھی شخص کو مداخلت کی اجازت نہ دی جائے۔

ط: مناظر کے لیے ہدایات:..... ❁:..... اس کی نیت میں اخلاص اور اس کا مقصد حق تک پہنچانا اور اس کی دعوت دینا ہو۔

امام شافعی ؒ فرماتے ہیں" جب بھی میں نے مناظرہ کیا میری یہ خواہش رہی کہ اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھوں حق کو غلبہ عطا فرما دے۔" ❶

امام بیہقی ؒ فرماتے ہیں" مناظرے میں حکمت ودانائی کا پہلو یہ ہے کہ مناظر اچھے

❶ طبقات الشافعية، أسنوى ج ١ ص ١٣۔

مدِ مقابل کے برعکس حق کو قبول کرنے میں گریز نہ کرے۔[ایضاً]

⊛:.....اسے اپنا موقف حق کی تردید کرنے یا غلطی سے رجوع نہ کرنے یا جھوٹ بولنے پر آمادہ نہ کرے۔ غلطی سے رجوع کرنا اور حق کو تسلیم کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی اور لوگوں کے ہاں بھی باطل پر اڑے رہنے سے بہتر ہے۔ اکثر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ غلطی سے رجوع کرنے سے ان کی قدر و منزلت میں کمی واقع ہوگی اور ان کا رُعب ختم ہو جائے گا۔ لوگوں کا ان سے اعتماد اٹھ جائے گا حالانکہ معاملہ اس کے برعکس ہے۔ جو شخص حق کو اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کا مقام و مرتبہ بلند کر دیتا ہے۔

⊛:.....اس کا مقصد مدِ مقابل سے محض انتقام لینا نہ ہو۔ اسکی پوری کوشش یہ ہو کہ مدِ مقابل کو راہنمائی مل جائے۔ اگر یہ چیز اس کے باطل نظریے کا پردہ چاک کرنے ہی کے ذریعے ہو تو ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں مبادا وہ اس سے فریب زدہ رہے۔

⊛:.....اندازِ گفتگو انتہائی شگفتہ اور نرم ہو، یہ گفتگو مناظرے کے دوران ہی کیوں نہ ہو اور وہ مناظرہ بھی بڑے سے بڑے دشمن کے ساتھ کیوں نہ ہو۔

⊛:.....مناظرہ کرنے والا دیگر علوم سے بطورِ عام اور موضوعِ مناظرہ سے متعلق بطورِ خاص معلومات رکھتا ہو۔

⊛:.....اس میں مناظرہ کرنے کی صلاحیت موجود ہو اور وہ مدِ مقابل اور سامعین کی نفسیات کا ادراک رکھتا ہو کیونکہ مناظرہ دعوتِ الی اللہ کے فنون میں سے ایک عظیم ترین فن ہے۔ علم کے علاوہ اس کی اپنی خصوصیت ہے ہر عالم مناظر نہیں ہوتا۔

مناظرے کے کئی راستے، طریقے اور درجے ہیں، اسی طرح اس میں سے نکلنے کے راستے بھی ہیں اور تنگنائیں بھی، یہ جنگی معرکے سے ملتا جلتا ہے جس میں اقدامی حملہ بھی ہوتا ہے، شعلہ زنی بھی اور پلٹ کر جھپٹنا بھی، پھر فتح و نصرت ہوتی ہے یا شکست و ریخت۔

⊛:.....ساتویں شرط یہ ہے کہ اس کا ذہن سامعین سے نہ ہٹے کیونکہ وہی اصل ہدف ہوتے ہیں۔ مناظر کا ہر لفظ، ہر اشارہ بلکہ ہر حرکت و سکون زیرِ مراقبت ہوتا ہے۔ اسے وہی

شخص بہتر طور سے سرانجام دے سکتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے یہ فن عطا کیا ہو۔ اگر کوئی شخص اس کی اہلیت نہ رکھتا ہو تو اسے اس میدان میں نہیں آنا چاہیے۔ مناظر کو اپنے دوست واحباب سے خیر خواہانہ مشورہ لینا چاہیے۔ انہیں بھی مخلصانہ مشورہ دینا چاہیے۔ اگر وہ کہیں کہ اس میدان میں نہ آؤ تو وہ ان کا مشورہ قبول کرے اور مصیبت کو دعوت نہ دے کیونکہ ایسے میں مناظرے سے گریز کرنا ناکامی سے بہتر ہے۔ ناکامی کے بہت برے اثرات ہوتے ہیں۔

⊛:..... مدِ مقابل فریق ایڑی چوٹی کا زور بھی لگائے تب بھی موضوع اور مدعا و مقصود سے باہر نہ جایا جائے اور نہ اسے ٹال مٹول میں پڑنے دیا جائے۔

⊛:..... اپنا نقطۂ نظر منوانے کی نسبت دلوں کو موہ لینا مقدم سمجھا جائے۔ اگر حق و باطل کا معرکہ ہو تو الگ بات ہے۔

⊛:..... جب اسے ایک دلیل قائل نہ کر سکے یا مخالف اسے قبول نہ کر رہا ہو تو وہ دوسری دلیل پیش کر دے۔ جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے مدِ مقابل سے کیا تھا۔ آپ نے اسے کہا کہ اللہ تعالیٰ ہی زندگی اور موت دیتا ہے۔ اس نے کہا میں بھی زندگی اور موت دے سکتا ہوں چونکہ وقت زیادہ قیمتی ہوتا ہے اس لئے ابراہیم علیہ السلام نے اسے اس کا جواب دینے کی بجائے اس پر ایسی کاری ضرب لگائی جس سے اس کا زندگی اور موت پر قادر ہونے کا دعویٰ آپ سے آپ ختم ہو گیا۔

⊛:..... ایک شرط یہ ہے کہ وہ غصے میں نہ آئے اور نہ ہی ذاتی انتقام لے۔ جس شخص کو معلوم ہو کہ غصہ اس کی فطرت ہے وہ مناظرہ نہ کرے۔ مناظرہ خواہ اللہ کی رضا کے لئے بھی ہو اس میں غصے میں آ جانے کے بہت برے اثرات ہوتے ہیں۔

⊛:..... جب مدِ مقابل لڑائی جھگڑے پر اتر آئے تو مناظرہ بند کر دیا جائے۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَلَا تُمَارِ فِيهِمْ إِلَّا مِرَآءً ظَاهِرًا﴾ [الكهف : ٢٢]

''اور تم ان کے باب میں نہ بحث کرو مگر ٹالنے کے انداز میں۔''

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

((اِقْرَؤُوا الْقُرْآنَ مَا ائْتَلَفَتْ عَلَيْهِ قُلُوبُكُمْ، فَإِذَا اخْتَلَفْتُمْ فَقُومُوا.)) ❶

"قرآن مجید اس وقت تک تلاوت کرو جب تک دل کی خواہش برقرار رہے۔ جب کیفیت بدل جائے تو اسے چھوڑ دو۔"

آپ ﷺ کا یہ بھی فرمان ہے:

((أَنَا زَعِيمٌ بِبَيْتٍ فِي رَبَضِ الْجَنَّةِ لِمَنْ تَرَكَ الْمِرَاءَ وَإِنْ كَانَ مُحِقًّا.))

"جو شخص حق پر ہوتے ہوئے بھی بحث ومباحثہ نہیں کرتا ہے میں اس کے لئے جنت کے زیریں حصے میں ایک محل کی ضمانت دیتا ہوں۔"

دو مناظرہ کرنے والوں کی یہ انتہائی خواہش ہونی چاہیے کہ کہیں ان کا مناظرہ جھگڑے کا رنگ اختیار نہ کرلے جس سے نہ کوئی علمی فائدہ ہو اور نہ کوئی فکری راہنمائی حاصل ہو بلکہ وہ دلوں کے بگاڑ، ذہنی الجھاؤ اور عداوت میں اضافے کا باعث بن جائے۔ اس پر مستزاد یہ کہ وقت کا ضیاع اور اجر وثواب سے محرومی کا بھی شکار ہوں۔

لہٰذا یا تو وہ مناظرے کے آداب اور شرائط کی پابندی کریں یا پھر اس سے ہاتھ کھینچ لیں کیونکہ بحث ومباحثہ کو جاری رکھنا جہاں اللہ تعالیٰ کے نزدیک باعث گناہ ہے وہاں اس میں اللہ کے بندوں میں فساد کا باعث بھی ہے۔

ی: خلاصہ مضمون:...... گذشتہ باتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ:

❀:...... مناظرہ کرنا شریعت سے ثابت شدہ اور یہ ایک موثر دعوتی اسلوب ہے۔

❀:...... مناظرے کے کچھ آداب اور تقاضے ہیں، جن کی پابندی ضروری ہے ورنہ اس کے فوائد کی نسبت نقصانات زیادہ ہوں گے۔

---

❶ بخاری: ۵۰۶۰، ۵۰۶۱، ۷۳۶۴، ۷۳۶۵۔ مسلم: ۲۶۶۷۔

مندرجہ ذیل صورتوں میں مناظرہ نہ کیا جائے:

- ...... جب یہ جھگڑے کی صورت اختیار کر جائے۔
- ...... جب اس کی شرائط کی پابندی نہ کی جائے۔
- ...... جب اس کی وجہ سے عوام میں شکوک وشبہات پیدا ہوں۔
- ...... جب مناظرہ کرنے والا علم وفن میں کمزور ہو۔
- ...... جب غالب گمان یہ ہو کہ فائدے کی نسبت اس کا نقصان زیادہ ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں راہِ راست پر قائم رکھے۔ آمین

(۱۳) مباہلہ:

مباہلے کا مطلب یہ ہے کہ جو دو گروہ ایک دوسرے کو جھوٹا کہتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ جو شخص جھوٹا ہو وہ اپنی آل اولاد سمیت تباہ و برباد ہو جائے۔ ❶

اسے کب اختیار کیا جانا چاہیے؟..... اسے تمام تر دعوتی انداز استعمال کر لینے کے بعد آخری حربے کے طور پر اپنایا جائے۔ جب مدِ مقابل کو دعوت وتبلیغ، باہمی گفت وشنید اور مناظرے کے باوجود انکارِ حق پر مصر دیکھا جائے تو اسے اپنایا جائے کیونکہ اللہ ربّ العزت کا ارشاد ہے:

﴿فَمَنْ حَآجَّكَ فِيهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَآءَنَا وَأَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَأَنْفُسَنَا وَأَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَل لَّعْنَتَ اللَّهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ﴾ [آل عمران: ٦١]

”جو تم سے اس بارے میں حجت کریں، بعد اس کے کہ تمہارے پاس صحیح علم آ چکا ہے تو (ان سے) کہو کہ آؤ! ہم اپنے بیٹوں کو بلائیں، تم اپنے بیٹوں کو بلاؤ، ہم اپنی عورتوں کو جمع کریں، تم اپنی عورتوں کو جمع کرو، ہم اپنے آپ کو اکٹھا کریں، تم اپنے آپ کو اکٹھا کرو، پھر ہم مل کر دعا کریں اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت بھیجیں۔“

---

❶ النهاية، ابن الأثير: ج١ ص١٦٧۔

یعنی جس کے سامنے آپ نے حق کو واضح کر دیا ہے اور حجت قائم کر دی ہے پھر وہ انکار کرتا اور عناد کا مظاہرہ کرتا ہے اسے آپ مباہلہ کرنے کی دعوت دیں۔

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ آخری حربہ ہے۔

امام ابن کثیر رحمہ اللہ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں" رسول اللہ ﷺ نے نجران سے آنے والے عیسائیوں کو مناظرے میں حجت قائم کر دینے کے بعد ان کی سرکشی اور عناد کو دیکھ کر انہیں مباہلہ کرنے کی دعوت دی تھی۔" ❶

امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں" یہ اسلامی طریقہ ہے کہ جب اہل باطل بحث ومباحثہ کے ذریعے اور دلیل و برہان قائم کرنے کے باوجود اپنے نظریے کو چھوڑنے کے لئے تیار نہ ہوں بلکہ عناد پر مصر رہیں تو انہیں مباہلہ کرنے کی دعوت دی جائے۔

مباہلے کا طریقہ:..... اس کا طریقہ یہ ہے کہ ایک فریق دوسرے کو دعوت دے اور دونوں فریق ایک جگہ پر اپنے اہل خانہ اور اولاد کو لے کر جمع ہو جائیں۔ اس کے بعد وہ ایک دوسرے کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے کہیں: اے اللہ! دونوں میں سے جو فریق جھوٹا ہو اس پر اللہ کی لعنت ہو۔"

مباہلے کی دلیل:..... اس کی دلیل اللہ رب العزت کا یہ فرمان ہے:

﴿فَمَنْ حَآجَّكَ فِيهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَآءَنَا وَأَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَأَنْفُسَنَا وَأَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللَّهِ عَلَى الْكَٰذِبِينَ﴾ [آل عمران: ٦١]

" جو لوگ تم سے اس بارے میں حجت کریں، جب کہ تمہارے پاس صحیح علم آچکا ہے (ان سے کہو کہ آؤ! ہم اپنے بیٹوں کو بلائیں، تم اپنے بیٹوں کو بلاؤ، ہم اپنی عورتوں کو جمع کریں، تم اپنی عورتوں کو جمع کرو، ہم اپنے آپ کو اکٹھا کریں، تم

❶ تفسیر ابن کثیر: ج١ ص ١٣٢، زاد المعاد ج:٣ ص ٦٤٣۔

اپنے آپ کو اکٹھا کرو، پھر ہم مل کر دعا کریں اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت بھیجیں۔"

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد آنحضرت ﷺ نے نجران سے آنے والوں کو مباہلے کی دعوت دی۔ جبکہ اس سے پہلے آپ نے ان سے مناظرہ کیا تھا، ان پر حجت قائم کی تھی، انہوں نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا اور وہ افترا بازی پر تل گئے تھے۔ جب آپ ﷺ نے انہیں مباہلہ کرنے کی دعوت دی تو وہ ڈر گئے اور سامنا کرنے سے انکار کر دیا۔ اس کے بعد انہوں نے صلح کر لی اور جزیہ دینے لگے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نجران میں سے عاقب اور سید نام کے دو شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے ان کا خیال تھا کہ وہ آنحضرت ﷺ کے سامنے اللہ تعالیٰ سے ایک دوسرے پر لعنت کرنے کی بددعا کریں گے لیکن جب وہ وہاں پہنچے تو ایک نے دوسرے سے کہا ہمیں ایسے نہیں کرنا چاہیے کیونکہ اگر یہ واقعی اللہ کا نبی ہے تو ہم ناکام ہوں گے اور ہماری نسل ختم ہو جائے گی اس کے بعد دونوں نے کہا: جو کچھ آپ ہم سے مانگیں ہم دینے کے لئے تیار ہیں۔"❶

کن مسائل پر مباہلہ کرنا جائز ہے؟..... دین کے ہر اس بنیادی مسئلے پر مباہلہ کرنا جائز ہے جس کا مدِّ مقابل منکر ہو اور اسے خود ساختہ بنا کر پیش کرتا ہو، جب کہ مباہلہ کرنے والے کے پاس اس کی واضح دلیل موجود ہو اور وہ اجتہادی نہ ہو۔

اجتہادی اور فروعی مسائل میں مباہلہ نہیں ہونا چاہیے کیونکہ اجتہادی غلطی کی وجہ سے مجتہد لعنت کا مستوجب نہیں ہوتا بلکہ اسے طے شدہ شرائط اپنانے کے باوجود غلطی لگ جانے کی بناء پر اس کا ثواب ہوتا ہے۔

کیا شریعت میں اب بھی مباہلہ موجود ہے؟..... جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ مباہلہ کتاب وسنت سے ثابت ہے۔ کتاب وسنت میں ثابت شدہ کوئی بھی چیز محض دعویٰ کے ذریعے نہ تو منسوخ ہو سکتی ہے اور نہ کسی وقت کے ساتھ مخصوص۔ لہٰذا اس کے بارہ میں یہ کہنا

---

❶ بخاری: ۴۳۸۰، مسلم: ۲۴۲۰۔

کہ یہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ مخصوص ہے یہ نا قابل قبول دعویٰ ہے۔ یہ ایک طے شدہ اصول ہے کہ جو کام آنحضرت ﷺ کو کرنے کو کہا گیا ہے اُمت بھی اسے کرنے کی پابند ہے بشرطیکہ کوئی شرعی مانع نہ ہو۔ زیر بحث مسئلہ میں کوئی مانع دلیل موجود نہیں ہے۔

امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو مباہلے کا حکم دیا ہے اور یہ نہیں فرمایا کہ یہ آپ کے بعد آپ کی اُمت کے لئے نہیں ہے۔" ❶

علاوہ ازیں اہلِ اسلام یہ طریقہ مسلسل استعمال کرتے آئے ہیں۔ یہ بات بھی اس کے شرعی لحاظ سے جائز ہونے کی تائید کرتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، امام اوزاعی رحمہ اللہ، امام عسقلانی رحمہ اللہ اور ان کے علاوہ کئی اہلِ علم نے مباہلہ کیا۔ ❷

ملاحظہ: ...... "ایک مباہلہ شارح بخاری حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ نے محی الدین ابن عربی صوفی کے ایک عقیدت مند کے ساتھ کیا۔ ثابت یہ کرنا تھا کہ ابنِ عربی گمراہ ہے۔ اس مباہلے کے نتیجے میں وہ آدمی فوت ہو گیا" ❸

(۱۴) انٹرنیٹ:

اس میں چار عنوانات ہیں:

الف: میدانِ دعوت میں انٹرنیٹ کے استعمال کی ضرورت: ......

یہ بات کسی بھی شخص سے اور بالخصوص کسی بھی داعی سے مخفی نہیں ہے کہ باہمی رابطے کے اس دور میں معلومات منتقل کرنے کے لئے ایک سبک رفتار اقدام عمل میں لایا گیا ہے جس کے ذریعے بہت آسانی کے ساتھ پوری دنیا میں بیشتر افراد کے ساتھ گھروں میں، دفاتر میں،

---

❶ زاد المعاد: ج۳ ص ٦٤٣، فتح الباری: ج۸ ص ۹۵۔

❷ زاد المعاد: ج۳ ص ٦٤٣۔

❸ تنبیه الی تکفیر ابن عربی للعلامة برهان الدین البقاعی ص: ١٤٩، ١٤٨، شرح قصیدۃ ابن القیم لأحمد بن ابراهیم بن عیسیٰ: ۱ ص: ۱۷۲، ۱۷۳۔

کمپنیوں میں اور تعلیمی مراکز میں رابطہ کیا جا سکتا ہے۔ ان ذرائع ابلاغ میں حق و باطل اور مفید وغیر مفید بھی قسم کا مواد موجود ہوتا ہے۔ کوئی شخص اپنی مرضی سے جو چاہے اس میں سے لے سکتا ہے اور جو چاہے چھوڑ سکتا ہے۔ ان میں سے اہم ترین ذریعہ ابلاغ انٹرنیٹ ہے۔

ان ذرائع کو اختیار کرنے کی اہمیت پر سابقہ اوراق میں روشنی ڈالی جا چکی ہے۔ یہ بات بھی بیان ہو چکی ہے کہ ان سے تہی دامن رہنے سے میدانِ دعوت میں ایک ایسا خلا پیدا ہو جاتا ہے جسے فساد و بگاڑ پیدا کرنے والے ناجائز استعمال کر سکتے ہیں لہٰذا یہاں اسے دہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ بہت سے داعی حضرات نے اس ذریعہ ابلاغ کو وسیع پیمانے پر اختیار کر کے خوب داد لی ہے اور لوگوں کو فائدہ پہنچایا ہے۔ تاہم ایک گروہ ابھی تک متردد ہے اور تقویٰ و للٰہیت کی بنا پر اس سے گریزاں ہے یہ ان کا اپنا اجتہاد ہے۔ بہت اچھی اچھی ویب سائٹ آ چکی ہیں جن میں اخباراتی بھی ہیں، علمی بھی، مناظراتی بھی، سوشل بھی اور مسائل و فتاویٰ سے متعلق بھی، اس کے علاوہ بھی بہت ہیں۔ ان میں اچھی بھی ہیں اور بُری بھی۔

اس کی حیثیت ایک عام ذریعۂ ابلاغ کی ہے جسے اچھے یا بُرے کسی بھی مقصد کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ اس جیسا کوئی بھی ذریعۂ ابلاغ مفید اور مضر دونوں قسم کے اثرات سے خالی نہیں ہوتا۔

ب: انٹرنیٹ کے مثبت پہلو: (ا) معلومات پہنچانے اور حاصل کرنے کی سہولت:.... اکثر داعی حضرات سے یہ بات مخفی نہیں ہے کہ اس ذریعے کو اپنا کر معلومات ارسال کرنا اور وصول کرنا بہت آسان ہے۔ پوری دنیا میں معلومات ارسال کرنا اور وصول کرنا آسان ہو گیا ہے۔ مسلمان بھی اس دنیا کا حصہ ہیں اس لئے ہر داعی اپنی مرضی کی بات آسانی سے پہنچا سکتا ہے اور مدعو اسے آسانی سے وصول کر سکتا ہے۔

(۲) معلومات رسانی اور ان کے حصول میں سبک رفتاری:.... مسلمانوں کو بالعموم اور مسلم خواتین کو بالخصوص ہنگامی بنیادوں پر سوالات کے جواب کی ضرورت ہوتی ہے۔

جن میں حیض، نفاس اور طلاق جیسے حساس مسائل ہوتے ہیں۔ جن کا جواب جلدی مطلوب ہوتا ہے۔ جبکہ خاتونِ خانہ کا سفر کرنا بھی مشکل ہے، اہلِ علم بھی مصروف ہوتے ہیں یہ ان تک بآسانی پہنچ نہیں سکتی۔ اس کے ساتھ ساتھ افتاء کے اداروں کا نظام ہنگامی ضرورت پوری کرنے سے قاصر ہے۔ اس ذریعۂ ابلاغ نے داعی کے لئے معلومات ارسال کرنے کی ان دکاوٹوں کو دور کر دیا ہے۔ اس نے مدعو کے لئے بھی معلومات حاصل کرنے کے موانع ختم کر دیئے ہیں۔ انٹرنیٹ کے ذریعے داعی اور مدعو کے درمیان مطلوبہ سرعت کے ساتھ باہمی رابطہ ہوسکتا ہے۔

(۳) علومات میں تنوع اور کثرت:..... انٹرنیٹ پر معلومات کی کثرت اور تنوع ایک جانی پہچانی بات ہے کیونکہ اس کے مصادر بہت زیادہ اور متنوع ہیں۔

(۴) خوش مزاجی اور اس کا جائز طریقہ:..... اکثر لوگوں کے پاس بہت زیادہ فارغ وقت ہوتا ہے لیکن وہ اسے صحیح استعمال میں نہیں لاتے یا ان کے پاس افکار اور معلومات ہوتی ہیں جنہیں وہ کسی مجبوری کی بناء پر رائج الوقت ذرائع ابلاغ کی وساطت سے دوسروں تک نہیں پہنچا سکتے۔ اس طرح وہ دماغ کو خالی نہیں کر پاتے۔

اگر ایک مسلمان مختلف مباحثوں میں بامقصد، افادیت سے بھرپور اور فعال ہو کر شرعی اصولوں کی روشنی میں شرکت کرے تو اس سے اس کی معلومات روز افزوں ہوں گی۔ اس کی تہذیب وثقافت بہتر ہوگی وہ اپنے دماغ کو مفید کام میں مصروف کرے گا۔

انٹرنیٹ کا بہتر استعمال مسلمانوں کے لئے بہت سی مشکلات سے نکلنے کا ذریعہ ثابت ہوگا۔

(۵) مسلمانوں کی مشکلات سے آگاہی اور انہیں حل کرنے میں تعاون:.....

مسلمانوں کی کچھ عام مشکلات ہیں اور کچھ خاص صعوبتیں ہیں۔ دیگر اقوام کی طرح ان کی کچھ ایسی باتیں بھی ہوتی ہیں جنہیں مروجہ ذرائع ابلاغ ایک دوسرے تک نہیں پہنچاتے۔ انٹرنیٹ کے ذریعے ایک مسلمان ان سے بھی آگاہ ہوسکتا ہے اور اس میں ذہنی اور جسمانی شرکت سے لطف اندوز بھی ہوسکتا ہے۔

(۶) دروس اور لیکچرز کو براہِ راست سننے کی سہولت بلکہ گھر یا دفتر میں بیٹھ کر ان میں شرکت:...... انٹرنیٹ میں آڈیو رومز بھی ہوتے ہیں جن سے درس، لیکچر اور کانفرنس کو براہِ راست نشر کیا جاتا ہے، گھروں میں بیٹھے بٹھائے انہیں براہِ راست سننا اور ان میں شرکت کرنا بھی ممکن ہوتا ہے۔ اس سے ایک فائدہ یہ ہوتا ہے کہ سامع کو گھر سے باہر نہیں جانا پڑتا اور دوسرا یہ کہ داعی حضرات کی بیویوں کی ان سے شکایت میں بھی تخفیف ہو جاتی ہے۔

اس ذریعۂ ابلاغ سے زیادہ تر عورتیں، بے کس اور مریض افراد مستفید ہوتے ہیں اگر یہ ذریعۂ ابلاغ نہ ہو تو وہ سب اس نیکی سے محروم ہو جائیں۔ اس طریقے کا یہ ایک ایسا مثبت پہلو ہے جو دیگر ذرائع میں بھی نہیں پایا جاتا۔

(۷) دعوتِ دین سے محروم لوگوں تک اس کی رسائی:...... کچھ ایسے علاقے ہیں جہاں کے لوگ دعوتِ دین اور علمِ شریعت حاصل کرنے سے محروم ہیں۔ اس کی وجہ یا تو اہلِ علم کی کمی ہے یا حکمرانوں کا ظلم وتشدد یا کوئی دوسری صورت حال ہے۔ اس ذریعۂ تبلیغ کے ہوتے ہوئے جو ویزے اور اجازت کے بغیر کئی ممالک تک پہنچتا ہے اور گھروں میں داخل ہو جاتا ہے اس کے ذریعے ایسے لوگوں کو دعوت دینا اور مدعوین کے لئے اس کا حصول آسان ہو جاتا ہے۔

(۸) اہلِ علم کے لئے وسیع میدان:...... بیشتر ذرائعِ ابلاغ کے اپنے اصول و ضوابط اور تقاضے ہیں جو اہلِ علم کے لئے ان کے استعمال کے سامنے رکاوٹ بنے ہوئے ہیں۔ جبکہ اس طریقے کے ذریعے بہت سے ایسے افراد جو خوابیدہ صلاحیت کے مالک ہیں اور ایسی شہرت سے محروم ہیں جو انہیں دیگر وسائل کے استعمال کے قابل بنائے وہ اس کے کھلے دروازوں سے کسی روک ٹوک اور نگرانی کے بغیر داخل ہو سکتے ہیں۔ اس سے یہ طریقہ بھی معلومات کی کثرت سے بہرہ ور ہوگا اور لوگوں کو بہت کچھ دے بھی سکے گا۔

ج: انٹرنیٹ کے منفی اثرات:...... یہ بات تو بیان ہو چکی ہے کہ زیادہ تر ذرائعِ ابلاغ دو دھاری ہتھیار اور چراگاہ کے گرد مویشی چرانے کے مترادف ہیں۔

اس طرح یہ ذریعہ ابلاغ بھی منفی اثرات سے خالی نہیں ہے۔

✿ اس کا دروازہ ہر کس وناکس کے لئے کھلا ہے۔ اس لحاظ سے یہ انتہائی پُر خطر اور ضرر رساں ہے۔

✿ اسے اپنانے والے کے لئے گھٹیا اخلاق کی کھائیوں میں گرنے کا اندیشہ ہے کیونکہ اس میں پُر خطر ندیاں اور گہرے غار ہیں۔

✿ اسے استعمال کرنے والا شخص تکفیر، شدت پسندی جیسے منہجی انحرافات کا شکار ہوسکتا ہے۔

✿ اسے مسلسل استعمال کرنے والا لاشعوری طور پر بہت زیادہ وقت ضائع کر بیٹھتا ہے کیونکہ اس میں آدمی کو مکمل آزادی، دل ودماغ کو کھلی چھٹی ہوتی ہے اور یہ بہت زیادہ وقت بھی لیتا ہے۔ اس لئے ممکن ہے کہ اسے استعمال کرنے والا اسی کا ہوکر رہ جائے اور یہ بات واضح نقصان پر منتج ہوگی۔

د: انٹرنیٹ سے متعلق ہدایات وتعلیمات:...... ✿ ان پر کنٹرول اس طرح بھی ہوسکتا ہے کہ انہیں گھر یا دفتر میں کھلی جگہ پر رکھا جائے تاکہ سب اسے آسانی سے دیکھ سکیں، ذمہ دار کی غیر حاضری میں انہیں لاک (LOCK) کردیا جائے تاکہ آہستہ آہستہ ان کا غلط استعمال نہ ہونے لگے۔

✿ انہیں استعمال میں لانے والوں بالخصوص نوجوانوں کے خیالات وافکار پر گہری نظر رکھی جائے اوران کا ذہنی تصفیہ کیا جاتا رہے۔

✿ جب استعمال کرنے والے کو ان کی افادیت میں کمی محسوس ہوتو یا وہ فوراً اسے چھوڑ دے یا اپنے قابلِ اعتماد دوستوں کو ساتھ لئے بغیر اسے استعمال نہ کرے۔

✿ حکومتی اداروں کی طرف سے ان کی مرکزی نگرانی بالخصوص نیٹ کیفے پر سختی کے ساتھ ہونی چاہیے۔

✿ مساجد ومدارس اور دیگر ذرائع ابلاغ کے ذریعے مسلمانوں کو اس کے نقصانات سے آگاہ رکھا جائے۔

(۱۵) منظر کشی (ڈرامہ اسٹیج کرنا)

اس میں تین عنوانات ہیں:

الف: مفہوم اور شرعی حیثیت:...... منظر کشی سے مراد یہ ہے کہ کچھ لوگ مل کر زبانی اور عملی طور سے کچھ دیگر لوگوں کی نقالی کر کے ان کا کردار پیش کریں۔

یہ کام ترقی کرتے کرتے ایک لمبی کہانی کے ایک سلسلہ کی صورت اختیار کر گیا ہے۔ یہ ذریعہ ناظرین کے لئے زیادہ مؤثر ہوتا ہے کیونکہ اس میں تصویر اور آواز دونوں موجود ہوتے ہیں اور ناظرین کو متوجہ رکھتے ہیں۔

اہل علم نے اس ذریعے کی شرعی حیثیت کے بارہ میں اختلاف رائے کا اظہار کیا ہے۔ زیر نظر مقالے کا موضوع فقہی مسائل نہیں ہے کہ اس میں فریقین کے دلائل کو بالاستیعاب ذکر کیا جائے۔ لہٰذا اس کی شرعی حیثیت کو اختصار کے ساتھ پیش کیا جا رہا ہے۔

ناجائز قرار دینے والوں کے دلائل:

- منظر کشی میں دوسرے لوگوں کی نقالی ہوتی ہے ہوسکتا ہے وہ اسے ناپسند کرتے ہوں اس لئے یہ ناجائز ہے۔
- شاذ و نادر ہی کوئی ڈرامہ عورت کے کردار سے خالی ہوتا ہے۔ اس وجہ سے بھی اس میں شریعت کی خلاف ورزی ہے۔
- اس میں جھوٹ کی بھی آمیزش ہوتی ہے کیونکہ جس کی نقالی کی جا رہی ہوتی ہے اس کے رویے کے بارہ میں مکمل معلومات نہیں ہوتیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ منظر کشی کرنے والا غیر موجود آدمی کے نام پر کردار ادا کرتا ہے اور وہ ایسی بات یا ایسا کام کرتا ہے جو اس نے کہا یا کیا نہیں ہوتا۔ اس طرح وہ جھوٹ سے بھی آگے بڑھ کر الزام تراشی کرنے لگ جاتا ہے۔
- یہ طریق کار ائمہ کرام رحمہم اللہ اور سلف صالحین کے دور میں رائج نہیں تھا اور نہ ہی انہوں نے اسے اپنایا حالانکہ وہ بھی اسے کرنے کی طاقت رکھتے تھے لہٰذا یہ بات اس کے

ناجائز ہونے کی غمازی کرتی ہے۔

❀ اس میں اسراف بھی ہے اور وقت کا ضیاع بھی، جب کہ اس پر کی جانے والی محنت اس سے حاصل ہونے والے فائدے سے کہیں زیادہ ہے۔

کچھ اہل علم اسے کچھ اُصول وضوابط کے تحت جائز قرار دیتے ہیں نیز انھوں نے مانعین کے اعتراض کا جواب بھی دیا ہے وہ کہتے ہیں۔

جائز کہنے والوں کے دلائل:

❀ منظر کشی کرنا بنیادی طور پر جائز ہے کیونکہ اس سے ممانعت کی کوئی دلیل موجود نہیں ہے جب کہ اس پر ہونے والے اعتراضات کا جواب دیا جا سکتا ہے جیسا کہ اس مضمون کے آخر میں آ رہا ہے۔

❀ یہ بات ناقابل تسلیم ہے کہ سلف صالحین میں سے کسی نے اسے اپنایا نہیں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ وہ اسے ہمارے دور کے ترقی یافتہ فن کی حیثیت سے نہیں جانتے تھے۔ تاہم اس کی بنیاد جانی پہچانی ہے۔ کچھ فرشتوں سے کچھ شخصیات کی نمائندگی کرنا ثابت ہے۔

مثلاً: مشہور حدیث ہے کہ ایک فرشتے نے نابینا، کوڑھی اور برص زدہ آدمیوں کی نمائندگی کی تھی۔ ❶

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے نماز کے وقت سے پہلے تعلیم کی غرض سے نماز ادا کی، حضرت سہل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ منبر کے اوپر چڑھے وہیں آپ ﷺ نے "اللہ اکبر" کہا۔ اس کے اوپر ہی رُکوع کیا پھر نیچے اُتر کر سجدہ کیا اور دوبارہ منبر پر چڑھ گئے نماز پڑھ کر فارغ ہوئے تو لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا:

((أَیُّهَا النَّاسُ ! إِنَّمَا صَنَعْتُ هٰذَا لِتَأْتَمُّوا بِي ، وَلِتَعَلَّمُوا صَلَاتِي .)) ❷

---

❶ بخاری: ٣٤٦٤، مسلم: ٢٩٦٤۔

❷ بخاری: ٩١٧، مسلم: ٥٤٤۔

''لوگو! میں نے اس طرح اس وجہ سے کیا ہے تاکہ تم میری اقتداء کرو اور میری نماز سیکھ لو۔''

رہا یہ مسئلہ کہ اس میں دوسرے افراد کی نقالی کا پہلو ہے اور یہ ان کے ہاں ناپسندیدہ ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ کچھ طرح کی نقالی پسندیدہ ہے اور کچھ ناپسندیدہ۔ اگر اچھے کاموں اور اچھی باتوں کی نقالی کی جائے تو اسے وہ پسند کرتے ہیں وہ تو چاہتے ہیں کہ انہیں رول ماڈل بنایا جائے۔ لہٰذا جن کاموں کی نقالی وہ ناپسند کرتے ہیں وہ ناجائز ہے۔ ویسے بھی ضروری نہیں ہے کہ ہر ڈرامے میں دوسروں کی نقالی ہو۔ بہت سے ڈراموں میں نقالی نہیں بھی ہوتی۔ اس میں عام کردار پیش کیا جاتا ہے۔ معروف شخصیات کی نمائندگی نہیں ہوتی۔ مثلاً والدین کی نافرمانی، غیبت کے اثرات، چغل خوری کا انجام وغیرہ ایسے موضوع ہیں جن میں کوئی شرعی قباحت نہیں ہے۔

باقی رہ جاتا ہے خواتین کی شرکت کا مسئلہ تو اس سے آسانی سے بچا جاسکتا ہے بالخصوص جامعات اور درسگاہوں میں یہ بالکل آسان ہے۔

ب: منظر کشی کرنے کے بارہ میں ترجیحی رائے:..... گذشتہ تحریر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ منع کرنے والوں کے اشکالات کی بنیاد اس میں خواتین کی شرکت، جھوٹ بولنے، اسراف کرنے اور ایسے ناجائز کاموں کے ارتکاب کی بنا پر ہے۔ لہٰذا جب ان ممنوع کاموں سے اجتناب کیا جائے تو یہ ذریعہ استعمال کرنا جائز ہے کیونکہ اصول یہ ہے کہ بنیادی طور پر سب کام جائز ہیں۔ جب اس کے ناجائز ہونے کی کوئی صریح دلیل نہیں ہے بلکہ اسے فرشتے نے کیا، نبی کریم ﷺ نے کیا ہے تو اس سے ثابت ہوا کہ ڈرامہ بنیادی طور پر جائز ہے۔

تاہم اسے اصل حکم پر برقرار رکھنے کے لئے اس میں کچھ شرطوں کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔

(۱)..... پہلی شرط یہ ہے کہ اس سے اصل مقصد کسی شرعی مسئلے یا معاشرتی مسئلے کی وضاحت مقصود ہو۔ مثلاً حج ادا کرنے کا طریقہ، ازدواجی زندگی میں حُسنِ معاشرت کے فوائد یا طلاق کی خرابیوں کی نشاندہی وغیرہ جیسے مسائل ہوں۔

(۲)......اجازت کے بغیر نامور شخصیات کا کردار پیش نہ کیا جائے۔

(۳)......انبیاء علیہم السلام کا کردار پیش کرنا مطلقاً حرام ہے۔علماء کے ہاں یہ ایک مسلّم مسئلہ ہے۔ تحقیقی ادارے اور دار الافتاء سب اس بات پر متفق ہیں۔ میرے علم کے مطابق کسی بھی قابلِ اعتماد صاحب علم نے اسے جائز قرار نہیں دیا۔

(۴)...... کبار صحابہ جن کے ذریعے شریعت ہم تک پہنچی ہے اور جن کا لوگوں کے ہاں اونچا مقام ہے، مثلاً خلفائے راشدین اور ان جیسے دیگر صحابہ ان کا ڈرامہ اسٹیج کرنا حرام ہے۔ تاکہ لوگوں میں ان کے بارہ میں غلط تاثرات قائم نہ ہوں جس سے دلوں سے ان کا وقار ختم ہوجائے یا ان کے متعلق غلط تصور قائم ہوجائے۔ ❶

(۵)......مردوں کے سامنے عورت منظر کشی نہ کرے اور مرد بھی اگر فتنے کا اندیشہ ہو تو عورتوں کے سامنے منظر کشی نہ کرے کیونکہ عورت کا باپردہ ہونا ضروری ہے۔ ❷

جیسا کہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((مَا تَرَكْتُ بَعْدِي فِتْنَةً أَضَرَّ عَلَى الرِّجَالِ مِنَ النِّسَاءِ .)) ❸

''میرے بعد مردوں کے لئے عورتوں سے بڑھ کر کوئی فتنہ نقصان دہ نہیں ہوگا۔''

(۶)......اس دوران کسی قسم کے آلاتِ موسیقی استعمال نہ کیے جائیں۔

(۷)...... ساتویں شرط یہ ہے کہ منظر کشی کرنا ہی اصل مقصد نہ ہو اور نہ ہی یہ کمائی کا ذریعہ ہو اور نہ ایسے ہو کہ یہ لوگوں کا معمول بن جائے نیز اس کی تزئین و آرائش لوگوں کو اصل مقصد سے نہ ہٹائے۔

---

❶ فتاوی اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والافتاء:ج:۱ ص: ۴۹۰ ؛ فتاوی لجنة الأزهر۔

❷ ترمذی ۱۷۳ ۔ معجم کبیر طبرانی ج:۹ ص: ۲۹۵۔

❸ بخاری: ۵۰۹۶ ، مسلم: ۲۷۴۰۔

(۸)...... اس کی تیاری میں نہ تو تکلف سے کام لیا جائے اور نہ ہی اسراف سے۔

(۹)...... اس میں کسی ناجائز کام کا ارتکاب نہ ہو، مثلاً جھوٹ بولنا، مذاق اڑانا، غیبت، فحاشی، جنسی تحریک جیسی کوئی چیز اس میں نہ ہو۔

اگر ان تمام شرائط کی پابندی کی جائے تو ''منظر کشی'' کی شرعی حیثیت یہ ہے کہ وہ دیگر جائز کاموں کی طرح جائز ہے۔

ج: جائز اور بامقصد منظر کشی کی مختلف صورتیں:...... بامقصد ویڈیو اور منظر تیار بھی کیا جا سکتا ہے جس میں کسی ناجائز کام کا ارتکاب نہ ہو، مثلاً:

- کچھ لوگ مل کر حج کی مختلف عبادتیں سرانجام دیں، طواف اور سعی وغیرہ کریں۔ وہ اس میں اسلامی اخلاق کا مظاہرہ کریں۔ دعائیں، ذکر اور بلند آواز سے وظائف پڑھیں۔
- ایک فرد یا زیادہ افراد مل کر نماز کے صحیح طریقے کی ویڈیو بنائیں، نماز باجماعت ادا کریں۔ غلط طریقہ نماز کی ویڈیو بنائیں تاکہ لوگوں کو اس سے بچنے کی تلقین کی جائے۔
- والدین کی اطاعت اور ان کی نافرمانی اور دونوں کے فوائد و نقصانات پر مشتمل ڈرامہ تیار کیا جائے۔
- ایماندار تاجر، اس کی تجارت میں برکت کے اثرات پر مشتمل یا اس کے برعکس جھوٹ بولنے والے تاجر اور اس کے اثرات پر مشتمل منظر بنایا جائے۔

اس سے ملتے جلتے اور بھی بہت سے مفید موضوع اختیار کیے جا سکتے ہیں۔

(۱۶) دعوتِ دین اور تصویر:

تصویر سازی ایک قدیم ذریعہ ہے لیکن اس نے بڑی تیزی سے ترقی کی ہے۔ فوٹو گرافی ایجاد ہوئی، پھر متحرک تصویر وجود میں آئی۔ یہ ذریعہ سامعین پر زیادہ مؤثر ہوتا ہے کیونکہ اس سے ایک منظر ان کی قوتِ فکر پر اثر انداز ہوتا ہے۔

قرآن و سنت میں جاندار چیزوں کی تصویر کشی اور اسے لٹکانے کے حرام ہونے پر دو ٹوک دلائل موجود ہیں، مثلاً:

آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

((إِنَّ أَشَدَّ النَّاسِ عَذَاباً عِنْدَ اللّٰهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ الْمُصَوِّرُوْنَ)) ❶

"قیامت کے روز سخت ترین عذاب مصوروں کو ہوگا۔"

آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا:

((لَا تَدْخُلُ الْمَلَائِكَةُ بَيْتاً فِيْهِ كَلْبٌ وَلَا تَصْوِيْرٌ)) ❷

"جس گھر میں کتا اور تصویر ہو اس میں فرشتے نہیں آتے۔"

کس صورت میں تصویر استعمال کرنا جائز ہے؟..... مذکورہ بالا و دیگر بہت سی نصوص ہیں جن میں تصویر کشی کے حرام ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔ شرک کے دروازے کو بند کرنے اور تخلیق الٰہی میں مشابہت سے بچنے کے لئے اسے حرام قرار دیا گیا ہے۔

مشابہت کی دلیل آنحضرت ﷺ کا یہ فرمان ہے:

((إِنَّ مِنْ أَشَدِّ النَّاسِ عَذَاباً يَوْمَ الْقِيَامَةِ الَّذِيْنَ يُضَاهُوْنَ وَفِي رِوَايَةٍ يُشَبِّهُوْنَ بِخَلْقِ اللّٰهِ.)) ❸

"قیامت کے روز جن لوگوں کو سخت ترین عذاب ہوگا ان میں وہ لوگ بھی ہیں جو کہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق میں مشابہت اختیار کرتے ہیں۔"

شرک کے سدِ باب کی دلیل آنحضرت ﷺ کا یہ فرمان ہے: "ان (مشرک) لوگوں کا واقعہ یہ تھا کہ جب ان میں سے کوئی نیک آدمی فوت ہو جاتا تو وہ اس کی قبر پر مسجد بنا لیتے اور ان مساجد میں ان کی تصویریں بنا لیتے یہ لوگ روزِ قیامت اللہ تعالیٰ کے ہاں بدترین مخلوق ہوں گے۔" ❹

---

❶ بخاري: ٥٩٥٠، مسلم: ٢١٠٩۔

❷ بخاري: ٥٩٤٩، مسلم: ٢١٠٦۔

❸ بخاري: ٥٩٥٤، مسلم: ١٠٦۔

❹ بخاري: ٤٢٧، مسلم: ٥٢٨۔

سورۂ نوح میں وَدّ، سُواع، یغوث وغیرہ جو نام ذکر ہوئے ان سے متعلق حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ قومِ نوح میں سے نیک لوگوں کے نام ہیں جب وہ فوت ہوگئے تو شیطان نے لوگوں کو یہ طریقہ سکھایا کہ جہاں یہ عبادت کرتے تھے ان جگہوں میں مجسمے نصب کردیں اور ان مجسموں کے یہ نام رکھ دیں۔ لوگوں نے مجسمے تو نصب کئے لیکن وہ ان کی عبادت نہیں کرتے تھے۔ وقت گزرنے کے بعد جب یہ نسل ختم ہوئی اور معلومات میں کمی آئی تو بعد والے لوگ ان مجسموں کی براہِ راست عبادت کرنے لگ گئے۔ ❶

اسی طرح تصویر کو لٹکانا بھی حرام ہے کیونکہ اس کی بنا پر فرشتے گھر میں نہیں آتے۔ یہ بات ہم پہلے بیان کر چکے ہیں جو کام کسی بڑی خرابی کا ذریعہ ہونے کی وجہ سے ناجائز قرار دیا گیا ہو اسے ایسے وقت میں کرنا جائز ہو جاتا ہے جب اس سے کوئی بڑا فائدہ مطلوب ہو۔ اس اُصول کی دوبارہ وضاحت کی ضرورت نہیں ہے۔ لہٰذا تعلیم و تعلّم کے لئے تصویر کسی بھی انداز میں بنانا جائز ہے۔ اسی طرح دعوت و تبلیغ کے میدان میں بھی جب اس سے بڑا مفاد مطلوب ہو اور جس وجہ سے تصویر کشی ناجائز ہے اس کا اندیشہ بھی نہ ہو تو اسے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ اس کی تائید اس چیز سے بھی ہوتی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے بچوں کے لئے کھلونے استعمال کرنا جائز قرار دیا ہے خواہ وہ مجسم شکل میں ہی ہوں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کے پاس بیٹھی گڑیا کے ساتھ کھیل رہی تھی، میری کچھ سہیلیاں بھی میرے ساتھ کھیل رہی تھیں۔ جب رسول اللہ ﷺ گھر کے اندر تشریف لائے تو یہ آپ سے شرمانے لگتیں۔ آپ انہیں ترغیب دلاتے اور وہ میرے ساتھ کھیلنے لگ جاتیں۔ ❷

اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یہ بھی بیان فرماتی ہیں کہ ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ غزوۂ تبوک یا خیبر سے واپس آئے۔ برآمدے میں پردہ لٹک رہا تھا۔ تیز ہوا آئی وہ

❶ بخاری: ٤٩٢٠۔

❷ بخاری: ٦١٣٠۔ مسلم: ٢٤٤٠۔

پردہ ایک طرف سے اُٹھ گیا اور اس کے پیچھے پڑی گڑیا نظر آنے لگیں۔ یہ دیکھ کر آپ ﷺ نے پوچھا: عائشہ یہ کیا ہے؟ میں نے کہا یہ میری گڑیا ہیں۔ آپ نے دیکھا کہ ان میں ایک گھوڑا بھی ہے اور اس کے دو پر ہیں یہ دیکھ کر فرمایا: یہ جو درمیان میں دکھائی دے رہا ہے یہ کیا ہے؟ میں نے کہا یہ گھوڑا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اور یہ اس کے اوپر کیا چیز ہے؟ وہ کہنے لگیں: یہ دو پر ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: گھوڑا اور دو پر۔ وہ کہنے لگیں۔ کیا آپ نے نہیں سنا کہ سلیمان علیہ السلام کا ایک گھوڑا تھا اس کے پر بھی تھے۔ وہ کہتی ہیں کہ یہ سن کر آپ اس قدر ہنسے کہ میں نے آپ کی داڑھیں دیکھ لیں۔" ❶

متحرک تصویر کے دو پہلو ہیں۔ اس لحاظ سے وہ حرام ہے کہ وہ مستقل تصویر ہے اور اس لحاظ سے جائز ہے کہ وہ متحرک ہے۔ متحرک تصویر حرام نہیں ہوتی جیسا کہ آئینے کی تصویر ہے۔ جب اس کا فائدہ یقینی ہو تو اصولِ فقہ کے اس قاعدے کی رو سے یہ بدرجہ اولیٰ قابلِ قبول ہے۔ قاعدہ یہ ہے کہ "جو چیزیں حرام کا ذریعہ بننے کی وجہ سے حرام ہوں وہ بسا اوقات جائز ہو جاتی ہیں۔"

جب کہ یہ مقالہ مکمل ہوا چاہتا ہے۔ میں اللہ ربّ العزت سے دعا گو ہوں کہ وہ اسے میرے، میرے والدین، اس تالیف کا سبب بننے والے اور تیاری میں معاون سب کے میزان حسنات میں شامل فرما دے۔ نیت اور ارادہ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو ربّ العالمین ہے۔ اقاریت کے پیشِ نظر نتائج اور تجاویز کا خلاصہ پیشِ خدمت ہے۔

---

❶ صحیح ابو داؤد: ۴۱۲۳۔

اختتامیہ

- مقالہ کے نتائج
- مقالہ نگار کی تجاویز و آراء

مقالہ کے نتائج

اس مقالہ سے مندرجہ ذیل نتائج اخذ کیے جا سکتے ہیں:

(۱)..... آج پوری انسانیت کو بالعموم اور مسلمانوں کو بالخصوص دعوتِ دین کی انتہائی ضرورت ہے۔ مختلف احوال وظروف سے نپٹنے کا یہی ایک طریقہ ہے۔ تشدد یا اس جیسا کوئی اور طریقہ کارگر نہیں ہے۔ اگر شرائط وآداب کو اپنایا جائے تو دعوتِ دین کے مندرجہ ذیل دوررس نتائج واثرات ہوں گے۔

- حق کا غلبہ اور باطل کی پسپائی۔
- عدل وانصاف کا دور دورہ اور ظلم وستم کا قلع قمع۔
- نیکی کا عام ہونا اور فساد سے بچاؤ۔
- اللہ تعالیٰ کی رحمتوں اور برکتوں کا نزول۔
- امن وسلامتی اور بھائی چارے کا عام ہونا۔
- لوگوں کی دنیاوی واخروی کامیابی۔

(۲)..... اسلام کے شعبۂ تعلیم اور دعوت وتبلیغ میں بہت سے خلا ہیں جنہیں فوراً پر کیا جانا چاہیے، مثلاً:

- دعوت وتعلیم کے کچھ پہلوؤں میں علمی اُصول پسندی کا فقدان۔
- تربیت، بالخصوص داعی حضرات کی تربیت میں کوتاہی۔
- کچھ داعی حضرات کے ہاں فہم وفراست کی کمی۔

دعوت وتبلیغ کرنے، ہدایات دینے اور مسائل کو سلجھانے کے لئے مناسب تر مسئلے اور موقع کا خیال رکھنا ہوتا ہے۔ ہر جگہ کا مخصوص تقاضا ہوتا ہے۔ ان کو خلط ملط کر دینے کی بنا پر لوگوں پر انتہائی خطرناک نتائج مرتب ہوتے ہیں۔

(۳)..... تیسرا نکتہ یہ ہے کہ داعی میں کچھ خوبیاں ہونی ضروری ہیں ان کا مدعوین پر گہرا اثر ہوتا ہے، مثلاً:

- اخلاص اور تقویٰ۔
- علم اور دعوت کی فہم وفراست۔
- صبر اور بردباری۔
- درگزر اور چشم پوشی۔
- تواضع اور مل جل کر رہنا۔
- حسنِ اخلاق اور بہتر طور واطوار۔
- حسنِ معاملہ اور جواب دینے میں حکمت ودانائی۔

(۴)..... اگر ایک داعی اہدافِ دعوت کا خیال رکھے اور اس کے طے شدہ اصول وضوابط کو اپنائے اور اس کے مناسب طریقے اختیار کرے تو دعوتِ دین کے انتہائی مثبت نتائج سامنے آئیں گے۔

(۵)..... مدعوین کے مختلف احوال وظروف ہوتے ہیں۔ داعی حضرات کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے خطاب میں انہیں ملحوظ رکھے، مثلاً:

ایمانی حالت، علمی معیار، نفسیاتی حالت، طبعی رجحان۔

(۶)..... دعوتِ دین کا کام کوئی بے ہنگم یا بے فائدہ کام نہیں ہے بلکہ یہ ایک طے شدہ منہج پر مبنی مشن ہے، مثلاً

- مسائل سے پہلے ایمانیات کی طرف توجہ دلائی جائے۔
- مثالیں بیان کرنے سے پہلے ضابطہ بیان کیا جائے۔
- فتویٰ لگانے سے پہلے تعلیم دی جائے۔
- لوگوں سے ان کی فہم وفراست اور ان کی ضرورت کے مطابق بات کی جائے۔
- مسلمانوں کے مسائل پر گفتگو تفصیل سے کی جائے اور دشمنانِ اسلام پر اجمالی گفتگو ہو۔

* کسی بھی بات کی تلقین کے لئے اصول تدریج اور لوگوں کے حالات مدِّ نظر رکھے جائیں۔
* اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف دعوت دی جائے کسی گروہ یا مسلک کی دعوت نہ دی جائے۔
* مختلف تقریبات اور مواقع کو غنیمت سمجھا جائے۔

دعوت و تبلیغ کے کچھ اسلوب ہیں وہ بہت اہمیت کے حامل ہیں۔ دورانِ دعوت انہیں اپنانا ضروری ہے، مثلاً:

* انداز خوبصورت ہو اور اس میں ثابت قدمی بھی ہو۔
* مدعو کی جو بھی صورتِ حال ہو اس کے ساتھ نرمی اور سکون کا مظاہر کیا جائے سختی اور درشتی نہ اختیار کی جائے۔
* تقریر کے دوران سمجھ داری اور جذبہ دونوں میں توازن برقرار رکھا جائے۔
* ترغیب و ترہیب دونوں کو برابر ملحوظ رکھا جائے۔
* اُسلوبِ بیان متنوع ہونا چاہیے کبھی سوال و جواب کا انداز ہو اور کبھی پہیلی نما سوالات۔
* کبھی استفہامیہ انداز اختیار کیا جائے۔
* کبھی واقعات اور ضرب الامثال بیان کی جائیں۔

(۸)..... دعوتِ دین کے لئے مختلف وسائل و ذرائعِ ابلاغ کو اپنانا بہت ضروری ہے کیونکہ ان کے استعمال سے مدعوین کے لئے بات سمجھنے اور اسے قبول کرنے پر گہرا اثر ہوتا ہے۔ ان ذرائعِ ابلاغ برائے دعوت کے کچھ شرعی اُصول وضوابط ہیں ان کی پابندی کرنا بہت ضروری ہے، مثلاً:

* تمام ذرائع کا استعمال اُصولاً جائز ہے ماسوا اس ذریعے کے جس کے استعمال کی حرمت شریعت سے ثابت ہے۔
* جو ذرائع ناجائز کام کے ارتکاب کا سبب بننے کی وجہ سے ناجائز ہیں انہیں مصلحت کے

حصول کے وقت استعمال کرنا جائز ہو جاتا ہے بشرطیکہ جس خرابی کی بناء پر اسے ناجائز کیا گیا ہے وہ سامنے نہ آئے۔

- بعض حالات میں ذریعہ تبلیغ کو اپنانا سنت یا فرض بھی ہو جاتا ہے۔
- ذریعہ دعوت اپنی حدود سے تجاوز کر کے مقصود بالذات نہ ہونے پائے۔
- ذریعہ ایسا ہونا چاہیے جو کافروں کی مذہبی علامت نہ ہو۔
- یہ ذریعہ اور وسیلہ جگہ، وقت اور مدعوین کے حسبِ حال ہو۔

دعوتِ دین کے اہم طریقے:

تقریر، قلم و قرطاس، بروشر اور کتابچے، ریڈیو، سمعی اور بصری ذرائع، اخبارات و جرائد، دروس، لیکچر، سیمینار، کانفرنس، تعلیمی ورکشاپ، آڈیو ویڈیو کیسٹ اور سی ڈی، لٹکے ہوئے چارٹ، بحث و مباحثہ، مناظرہ، مباہلہ، ڈرامہ، تصویر یہ سب دعوتِ دین کے طریقے ہیں۔

تجاویز و آراء

- مسلمانوں میں یہ بیداری پیدا کی جائے کہ ان کی مشکلات کا حل یہ ہے کہ وہ دوسرے طریقوں کی بجائے دعوتِ دین ہی کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ کر آئیں۔
- مسلمان عوام کو عموماً اور داعی حضرات کو خصوصاً اس بات سے آگاہ کیا جائے کہ غیر مسلم کو صرف اور صرف دعوت و تبلیغ کے جائز اور مسنون طریقوں سے راہِ ہدایت پر لایا جا سکتا ہے۔ اس میں سرفہرست حکمت و دانائی اور اچھا اسلوب ہے۔
- داعی اور مبلغ حضرات کو ایک داعی کی لازمی خوبیوں سے بہرہ ور ہونے اور ان کے اثرات کا احساس دلایا جائے۔
- داعی حضرات کو سامعین کے حالات سے آگاہی اور ان کی ایمانی قوت، علمی سطح اور عقلی دسترس معلوم کرنے کی اہمیت بتلائی جائے۔
- انہیں اسلوب کی اہمیت، اس کا تنوع اور عمدہ اسلوب کی پابندی کا احساس دلایا جائے

اور وہ اسے کسی بھی صورت نہ چھوڑے، خواہ سامعین کتنے ہی فاسق و فاجر ہوں۔

* دورِ حاضر میں جتنے ذرائع دعوت موجود ہیں، مبلغین کے سامنے ان کی اہمیت اجاگر کی جائے اور انہیں بتلایا جائے کہ دعوتِ دین کے پھیلاؤ کے لئے ان چیزوں کے بہت سارے اثرات ہیں۔

ان تجاویز کی روشنی میں یہ ضروری ہے کہ داعی حضرات اور مبلغین کو میدانِ دعوت میں اُترنے سے پہلے ان کی علمی اور نظریاتی تربیت کا ازحد اہتمام کیا جائے۔ یہ بھی ضروری ہے کہ مبلغین کو تربیتی اور عملی لحاظ سے تیار کیا جائے۔ تاکہ وہ میدانِ دعوت میں صحیح کام کر سکیں۔ انہیں ان کے حال پر نہ چھوڑا جائے۔

یہ مقصد مندرجہ ذیل طریقوں سے حاصل ہو سکتا ہے:

* داعی اور مبلغ تیار کرنے کے لئے تربیتی ادارے قائم کئے جائیں۔ جن میں علمی اور عملی تربیت دی جائے۔ داعی حضرات اور مبلغین کو نظریاتی باتوں اور جزوی مسائل میں کسی مجبوری کے بغیر نہ لایا جائے۔
* اہلِ علم کو چاہیے کہ وہ ان تجاویز کو اپنانے کے لئے اپنے دروس اور تقریروں میں زور دیں۔
* ان تجاویز وآراء پر عمل پیرا ہونے کے لئے متذکرہ بالا وسائل وذرائع کو اختیار کیا جائے۔

آخری بات:

جب تک ہمارے قول وفعل میں ہم آہنگی نہیں ہوگی اور ہم فریضۂ دعوت کو صحیح طور سے سرانجام نہیں دیں گے اس وقت تک مسلمان تباہی اور انحطاط ہی سے دو چار رہیں گے۔ یہاں تک کہ ہم اپنی دعوت میں اللہ کے ساتھ سچے ہوں اور اپنے نبی کی سیرت کو اپنا لیں۔

ہم اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ وہ ہمارے حالات بہتر فرمائے۔ ہمیں راست گوئی نصیب کرے اور نیک عمل کی توفیق دے۔ مسلمانوں کو اپنے دین کی طرف احسن انداز میں واپس لائے۔ کافروں اور گمراہوں کو ہدایت دے وہ یقیناً اس پر قادر اور بااختیار ہے۔ (آمین)

سب تعریفیں اللہ رب العالمین کے لئے ہیں۔

فہرست مراجع ومصادر

فہرست مراجع ومصادر

۱۔ القرآن الکریم۔

۲۔ لآحاد والمثانی: للحافظ أبو بکر عمرو بن أبی عاصم، دار الرایة۔ الریاض-الطبعة الأولی ١٤١١هـ- ١٩٩١م۔

۳۔ أخبار القضاة: لمحمد بن خلف بن حیان المعروف بوکیع، عالم الکتب-بیروت-بدون۔

۴۔ أسد الغابة فی معرفة الصحابة: عزالدین أبی الحسن علی بن أبی الکرم، المعروف بابن الأثیر، دار التراث العربی-الطبعة الأولی ١٤١١هـ۔

۵۔ الأشباه والنظائر: السیوطی أبو الفضل جلال الدین عبدالرحمن بن أبی بکر الشافعی، دار الکتب العلمیة-بیروت-الطبعة الأولی ١٣٩٩هـ تصویر۔

۶۔ الأشباه والنظائر: ابن السبکی تاج الدین عبدالوهاب بن عبدالکافی الشافعی، دارالکتب العلمیة -بیروت-الطبعة الأولی ١٤١١هـ۔

۷۔ الاصابة فی تمییز الصحابة: للحافظ أحمد بن عبدالرحمن بن علی بن حجر العسقلانی، دار الکتب العلمیة -بیروت -الطبعة الأولی ١٤١٥هـ

۸۔ أصول الفقه: محمد أبو زهرة، دار الفکر العربی- بدون۔

۹۔ الاعتصام: لأبی اسحاق ابراهیم بن موسیٰ بن محمد الشاطبی، دار ابن عفان، الطبعة الأولی ١٤١٢هـ - ١٩٩٢م۔

۱۰۔ اعلام الموقعين عن كلام رب العالمين؛للامام شمس الدين محمد بن أبي بكر بن قيم الجوزية ، دار الفكر -بيروت-الطبعة الثانية ١٣٩٧هـ- ١٩٧٧م.

۱۱۔ البحر الزخار (مسند البزار)؛للحافظ الامام أبي بكر أحمد بن عمرو بن عبدالخالق العتكي البزار- مكتبة العلوم والحكم-المدينة المنورة- الطبعة الأولى ١٤٠٩هـ-١٩٨٨م.

۱۲۔ البداية والنهاية؛لأبي الفداء اسماعيل بن عمر بن كثير ، مكتبة المعارف-بيروت ، بدون.

۱۳۔ بصائر ذوي التمييز في لطائف الكتاب العزيز؛مجد الدين محمد بن يعقوب الفيروزآبادي ، المكتبة العلمية-بيروت-بدون.

۱۴۔ تاريخ بغداد أو مدينة السلام؛ للحافظ أبي بكر أحمد بن علي الخطيب البغدادي ، دار الكتاب العربي-بيروت-بدون.

۱۵۔ تاريخ مدينة دمشق؛للامام أبي القاسم علي بن الحسن بن هبة الله المعروف بابن عساكر ، دارالفكر-بيروت-الطبعة الأولى ١٤١٥هـ-١٩٩٥م.

۱۶۔ التعريفات؛الشريف علي بن محمد الجرجاني ، دار الكتب العلمية -بيروت-الطبعة الأولى ١٤٠٨هـ-١٩٨٨م.

۱۷۔ تعظيم قدر الصلاة ؛للامام محمد بن نصر المروزي ، مكتبة الدار -المدينة المنورة-الطبعة الأولى ١٤٠٦هـ.

۱۸۔ تفسير القرآن العظيم مسنداً عن رسول الله ﷺ والصحابة والتابعين؛للامام الحافظ عبدالرحمن محمد بن ادريس الرازي ابن أبي حاتم ، مكتبة نزار مصطفى الباز-مكة المكرمة-الرياض-الطبعة الأولى ١٤١٧هـ-١٩٩٧م.

۲۰۔ تفسير القرآن العظيم ، لأبي اسماعيل بن عمرو بن كثير ، دار

المعرفة بيروت الطبعة الثانية ١٤٠٧هـ ١٩٨٧م .

٢١ـ تفسير القرآن : للامام عبدالرزاق بن همام الصنعانى ، مكتبة الرشد ـ الرياض ـ الطبعة الأولى ، ١٤١٠هـ ١٩٨٩م .

٢٢ـ تنبيه الغبى الى تكفير ابن عربى ، برهان الدين البقاعى .

٢٣ـ تهذيب اللغة : لأبى منصور محمد بن أحمد الزهرى .

٢٤ـ تيسير الكريم الرحمن فى تفسير كلام المنان : عبدالرحمن بن ناصر السعدى ، دار احياء التراث العربى ، ومؤسسة التاريخ العربى بيروت الطبعة الأولى ١٤٢٠هـ ١٩٩٩م .

٢٥ـ جامع البيان فى تفسير القرآن : لأبى عبدالله محمد بن أحمد الأنصارى القرطبى ، دار احياء التراث العربى ـ بيروت ـ الطبعة الثانية ، ١٤٠٥هـ ١٩٨٥م .

٢٦ـ حلية الأولياء وطبقات الأصفياء : للحافظ أبى نعيم أحمد بن عبدالله الأصفهانى ، دار الكتب العلمية ـ بيروت ـ الطبعة الأولى ١٤٠٩هـ ١٩٨٨م .

٢٧ـ الدر المنثور فى التفسير بالمأثور : للامام عبدالرحمن جلال الدين السيوطى ، دار الفكر ـ بيروت ـ الطبعة الأولى ١٤٠٣هـ ١٩٨٣م .

٢٨ـ زاد المعاد فى هدى خير العباد : للامام شمس الدين أبى عبدالله محمد بن أبى بكر المعروف بابن قيم الجوزية ، مؤسسة الرسالة ، الطبعة الخامسة عشر ١٤٠٧هـ ١٩٨٧م .

٢٩ـ الزهد الكبير : أبى بكر أحمد بن حسين البيهقى ، مؤسسة الكتب الثقافية ، ودار الجنان ـ بيروت ـ الطبعة الأولى ١٤٠٨هـ ١٩٨٧م .

٣٠ـ الزهد : عبدالله بن المبارك المروزى ، دار الكتب العلمية ـ بيروت ـ بدون .

٣١ـ سنن ابن ماجة : للحافظ أبى عبدالله محمد بن يزيد القزوينى ابن ماجة ، دار الجيل ـ بيروت ـ الطبعة الأولى ١٤١٨ ـ ١٩٩٨م .

۳۲۔ سنن أبی داؤد؛ للامام الحافظ أبی داؤد سلیمان بن الأشعث السجستانی، المکتبة العصریة۔ بیروت۔ بدون۔

۳۳۔ سنن الترمذی؛ لأبی محمد بن عیسیٰ بن سورة، دار احیاء التراث العربی۔ بیروت۔ بدون۔

۳۴۔ السنن الکبریٰ للامام أبی عبدالرحمن أحمد بن شعیب النسائی، دار الکتب العلمیة۔ بیروت۔ الطبعة الأولی ۱۴۱۱ھ۔ ۱۹۹۱م۔

۳۵۔ السنن الکبریٰ للامام الحافظ أبی بکر أحمد بن الحسین بن علی البیهقی، مکتبة المعارف۔ الریاض۔ دار المعرفة، بدون۔

۳۶۔ سنن النسائی؛ للحافظ أبی عبدالرحمن أحمد بن شعیب النسائی، بشرح الحافظ جلال الدین السیوطی وحاشیة الامام السندی۔ دار البشائر۔ بیروت۔ الطبعة الثانیة، ۱۴۰۶۔ ۱۹۸۶م۔

۳۷۔ السیرة النبویة؛ لابن هشام، دار الریان للتراث۔ القاهرة۔ الطبعة الأولی ۱۴۰۸ھ۔ ۱۹۸۷م۔

۳۸۔ شرح أصول اعتقاد أهل السنة والجماعة؛ أبی القاسم هبة الله بن الحسن بن منصور الطبری اللالکائی، دار طیبة للنشر والتوزیع۔ الریاض۔ بدون۔

۳۹۔ شرح القصیدة النونیة لابن قیم الجوزیة، أحمد بن ابراهیم بن عیسی، طبع المکتب الاسلامی۔ بیروت۔ الطبعة الثالثة ۱۴۰۶ھ۔

۴۰۔ شرح صحیح مسلم؛ لأبی زکریا یحیٰ بن شرف النووی، دار القلم۔ بیروت، الطبعة الأولی ۱۴۰۷ھ۔ ۱۹۸۷م۔

۴۱۔ صحیح البخاری مع الفتح، أبو عبدالله محمد بن اسماعیل البخاری، دار المعرفة۔ بدون۔

۴۲۔ صحیح سنن أبی داؤد؛ محمد ناصر الدین الألبانی، مکتب التربیة العربی لدول الخلیج، الطبعة الأولی ۱۴۰۹ھ۔ ۱۹۸۹م۔

٤٣۔ صحیح مسلم، لأبی الحسین مسلم بن الحجاج القشیری النیسابوری، المکتبة الاسلامیة۔ استانبول۔ الطبعة الأولی ١٣٧٤هـ۔ ١٩٥٥م۔
٤٤۔ طبقات الشافعیة۔ جمال الدین عبدالرحیم الأستوی۔ دار العلوم۔ الریاض ١٤٠١هـ۔
٤٥۔ الطبقات الکبریٰ، محمد بن سعد بن منیع، أبو عبدالله البصری الزهری، دار صادر۔ بیروت۔ بدون۔
٤٦۔ العلل ومعرفة الرجال، للامام أحمد بن حنبل، المکتب الاسلامی۔ بیروت۔ الطبعة الأولی ١٤٠٨هـ۔ ١٩٨٨م۔
٤٧۔ فتح الباری شرح صحیح البخاری، للحافظ أحمد بن حجر العسقلانی، دار المعرفة بیروت بدون۔
٤٨۔ الفردوس بمأثور الخطاب، لأبی شجاع شیرویه بن شهردار بن شیرویه الدیلمی، دار الکتب العلمیة۔ بیروت۔ الطبعة الأولی ١٤٠٦هـ۔ ١٩٨٦م۔
٤٩۔ فضائل الصحابة، للامام أحمد بن حنبل، دار العلم۔ جدة۔ الطبعة الأولی، ١٤٠٣هـ۔ ١٩٨٣م۔
٥٠۔ فی ظلال القرآن، سید قطب، دار العلم للطباعة والنشر بجدة، الطبعة الثانیة عشرة ١٤٠٦هـ۔ ١٩٨٦م۔
٥١۔ لسان العرب، لأبی الفضل جمال الدین محمد بن مکرم بن منظور الافریقی المصری، دار صادر۔ بیروت۔ الطبعة الأولی، بدون۔
٥٢۔ مجلة الأحکام العدلیة فی الأحکام الفقهیة، أعدتها لجنة من کبار علماء الدوله العثمانیة الأحناف عام ١٢٨٦هـ۔ ثم صدرت قانونا مدنیا شرعیا عاما فی الدولة العثمانیة منذ عام ١٢٩٣هـ۔
٥٣۔ مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، للحافظ نور الدین علی بن أبی

بكر الهيثمي ، دار الفكر ـ بيروت ـ ١٤١٢ هـ ـ ١٩٩٢ م.

٥٤ـ مجموع الفتاوى:لشيخ الاسلام أحمد بن عبدالحليم بن عبدالسلام بن تيمية، مؤسسة قرطبة ، بدون.

٥٥ـ المحصول في علم أصول الفقه:محمد بن عمر الرازي، جامعة الامام محمد بن سعود ـ الرياض ـ الطبعة الأولى ١٤٠٠ هـ.

٥٦ـ مختار الصحاح :زين الدين محمد بن أبي بكر بن عبدالقادر الرازي، مؤسسة الرسالة ـ بيروت ـ ١٤١٣ هـ ـ ١٩٩٢ م.

٥٧ـ مختصر الشمائل المحمدية للامام أبي عيسىٰ محمد بن سورة الترمذي، اختصره وحققه محمد ناصر الدين الألباني ، المكتبة الاسلامية ـ عمان ـ الطبعة الثانية ١٤٠٦ هـ.

٥٨ـ مدارج السالكين بين منازل اياك نعبد واياك نستعين ، للامام شمس الدين محمد بن أبي بكر بن قيم الجوزية ، دار الفكر ـ بيروت ـ الطبعة الأخيرة ١٤٠٨ هـ ـ ١٩٨٨ م.

٥٩ـ المستدرك على الصحيحين :للامام الحافظ أبي عبدالله محمد بن عبدالله الحاكم النيسابوري، دار الكتب العلمية ـ بيروت ـ الطبعة الأولى ١٤١١ هـ ـ ١٩٩٠ م.

٦٠ـ مسند أبي داؤد الطيالسي :للحافظ الكبير سليمان بن داؤد بن الجارود ، دار المعرفة ـ بيروت ـ بدون.

٦١ـ مسند الشاميين :للحافظ أبي القاسم سليمان بن أحمد الطبراني ، مؤسسة الرسالة ـ بيروت ـ الطبعة الأولى ١٤٠٩ هـ ـ ١٩٨٩ م.

٦٢ـ المسند الشهاب :للقاضي أبي عبدالله محمد سلامة القضاعي، مؤسسة الرسالة ـ بيروت ـ الطبعة الثانية ١٤٠٧ هـ ـ ١٩٨٦ م.

٦٣ـ المسند للامام أحمد بن حنبل ، مؤسسة قرطبة ، بدون.

٦٤۔ المسند؛لأبي سعيد الهيثم بن كليب الشاشي، مكتبة العلوم الحكم۔ المدينة المنورة۔ الطبعة الأولى ١٤١٠ھ۔

٦٥۔ المصنف؛للحافظ الكبير أبي بكر عبدالرزاق بن همام الصنعاني، المكتب الاسلامي، الطبعة الثانية ١٤٠٣ھ۔ ١٩٨٣م۔

٦٦۔ المعجم الأوسط؛أبو القاسم سليمان بن أحمد الطبراني، دار الحرمين۔ القاهرة۔ ١٤١٥ھ۔

٦٧۔ المعجم الكبير؛للحافظ أبي القاسم سليمان بن أحمد الطبراني، الطبعة الثانية، بدون۔

٦٨۔ المعجم الوسيط؛ابراهيم مصطفى وأحمد حسن الزيات، وحامد عبدالقادر ومحمد على النجار، المكتبة الاسلامية۔ استانبول۔ الطبعة الثانية، بدون۔

٦٩۔ المعجم في شيوخ أبي بكر الاسماعيلي؛ لأبي بكر أحمد بن ابراهيم بن اسماعيل الاسماعيلي، مكتبة العلوم والحكم۔ المدينة المنورة۔ الطبعة الأولى، ١٤١٠ھ۔ ١٩٩٠م۔

٧٠۔ معجم مقاييس اللغة؛ لأبي الحسين أحمد بن فارس بن زكريا، دار الجيل۔ بيروت۔ بدون۔

٧١۔ معجم؛للامام أبي سعيد أحمد بن فارس زياد بن بشر بن الأعرابي، دار ابن الجوزي، الطبعة الأولى ١٤١٨ھ۔ ١٩٨٨م۔

٧٢۔ ملامح الانقلاب الاسلامي في خلافة عمر بن عبدالعزيز؛عماد الدين خليل۔ الطبعة السابعة۔ مؤسسة الرسالة۔ ١٤٠٥ھ۔

٧٣۔ مناهج الجدل في القرآن الكريم؛ زاهر عواض الألمعي۔ الطبعة الثالثة ١٤٠٤ھ۔

٧٤۔ المنتخب من مسند عبد بن حميد؛ للامام الحافظ أبي محمد عبد بن حميد، عالم الكتب۔ بيروت۔ الطبعة الأولى ١٤٠٨ھ۔

۱۹۸۸م.

۷۵۔ نظم الدرر فی تناسب الآیات والسور : للامام برهان الدین أبی الحسن ابراهیم بن عمر البقاعی، دار الکتب العلمیة ، الطبعة الأولی، ۱٤۱۵هـ ۱۹۹۵م.

۷٦۔ النهایة فی غریب الحدیث والأثر : للامام مجد الدین أبی السعادات المبارك بن محمد الجزری بن الأثیر ، المکتبة العلمیة۔ بیروت۔ بدون .

۷۷۔ الیقین : للامام الحافظ أبی بکر عبدالله بن محمد عبید بن أبی الدنیا القرشی، دار الکتب العلمیة۔ بیروت۔ الطبعة الأولی ۱٤۰۷هـ ۱۹۸۷م.

یادداشت